مفید الواعظین

شمس الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب کوٹلوی

فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار لاہور

مفید الواعظین

تالیف

سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب

ناشر

فرید بک سٹال ۴۰۔ اردو بازار لاہور

نام کتاب ....مفید الواعظین
ناشر ....حامد اینڈ کمپنی۔لاہور
مطبع ....جنرل پرنٹرز
۱۰/۲۲ ریٹیگن روڈ
لاہور
قیمت .... روپے

فہرست مضامین

پہلا باب

فضائلِ الرّسُول

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ضرورتِ رسالت

خدا تعالےٰ نے اس عالم کو عالمِ اسباب و وسائل پیدا فرمایا ہے کسی کام کا بغیر سبب و وسیلہ کے ہو جانا مشکل ہے۔ بغیر والدین کے بھی بچہ پیدا کرنے پر خدا قادر ہے مگر وہ ایسا کرتا نہیں اور بچہ کی پیدائش ہمیشہ اس کے والدین کے وسیلہ سے ہوتی ہے۔ مینہ کا برسانا بغیر وسیلہ ابر و بادل کے صاف آسمان سے بھی خدا کی قدرت سے باہر نہیں مگر مینھ ہمیشہ ابر کے واسطہ سے ہی برستا ہے۔ بغیر قرص شمس کے بھی اللہ تعالےٰ نے ظلمتِ شب کو دُور فرما سکتا ہے مگر آج تک سُورج کے واسطہ و وسیلہ کے بغیر ہمیں دن نظر نہیں آیا۔

آپ کو اگر پاؤ بھر پانی گرم کرنا ہو اور آپ کے پاس آگ اور پانی موجود بھی ہو تو آپ آگ سے پانی گرم نہیں کر سکتے تاوقتیکہ آگ اور پانی کے درمیان آپ ایک وسیلہ دیگچی قائم نہ کریں۔ اس وسیلہ کو حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں گے۔ دیگچی آگ اور پانی کے درمیان رہ کر ایک طرف آگ سے فیض حاصل کر کے دوسری طرف پانی کو مستفیض کرے گی۔ اسی طرح خداوند کریم جو خالقِ کائنات ہے اور مخلوق کا اس سے تعلق اور رابطہ عبودیت قائم کرنا ضروری اور لازمی ہے تو خالق و مخلوق کے درمیان بھی کسی واسطہ و وسیلہ کی ضرورت تھی جس واسطہ و وسیلہ سے بندہ اپنے

خالق سے رابطہ وتعلق پیدا کر کے اپنے خالق و مالک تک رسائی حاصل کر سکے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اور مخلوق کے درمیان نبی و رسول کا واسطہ و وسیلہ مقرر فرمایا تاکہ بندہ اس وسیلہ سے اپنے خالق تک رسائی حاصل کر سکے۔ ؎

مقصودِ دل جو تیرا خدا کا وصال ہے ۔۔۔ دامن نبی کا تھام نہیں تو محال ہے

رسولِ مبشّر

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ

دُعائے خلیل و نوید مسیحا ! ۔۔۔ ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا

خدائے کریم نے اس سلسلۂ انبیاء کو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع فرمایا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سلسلہ کو ختم فرما دیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر میں تشریف لائے اور ہر نبی و رسول نے اپنے اپنے زمانہ میں آپ کی بشارت دی۔ بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو جابجا سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کی بشارت سے اہلِ دنیا کو مسرور فرمایا۔ چنانچہ قرآنِ پاک ارشاد فرماتا ہے :۔

مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ

یعنی حضرت عیسےٰ علیہ السلام یہ بشارت دیتے ہوئے تشریف لائے کہ میرے بعد ایک ایسا رسول تشریف لانے والا ہے جس کا نام پاک "احمد" ہوگا۔ قرآنِ پاک کی اس حقیقت کی تائید انجیل سے بھی ہوتی ہے ملاحظہ فرمائیے :

پہلی بشارت یوحنا باب ۱۴، آیت ۱۵-۱۷ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے خطاب فرماتے ہیں کہ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں "دوسرا وکیل" بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے یعنی حق کی روح

جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ نہ اُسے دیکھتی ہے اور نہ جانتی ہے۔"

یہاں لفظ "وکیل" یونانی لفظ "فارقلیط" کا ترجمہ ہے اور اُردو انجیلوں میں اسے وکیل، شفیع اور تسلّی دینے والا کے لفظ سے ادا کیا ہے۔ اس بشارت میں ایک دوسرے نبی کے آنے کی ہی پیشین گوئی نہیں، بلکہ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ آنے والے پر نبوت ختم بھی ہو جائے گی اور اس کی شریعت ایک دائمی شریعت ہو گی کیونکہ وہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ پس اے انصاف والو! یہ آنے والا "فارقلیط" وکیل، شفیع یا تسلّی دینے والا جو ابد تک ساتھ دینے والا ہے، بجز حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کون ہے؟

دوسری بشارت یوحنا باب ۱۴۔ آیت ۲۵ - ۳۱، میں سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کا اعلان بایں الفاظ موجود ہے: "میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن وکیل جو روح مقدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔ اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب باتیں تمہیں یاد دلائے گا، اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا۔ کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور میرے پاس اس کا کچھ نہیں۔"

غور فرمایئے! اس بشارت میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے بعد تشریف لانے والے کو اپنے آپ پر فضیلت دی اور فرمایا کہ میرے پاس اس کا کچھ نہیں اور پھر اپنے بعد تشریف لانے والے کو دنیا کا سردار فرمایا۔ نیز اس دنیا کے سردار کو اپنی غیر مکمل شریعت کا مکمل کر دینے والا بتایا اور فرمایا کہ وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل اور دنیا کا سردار اور شرع عیسوی کا تکمیل فرمانے والا بجز سرورِ عالم جناب محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کون ہے؟

تیسری بشارت یوحنا باب ۱۵۔ آیت ۲۵ - ۲۶ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ ارشاد منقول ہے کہ "یہ اس لیے ہوا کہ وہ قول پورا ہو کہ

جو ان کی شریعت میں آیا ہے کہ اُنھوں نے مجھ سے بے سبب عداوت کی لیکن جب وہ وکیل آئے گا جس کو میں تمھارے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روح حق جو باپ کی طرف سے نکلتی ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔"

اِس بشارت میں صاف کہا گیا ہے کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کی قوم نے ان کی تکذیب کی مگر آنے والا وکیل ان کی تصدیق کرے گا اور اس حقیقت پر قرآن پاک شاہد ہے کہ یہود کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جیسی تصدیق اور ان کی رسالت پر جیسی گواہی صاحبِ قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے ویسے آج تک کسی نے نہیں دی۔ آپ ہی ہیں جنھوں نے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا پر سے ایک گریہ الزام کو دُور فرمایا۔ آپ ہی ہیں جنھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات اور اُن کے لائے ہوتے سارے پیغام کو تسلیم فرمایا اور ان کو اتہام الوہیت سے بری کر کے ایک جلیل القدر نبی کی حیثیت میں پیش کیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی اس بشارت کا مصداق بھی سرورِ عالم جناب احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

چوتھی بشارت یوحنا باب ۱۶۔ آیت ۷۔ ۱۴، میں حضرت مسیح علیہ السلام نے صراحت کے ساتھ یعنی سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی فرمائی کہ :-

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ "وکیل" (فارقلیط) تمھارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اس کو تمھارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں ملزم ٹھہرائے گا۔ مجھے تم سے اور بھی باتیں کہنی ہیں مگر تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وُہ یعنی حق کی رُوح آئے گی تو تم کو حق کی راہ دکھائے گی۔ اِس لیے کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گی بلکہ

جو کچھ سُنے گی وہی کہے گی اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گی اور میرا جلال ظاہر کرے گی۔

اِس بشارت میں سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف مقدس نقشہ نظر آ رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صاف صاف فرمایا کہ ان کی اپنی بعثت کے وقت دنیا ایک مکمل اور دائمی شریعت کے تحمل کے قابل نہ ہوئی اِسی لیے اللہ نے اُن کو آسمان پر اُٹھا لیا اور اس تکمیل شریعت کا کام اس رُوحِ حق کے لیے اُٹھا رکھا جو بعد میں آنے والی تھی اور جس کے آنے پر یہ اعلان ہونے والا تھا کہ :-

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔

اور پھر حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کا یہ ارشاد کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گی بلکہ جو کچھ سُنے گی وہی کہے گی۔ قرآن پاک کی اس آیت کا کہ :- مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کا صاف صاف ترجمہ ہے اور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا عالم ماکان و مایکون ہونا اور آپ کا آئندہ (غیب) کی خبریں دینا (جیسا کہ قرآن پاک و احادیث سے ظاہر و باہر ہے) حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اس ارشاد کی تصدیق ہے کہ وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گی۔

معلوم ہوا کہ یہ بشارت بھی سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت پر ایک بیّن اور واضح شہادت ہے۔ بے شک یا رسول اللہ ؎

بشارت تری انبیاء دیتے آئے ہوا ہر زمانہ میں چرچا تمہارا

جَامِعُ الصِّفَات

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حُسنِ یُوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضور پُر نور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بعد تشریف لائے اور سارے نبیوں کے کمالات و فضائل کے جامع ہو کر تشریف لائے۔ وہ کون سا کمال ہے جو میرے آقا میں نہیں اور وہ کون سی خوبی ہے جو میرے مولا میں نہیں۔ ایک عربی شاعر لکھتا ہے ؎

وَلِکُلِّ نَبِیٍّ فِی الْاَنَامِ فَضِیْلَۃٌ
وَجُمْلَتُھَا مَجْمُوْعَۃٌ لِمُحَمَّدٖ

یعنی ہر نبی کے لیے جو جو فضائل و کمالات حاصل ہیں وہ سب کے سب ذات جامع الصفات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں جمع ہیں۔

ایک مثال آپ کو اگر چند رقمیں (مثلاً ۲۰ - ۱۸ - ۱۵ - ۱۰) جمع کرنی ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ان رقموں کو حسب ذیل صورت میں اُوپر نیچے لکھیں گے :-

۲۰
۱۸
۱۵
۱۰

پھر ان کو جمع کر کے جو ٹوٹل بنے گا اُس رقم کو آپ ان سب رقموں کے نیچے لکھیں گے۔ یعنی ان سب رقموں کا ٹوٹل ۶۳ ہے اور یہ رقم آپ سب رقموں کے نیچے بایں صورت لکھیں گے :-

۲۰
۱۸
۱۵
۱۰
———
۶۳

اب غور فرما لیجئے کہ ٹوٹل کی رقم ۶۳ بھی ایک رقم ہے اور سب کے بعد لکھی گئی ہے، مگر حقیقت میں اُوپر کی ساری رقمیں اسی ایک رقم میں موجود ہیں۔ اسی طرح انبیاءِ سابقہ علیہم السلام اپنے اپنے وقتوں پر تشریف لائے اور علی الانفراد سب نے اللہ تعالیٰ سے مختلف اوصاف و کمالات پائے اور پھر خداوند کریم نے ان جملہ کمالات و اوصاف کو جس وجود باوجود اور ہستی مسعود میں جمع فرمایا اُس کا نام مُحَمَّدؐ رکھا اور جمال آب و تاب اس وجود گرامی کے شرف سے اہلِ زمین کو مشرف فرمایا۔ یہ ذاتِ گرامی جملہ انبیاء کے جملہ اوصاف و کمالات کی جامع بن کر تشریف لائی اور چونکہ (جیسے کہ آپ پڑھ چکے) ٹوٹل کی رقم سب رقموں کے بعد لکھی جاتی ہے۔ اسی واسطے اس جامع کمالات ذات بابرکات کو سارے انبیاء علیہم السلام کے بعد بھیجا گیا اور دیکھنے میں تو حضور پُرنور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم بھی دیگر انبیاء کی طرح ایک نبی و رسُول ہیں مگر حقیقت میں پہلے تمام انبیاء و رسل کے تمام اوصاف و کمالات اسی ایک وجود باجود میں موجود ہیں۔ صفوۃ آدم۔ شوکتِ نوح، خلتِ ابراہیم، صبرِ ایوب، خوفِ یحییٰ۔ شکوہ سلیمان، حسنِ یوسف۔ جلالِ موسیٰ اور تواضع عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جامع یہی ذات منبع البرکات تو ہے جس کے متعلق حقیقت کا باین الفاظ اظہار کر دیا گیا۔ ؏

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اعلےٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب لکھا ہے ؎

بندۂ خالق مولائے کُل

تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بَری
حیراں ہوں مرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

یعنی حضور! آپ کے تو اوصاف اَن گنت اور شمار سے باہر ہیں۔ میں آپ کو کس وصفِ پاک اور لقب دلنواز سے پُکاروں؟ رحمۃ للعالمین کہوں یا ختم المرسلین اللہ کا پیارا عرض کروں کہ اُمت کا سہارا؟ رَبّ کا محبوب کہوں یا دانائے غیوب؟

فخرِ بنی آدم عرض کروں کہ مالکِ رقابِ اُمم؟ کیا عرض کروں؟ خدا کی سو سو رحمتیں روحِ اعلیٰحضرت پر کیا ہی اچھا فیصلہ کر دیا کہ ؎

لیکن رضاؔ نے ختمِ سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

یعنی اے سرورِ خوباں! مختصر یہ کہ آپ بندۂ خالق ہیں اور مولائے خلق۔ نہ تو آپ خدا ہیں معاذ اللہ جو حضور کو خدا کہے وہ بھی بے دین مشرک اور نہ ہی حضور خدا سے جدا ہیں، جو خدا سے جُدا کہے وہ بھی بے دین اور جاہل۔ حق یہ ہے کہ

تم ذاتِ خدا سے نہ جُدا ہو نہ خدا ہو
اللہ ہی کو معلوم ہے کیا جانیئے کیا ہو!

ذکرِ مُصطفٰے

صلی اللہ علیہ وسلم

عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ فرش پہ طرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگائیے، تیری ہی داستان ہے

بفضلِ اللہ آج تک کسی اہلِ سنّت نے نہ یہ عقیدہ رکھا اور نہ لکھا اور نہ کہا کہ معاذ اللہ حضور علیہ السلام خدا ہیں۔ جو شخص اہلِ سنّت پر اس عقیدہ کو تھوپے وہ انتہائی جھوٹا، مُفتری اور بُہتان تراشنے والا ہے۔ ہاں! ہم یہ کہتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ ہمارے آقا و مولا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے جدا نہیں ہیں۔ جہاں ذکرِ خدا ہے وہیں ساتھ ہی ساتھ ذکرِ مصطفٰے بھی ہے۔ کوئی بھی ایسا مقام نہیں جہاں ذکرِ خدا ہو اور ذکرِ مصطفٰے نہ ہو۔

قرآن کی شہادت دیکھئے! خداوند کریم خود قرآن پاک میں اپنے محبوب سے ارشاد فرماتا ہے:- وَرَفَعْنَا لَكَ

ذِکْرَکَ ؕ یعنی اے محبوب ہم نے تمہارے لیے تمہارے ذکر کو بلند فرما دیا۔

اللہ! اللہ!! بموجب فرمانِ خدا حضور علیہ السلام کے ذکر کو ایسی رفعت و بلندی حاصل ہوئی کہ کلمۂ طیبہ میں جہاں توحید خدا کا بیان ہے تو وہیں ساتھ ہی رسالت مصطفےٰ کا بھی اعلان ہے۔ مؤذن کی اذانوں میں خطیب کے خطبوں میں اور واعظ کے بیانوں میں ذکرِ خدا کے ساتھ ساتھ ذکرِ مصطفےٰ موجود و شامل ہے اور پھر ذکرِ مصطفےٰ کو یہ عروج حاصل کہ جہاں نام خدا مکتوب وہیں اسمِ مصطفےٰ بھی مکتوب۔ عرش و فرش، زمین و آسمان، حور و غلمان، جنان و مافی الجنان، اوراق شجرۃ طوبیٰ، اوراق سدرۃ المنتہیٰ اور اطراف حجب اعین ملائکہ سب پر سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی و اسمِ گرامی کندہ ہے۔ چنانچہ احادیث کی شہادت ملاحظہ فرمائیے:

پہلی حدیث ابن جریر اور ابن ابی حاتم۔ ابو یعلی اور ابن حبان نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اخراج کیا کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کی تفسیر میں فرمایا کہ:

قَالَ جِبْرِیْلُ قَالَ اللّٰہُ اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیَ۔ (خصائص الکبریٰ ج۲ صہ۱۹۶، مواہب ج۲ صہ۴۶، خازن ج۴ صہ۳۸۹)۔

جبریل نے مجھ سے عرض کی کہ اللہ فرماتا ہے کہ جب میں یاد کیا جاؤں گا تو تم بھی میرے ساتھ یاد کیے جاؤ گے۔

دوسری حدیث ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ؕ کی تفسیر میں اخراج کیا کہ:

رَفَعَ اللّٰہُ ذِکْرَہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَلَیْسَ خَطِیْبٌ وَّلَا مُتَشَہِّدٌ وَّلَا صَاحِبُ صَلٰوۃٍ اِلَّا یُنَادِیْ اَشْہَدُ اَنْ

اللہ تعالےٰ نے حضور علیہ السلام کے ذکر کو دنیا و آخرت میں بلند فرمایا۔ پس کوئی خطیب تشہد اور کوئی ایسا نمازی نہیں جو اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ (خصائص ص۱۹۶ ج۲ مواہب لدنیہ ص۴۷ ج۲۔)

اشہد ان محمدًا رسول اللہ کا اعلان نہ کرتا ہوتو

تیسری حدیث ابن عساکر نے کعب الاحبار سے اخراج کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادہ حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا کہ:۔

فَاِنِّیْ رَاَیْتُ اِسْمَہٗ مَکْتُوْبًا عَلٰی سَاقِ الْعَرْشِ وَ اَنَا بَیْنَ الرُّوْحِ وَالطِّیْنِ ثُمَّ اِنِّیْ طُفْتُ السَّمٰوٰتِ فَلَمْ اَرَ فِی السَّمٰوٰتِ مَوْضِعًا اِلَّا رَاَیْتُ اِسْمَ مُحَمَّدٍ مَکْتُوْبًا عَلَیْہِ وَاِنَّ رَبِّیْ اَسْکَنَنِیْ الْجَنَّۃَ فَلَمْ اَرَ فِی الْجَنَّۃِ قَصْرًا وَّلَا غُرْفَۃً اِلَّا اِسْمُ مُحَمَّدٍ مَکْتُوْبًا عَلَیْہِ لَقَدْ رَاَیْتُ اِسْمَ مُحَمَّدٍ مَکْتُوْبًا عَلٰی نُحُوْرِ الْحُوْرِ الْعِیْنِ وَ عَلٰی وَرَقِ قَصَبِ اٰجَامِ الْجَنَّۃِ وَ عَلٰی وَرَقِ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی وَ عَلٰی اَطْرَافِ الْحُجُبِ وَ بَیْنَ اَعْیُنِ الْمَلٰٓئِکَۃِ فَاَکْثِرْ ذِکْرَہٗ فَاِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ تَذْکُرُہٗ فِیْ کُلِّ سَاعَتِھَا۔

(خصائص الکبریٰ ص۷ ج۱)

میں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام ساق عرش پر لکھا دیکھا۔ دراں حالیکہ میں روح اور مٹی میں تھا۔ پھر میں نے آسمان کا طواف کیا تو ہر جگہ نام محمدؐ لکھا دیکھا اور جب ربّ نے مجھے جنّت میں ٹھہرایا تو ہر محل اور چبارہ پر اسم محمدؐ لکھا دیکھا۔ نیز حضور کا نام نامی میں نے حورعین کے سینوں جنگلات جنّت کے پتوں شجرہ طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر اور پردوں کے کناروں پر اور فرشتوں کی آنکھوں میں نام مصطفیٰ لکھا پایا۔ پس (اے شیث) یادِ مصطفیٰ کثرت سے کیا کرو کہ فرشتے انھیں ہر گھڑی یاد کرتے ہیں۔

کیا ثابت ہوا

قرآن وحدیث سے ثابت یہ ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم خدا تو بے شک نہیں ہیں۔ مگر خدا سے جدا بھی نہیں ہیں۔

ذکرِ مصطفےٰ کو وہ عروج اور رفعت حاصل ہے کہ بجز اس ذکر کے ذکرِ خدا پایا ہی نہیں جاتا۔ اور وہ ذکر ذکرِ خدا ہی نہیں جو ذکرِ مصطفےٰ سے الگ ہو۔ ؎

ذکرِ خدا جو اُن سے جُدا چاہو نجدیو
واللہ ذکرِ حق نہیں، کنجی سقر کی ہے

لطیفہ

مولانا حسن میاں علیہ الرحمۃ کا شعر ہے: ؎

اذاں کیا، جہاں دیکھو ایمان والو
پسِ ذکرِ حق، ذکر ہے مصطفےٰ کا

یعنی نہ صرف اذان بلکہ ہر مقام میں ذکرِ خدا کے بعد ذکرِ مصطفےٰ موجود ہے مگر اس کی وجہ کیا؟ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب کا ذکر اپنے ذکر سے پیچھے رکھا یعنی لا الٰہ الا اللہ پہلے ہے اور محمد رسول اللہ پیچھے ہے۔ محبوب کے نام کو اپنے ذکر سے مؤخر کیوں کیا؟ اس کا جواب ملاحظہ ہو ؎

کہ پہلے زباں حمد سے پاک ہولے
تو پھر نام لے وہ حبیبِ خدا کا

سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز اور لطیف بات پیدا کی کہ محبِّ ازلی خداوند کریم کا یہ اپنے محبوب سے پیار کا نتیجہ ہے کہ اپنے محبوب پاک کے نام کو اپنے نام کے بعد رکھ دیا۔ تاکہ جو اس کے محبوب کا نام لینا چاہے وہ پہلے ذکرِ توحید سے اپنی زبان پاک اور ستھری کرلے پھر اس کے محبوب کا نام لے ؎

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب   ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ایک شبہ اور اس کا جواب اس مقام پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب ہر مقام میں ذکرِ خدا کے ساتھ ذکرِ مصطفےٰ موجود ہے تو پھر جانور ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرْ میں ذکرِ خدا کے ساتھ ذکرِ مصطفےٰ کیوں موجود نہیں؟

اِس کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں ذکرِ خدا کے ساتھ ذکرِ مصطفےٰ موجود نہیں ہے۔ مگر اس میں سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی شان ہی کا اظہار ہے اور وہ یوں کہ خدائے تعالےٰ رحیم و غفار بھی ہے۔ اور جبار و قہار بھی۔ اور سرورِ عالم سر تا پا رحمت ہی رحمت ہیں اور جانور پر چھری پھرنے کا وقت بظاہر رحمت کا وقت نہیں، اسی واسطے بوقت ذبح بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ میں بسم اللہ کے ساتھ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (جو بسم اللہ کا جزو ہے) کہنے کی بھی اجازت نہیں کہ یہ وقت رحمت کا نہیں اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے محبوب سے بھی فرمایا کہ اے رحمتِ عالم! اس وقت اور صرف اسی وقت تو ذرا ایک طرف ہو جا، تاکہ تیرے دامنِ رحمت پر داغ نہ آ جائے! ؎

حق تعالےٰ کی بڑی نعمت ہے تو
سارے عالم کے لیے رحمت ہے تو

افضل الرُّسل

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

خلق سے اولیاء، اولیاؑ سے رسل اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی!
سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سب انبیاءؑ کے بعد تشریف لائے

اور سب انبیاء کے سردار اور سب سے اعلیٰ و افضل ہو کر تشریف لائے۔ گزشتہ اوراق میں آپ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا جامع الصفات ہونا اور پھر آپ کی رفعت ذکر کا حال معلوم کر چکے یہ سب کچھ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ رفیع کی ایک معمولی سی جھلک تھی تاہم اس سے بھی حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام انبیاءؑ پر فضیلت و برتری ظاہر ہے۔ اس شان اور اس قدر رفعت و ذکر کے صاحب و مالک کے افضل الرسل ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ بلاشک وبلا ریب سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بقول حضرت مسیح علیہ السلام کہ دنیا کا سردار آتا ہے، ساری دنیا کے سردار اور کل انبیاء کے تاجدار ہیں۔

قرآن پاک خداوند کریم نے قرآن پاک میں ہر نبی و رسول کو اس کے ذاتی نام سے پکارا۔ مثلاً:۔

حضرت آدم علیہ السلام کو پکارا تو:۔ یَآاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ "یا آدم" کہہ کر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا تو:۔ یَا زَكَرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامِ نِ اسْمُهٗ يَحْيٰى میں "یا زکریا" کہہ کر۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پکارا تو:۔ يَا يَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ میں "یا یحییٰ" کہہ کر۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکارا تو:۔ يَآ اِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا میں "یا ابراہیم" کہہ کر۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو پکارا تو:۔ يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ میں "یا عیسیٰ" کہہ کر۔

اور اسی طرح ہر نبی و رسول کو اس کے ذاتی نام ہی سے پکارا۔ مگر جب افضل الرسل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ندا فرمائی تو ذاتی نام سے "یا محمد" کہہ کر نہیں بُلایا بلکہ محبوب کی اداؤں کو ملحوظ رکھ کر کہیں تو فرمایا:۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ	اے جُھرمٹ مارنے والے محبوب!
کہیں فرمایا:۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ	اے کملی اوڑھنے والے پیارے!
کہیں فرمایا:۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ	اے پیارے نبی!
کہیں فرمایا:۔ یٰسٓ	اے سردار!
کہیں فرمایا:۔ طٰهٰ	اے چودھویں کے چاند!

دیکھا آپ نے! سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان محبوبی کو آپ کی فضیلت و برتری کو کہ آپ کو کہیں بھی ذاتی نام سے خدا تعالےٰ نے نہیں پکارا۔ بلکہ جب بھی یاد فرمایا تو ادائے محبوب کو ملحوظ رکھ کر ندا فرمائی ؎

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب
یا ایہا النبیؐ خطاب محمدؐ است

حدیث نمبر (۱) اس باب میں سینکڑوں احادیث موجود ہیں۔ مگر ہم اختصار کے پیشِ نظر صرف ایک دو احادیث کا ذکر کریں گے۔ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ وَّلَا فَخْرَ۔ (مشکوٰۃ صـ ۵۰۶)	میں رسولوں کا پیشوا ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں۔ میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں۔ میں پہلے شفاعت کرنے والا اور پہلا شفاعت قبول فرمایا گیا ہوں اور اس میں کوئی فخر نہیں ہے۔

حدیث نمبر (۲) مسلم شریف میں ہے، سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السّلام اللہ کے کلیم تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام اللہ کے خلیل تھے۔

وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ ! (مشکوٰۃ ص۵۰۵) اور میں اللہ کا حبیب ہوں۔

کلیم و حبیب میں فرق

نزہتہ المجالس ص ۷۳۔ جلد ۳ میں ہے:۔

قَالَ النسفی رضی اللّٰہ عنہ قَالَ موسیٰ علیہ السلام یَا رَبِّ اَنَا کَلِیْمُكَ وَمُحَمَّدٌ حَبِیْبُكَ فَمَا الْفَرْقُ بَیْنَ الْکَلِیْمِ وَالْحَبِیْبِ فَقَالَ الْکَلِیْمُ یَعْمَلُ بِرِضَاءِ مَوْلَاہُ وَالْحَبِیْبُ یَعْمَلُ مَوْلَاہُ بِرِضَائِہٖ وَالْکَلِیْمُ یُحِبُّ اللّٰہَ وَالْحَبِیْبُ یُحِبُّہُ اللّٰہُ وَالْکَلِیْمُ یَاتِیْ اِلٰی طُوْرِ سِیْنَاءَ ثُمَّ یُنَاجِیْ وَالْحَبِیْبُ یَنَامُ عَلٰی فِرَاشِہٖ فَیَاتِیْ بِہٖ جِبْرِیْلُ فِیْ طَرْفَۃِ عَیْنٍ اِلٰی مَکَانٍ لَمْ یَبْلُغْہُ اَحَدٌ مِّنَ الْمَخْلُوْقِیْنَ۔

امام نسفی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ کہ موسیٰ علیہ السلام نے رب سے پوچھا کہ مولا! میں تیرا کلیم ہوں اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تیرا حبیب ہے۔ یہ تو فرما، کہ کلیم و حبیب میں فرق کیا ہے؟ خدا نے فرمایا کہ کلیم وہ ہے جو اپنے مولا کی رضا سے کام کرے اور حبیب وہ ہے جس کی رضا سے مولا کام کرے۔ اور کلیم وہ ہے جو اللہ کو چاہے۔ حبیب وہ ہے جس کو اللہ چاہے، کلیم وہ ہے جو خود طور سینا پر آکر التجا کرے اور حبیب وہ ہے جو اپنے بستر پر آرام فرما ہو اور (بحکم خدا) جبریل خود حاضر ہو کر اُسے ایک پل میں وہاں لے آئے جہاں کوئی نہ پہنچا ہو۔

دیکھئے میرے آقا و مولا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت و فضیلت کہ دنیا رضائے خدا کی طالب اور خود خدا رضائے مصطفےٰ (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا طالب ہے ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم | خدا چاہتا ہے رضائے محمدؐ

تحویل قبلہ

قرآن پاک اس امر پر شاہد ہے کہ خداوند کریم مرضئ مصطفٰے پر راضی ہے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بحکم خدا بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مرضی یہ تھی کہ اپنا قبلہ کعبہ شریف ہو جائے۔ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اسی خواہش و تمنّا میں بار بار آسمان کی طرف نظر فرماتے ہیں کہ میری مرضی کے مطابق تحویل قبلہ کا ارشاد فرما دیا جاوے، تو خداوند کریم نے فرمایا:۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط

محبوب!

محبوب! ہم تمہارا بار بار آسمان کی طرف منہ کرنا دیکھ رہے ہیں، تو ہم ضرور تمہیں اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس میں تمہاری خوشی اور مرضی ہے۔ پس ابھی اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف پھیر لو۔

معلوم ہوا کہ جس قبلہ کی طرف منہ کرکے ہم نماز پڑھتے ہیں یہ قبلہ رضائے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر کردہ ہے اور ہر مسلمان بوقت نماز مرضئ مصطفٰے کا پابند ہے کہ وہ اپنا منہ اسی کعبہ کی طرف کرکے نماز پڑھے جس کو حضور نے چاہا اور پسند فرمایا اور جس کعبہ کو نگہِ انتخاب مصطفٰے نے قبلہ بنا دیا۔ ؎

کعبہ بھی ہے انھیں کی تجلی کا ایک ظلّ
روشن انھیں کے دم سے پتلی حجر کی ہے

اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا کا عقیدہ

تمام مسلمانوں کی مقدس ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے عرض کرتی ہیں کہ میرے آقا!

مَا اَرٰی رَبَّكَ اِلَّا يُسَارِعُ فِیْ هَوَاكَ۔ (مشکوٰۃ)

آپ کا رب تو آپ کی مرضی و خواہش پوری فرمانے میں بہت جلدی کرتا ہے (یعنی آپ نے جو کہا

خدا نے ویسا ہی کر دیا۔

اِس حدیث سے بھی ثابت ہُوا کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ الوہیت میں وہ وقار اور رسائی حاصل ہے کہ خدائے تعالیٰ کی نگہِ کرم ہر وقت اپنے محبوب کی مرضی پر رہتی ہے۔ ؎

حشر کا خوف ہے سب پر غالب سب ہیں رضائے حق کے طالب
حق کی نظر ہے سوئے محمّد صلے اللہ علیہ وسلم

نالائق بیٹا مسلمانوں کی مقدس ماں کا عقیدہ آپ معلوم کر چکے۔ اب جس کا عقیدہ اس کے خلاف ہو اور جو اپنا عقیدہ یہ رکھے کہ :-

"جس کا نام محمّد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں"۔

اور یہ کہ :-

"جملہ انبیاء خدا کے سامنے عاجز و کمتر اور ناکارہ ہیں"۔

اور :-

"ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کے سامنے چمار سے بھی ذلیل ہے" (معاذ اللہ)

وہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نالائق بیٹا ہے، بلکہ بیٹا کہنا بھی تو غلط ہے کہ بیٹا پھر بھی بیٹا ہے، ایسے شخص کو تو حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے کوئی واسطہ ہی نہیں، ام المومنین رضی اللہ عنہا کا لائق اور سچا بیٹا وہ ہے جو ان کے مسلک کے مطابق ہے اور جو سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو باذن اللہ مالک ومختار، دو عالم کا سردار اور بارگاہِ الوہیت میں ذی وقار مانے اور جو مرضیٔ مصطفےٰ کو مرضیٔ کردگار جانے اور جس کا ایمان یہ ہو کہ ؎

تجھے یا نبی ہم جدھر دیکھتے ہیں
خدائے جہاں بھی اُدھر دیکھتے ہیں،

فضیلت کا معیار تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف نظر دوڑا کر

کہ وہ کونسی ہستی ہے جو اپنے مشن اور مقصد میں سب سے زیادہ کامیاب رہی فضیلت کا ایک معیار یہ بھی ہے کہ جو اپنے مشن اور مقصد میں سب سے زیادہ کامیاب ہے وہی سب سے زیادہ افضل و برتر ہے۔ اس اصول کے پیشِ نظر سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی طرف دیکھئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں میں زیادہ کامیاب نظر آئیں گے۔ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ نے اپنی مختصر سی عمر شریف میں جس سرعت سے توحید کا ڈنکا اطرافِ عالم میں بجایا اور جس قدر جاں نثار و جاں باز مقدس ہستیاں تیار فرمائیں اس کی مثال انبیائے سابقہ کی طویل عمروں میں نہیں ملتی۔

حضرت نوح علیہ السلام مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی عمر تبلیغ ساڑھے نوسو برس تھی۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے :۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَلَبِثَ فِیْھِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا ط	ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ پچاس برس کم ایک ہزار برس ان میں رہے۔

اتنی لمبی عمر شریف میں حضرت نوح علیہ السلام قوم کو دن بھی اور رات بھی تبلیغ فرماتے رہے۔ چنانچہ قرآن میں آیا ہے کہ :۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَھَارًا ط	(نوح علیہ السلام نے) کہا کہ اے ربّ میں اپنی قوم کو دن اور رات بلاتا رہا۔

پھر اس طویل عمر میں دن رات کی تبلیغ کا نتیجہ خود حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے منقول ہے۔ سُنیے کہ :۔

فَلَمْ یَزِدْھُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا ط	(مولا) میری قوم میرے بُلانے سے اور بھی دُور بھاگی۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ اتنی طویل عمر شریف کی دن رات کی تبلیغ سے

صرف بہتر۷۲ اشخاص ایمان لائے۔

افضل الرسلؐ صلے اللہ علیہ وسلم

مگر سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی اوّل تو عمر شریف تریسٹھ۶۳ برس کی ہے اور پھر اس میں سے بھی ۴۰ سال تک اظہارِ نبوت نہیں ہُوا۔ ۴۰ سال کے بعد حکم تبلیغ ہوتا ہے۔ رہ گئے ۲۳ سال۔ ان ۲۳ سال کی بھی ساری ساری راتیں عبادتِ الٰہی اور اپنے مولا سے راز و نیاز میں گزر گئیں۔ باقی ماندہ مختصر سے عرصۂ تبلیغ کا نتیجہ ہم نے یہ دیکھا کہ حجۃ الوداع کے دن سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ سننے کے لیے ایک لاکھ چوبیس۲۴ ہزار حضور کے جان نثار اور نام لیوا موجود تھے اور پھر یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نفوسِ قدسیہ جو تبلیغ مصطفےؐ سے باغِ اسلام کے سرسبز و شاداب پودے تھے دن بدن ترقی کرتے گئے۔ حتیٰ کہ آج غلامانِ مصطفےؐ چالیس کروڑ سے بھی زیادہ ہیں!

زندہ نبی

اور اس میں ہمیں سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی حیات کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ غور فرمایئے کہ ہر باغ کا ایک مالک ہوتا ہے اور ایک محافظ (مالی) جس باغ کا محافظ (مالی) زندہ ہے اس باغ میں دن بدن ترقی ہو گی اور وہ باغ یوماً فیوماً بڑھے گا، اور جس باغ کا محافظ (مالی) مر مٹ گیا ہو۔ وہ باغ ایک دو دن میں ہی برباد، تباہ اور ویران ہو جائے گا۔

اِسی طرح باغِ اسلام بھی ایک ایسا باغ ہے جس کا مالک خدا ہے اور محافظ مصطفےؐ ہے۔ اِس مقدس محافظ نے اس باغ کی کچھ اس طرح پرورش فرمائی کہ مختصر عرصہ ہی میں اسے ہرا بھرا سرسبز و شاداب کر دیا۔ اور ایک لاکھ چوبیس ہزار گلہائے رنگا رنگ اس میں نظر آنے لگے اور پھر یہ باغ آج ساڑھے تیرہ سو برس میں ہمیں دن بدن بڑھتا ہی نظر آیا۔ حتیٰ کہ آج باغ میں ۴۰ کروڑ سے بھی زائد پھول نظر آ رہے ہیں تو اس باغ کے

دن بدن ترقی کرنے سے یہ ثابت ہوا کہ اس باغ کا محافظ (مصطفےٰ) زندہ موجود ہے۔

تُو زندہ ہے واللہ تُو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھُپ جانے والے

تقویۃ الایمان اور تذکرہ

باوجود اس حقیقت کے آج منکرین حیات الانبیاءؑ اور منکرین حیات حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضور حیات النبی صلے اللہ علیہ وسلم کو 'مر کر مٹی میں مل جانے والا' لکھ کر اپنی بے خبری و نادانی کا ثبوت دیا۔ چنانچہ یہ عبارت تقویۃ الایمان اور تذکرہ میں لکھی گئی ہے۔ اب یہ سوچنا مسلمان کا کام ہے کہ تقویۃ الایمان اور تذکرہ کی یہ عبارت حضرت سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سراسر توہین ہے یا نہیں؟ ان نادانوں نے یہ نہ سوچا کہ باغِ اسلام کا محافظ اگر (اُن کے منہ میں خاک) مر کر مٹی میں مل گیا ہوتا۔ تو اِس باغ کو یہ دن بدن ترقی کیسے حاصل ہوتی۔ یہ باغ تو آج تک اُجڑ گیا ہوتا۔ ویران اور برباد ہو گیا ہوتا ؎

ہے اُنھیں کے دم قدم سے باغ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا گر وہ نہیں عالم نہیں!

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ اور کئی معجزات دکھانے سے جو اُمّت تیار ہوئی۔ اُس امت کا عین وقتِ جہاد پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دے دینے کا قصہ قرآنِ پاک میں مذکور ہے۔ حضرت کلیم علیہ السلام بنی اسرائیل سے فرماتے ہیں:۔

اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَۃَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ۔

بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ اور (قوم عمالقہ سے) مقابلہ کرو۔ یہی حکمِ الٰہی ہے۔

مگراُن پر ایمان لانے والے بنی اسرائیل نے یہ جواب دیا کہ :۔

یَا مُوسٰی اِنَّ فِیھَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۔ — اے موسیٰ! وہاں تو بڑے بڑے زبردست لوگ ہیں۔

اور پھر صاف صاف کہہ دیا کہ :۔

اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَھَا حَتّٰی یَخْرُجُوْا مِنْھَا فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَا فَاِنَّا دَاخِلُوْنَ ۝ — جب تک وہ (عمالقہ) وہاں موجود ہیں۔ ہم تو نہیں جا سکتے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو بیشک ہم داخل ہو سکتے ہیں۔

پھر اُن سے کہا گیا کہ :۔

اُدْخُلُوا الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْہُ فَاِنَّکُمْ غَالِبُوْنَ ط — تم ذرا شہر پناہ کے دروازے تک تو پہنچ جاؤ۔ دروازہ کے اندر قدم رکھتے ہی تم غالب آجاؤ گے۔

مگر قوم موسیٰ علیہ السّلام نے جواب دیا کہ :۔

یَا مُوْسٰی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَھَا اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْھَا فَاذْھَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا اِنَّا ھٰھُنَا قَاعِدُوْنَ ۝ — اے موسیٰ! ہم نے کہہ دیا کہ جب تک وہ (عمالقہ) وہاں موجود ہیں ہم نہیں جائیں گے۔ اگر ایسا ہی شوق چرایا ہے تو تم اور تمھارا خدا دونوں جا کر جنگ کرو ہم تو یہیں بیٹھے (تماشہ دیکھتے) ہیں۔

افضل الرُّسل صلے اللہ علیہ وسلّم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی اپنے پیغمبر سے بے وفائی آپ نے دیکھ لی۔ اب آئیے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و برتری اور آپ کی کامیابی کا کرشمہ بھی دیکھئے۔ آپ نے اپنی مختصر سی عمر شریف میں جو جاں نثار اور نفوس قدسیہ تیار فرمائے۔ انھوں نے اس عشق و محبت سے دامنِ مصطفٰے صلی اللہ

علیہ وسلم کو تھامار کہ مشکل وقت پر بھی اس دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور اپنی جان ومال اور اولاد سے بھی عشقِ رسول کو مقدم سمجھا اور یہی کہا ؎

سر کٹے ، کنبہ مرے اور گھر لُٹے
دامنِ احمد نہ ہاتھوں سے چُھٹے

ابو جہل ایک ہزار کی فوج لے کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے جب مکّہ سے جانبِ مدینہ بڑھا اور مسلمانوں کو علم ہوا تو سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا اور دریافت فرمایا کہ قریشِ مکّہ سے مقابلہ کے لیے تم میرا ساتھ دوگے یا نہیں ؟ تو ان نفوسِ قدسیہ نے جو جو جواب عرض کیا ملاحظہ فرمائیے عرض کیا ؎

تعالیٰ اللہ یہ شیوہ ہی نہیں ہے باوفاؤں کا
پیا ہے دُودھ ہم لوگوں نے غیرت مند ماؤں کا
نبی کا حکم ہو تو پھاند جائیں ہم سمندر میں
جہاں کو محو کر دیں نعرۂ اللہ اکبر میں
قریشِ مکّہ تو کیا چیز ہیں دیووں سے لڑ جائیں
سنانِ نیزہ بن کر سینۂ باطل میں گڑ جائیں

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم وہ نہیں ہیں کہ قومِ موسیٰ کی طرح اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا۔ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ کہہ دیں ، ہم تو حضور کے داہنے بائیں آگے پیچھے قتال کے لیے حاضر ہیں! (زاد المعاد صـ۳۴۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری یہود اسکریوتی نے صرف تیس روپے کے لالچ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قاتلوں کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ انجیل متی میں ہے :-

" اسی وقت ان بارہ میں سے ایک نے جس کا نام یہوداہ اسکریوتی تھا، سردار کاہنوں کے پاس جاکر کہا اگر میں اسے (حضرت مسیح علیہ السلام کو) تمہارے حوالے کردوں تو مجھے کیا دو گے؟ انھوں نے اُسے تیس روپے تول کر دیئے اور وہ اُس وقت سے اُس کے پکڑنے کا موقع ڈھونڈنے لگا۔" (متی ب ۲۶ - ۱۴)

افضل الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کا ایمان

مگر سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا ایمان دیکھئے کہ قریش مکہ ایک مرتبہ جب دھوکے سے حضرت خبیب اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو پکڑ کر مکہ میں لے آئے اور ان دونوں بزرگوں کو پھانسی دینے کے لیے پھانسی کے نیچے لے آئے تو قریش نے ان سے کہاکہ اگر تم اسلام کو چھوڑ دو تو ہم تمھیں چھوڑ دیں گے۔ ان دونوں بزرگوں نے جواب دیاکہ جب اسلام ہی نہ رہا تو پھر ہم جان رکھ کر کیاکریں گے۔ آخر بے رحموں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پھانسی پر لٹکا دیا اور نیزہ والوں نے نیزہ کی اَنی سے ان کے جسم کے ایک ایک حصہ پر چرکے لگائے۔ باوجود اس کے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے دامنِ عشقِ مصطفےٰ نہیں چھوٹا اور آپ نے یوں فرمایا :- ؎

فَلَسْتُ اُبَالِی حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا!
عَلٰے اَیِّ شِقٍّ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِیْ

"جب کہ میں اسلام پر جان دے رہا ہوں، پھر مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ راہِ خدا میں کس پہلو پر گرتا اور کیوں کر جان دیتا ہوں۔" (بخاری شریف)

پھر جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہادت گاہ میں لایا گیا تو اُن سے کہا گیاکہ کیا ہی اچھا ہو اے زید! اگر تمھاری جگہ آج محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت زید کا ایمان افروز جواب سُنیے :-

فرمایا ؎

مجھے ہو ناز قسمت پر اگر نامِ محمدؐ پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سراپا اس کو ٹھکرائے
یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ ان کے پاؤں کے تلوے میں آہ کانٹا بھی چبھ جائے

ملاحظہ کیجئے! بیہودہ حواریٔ عیسےٰ علیہ السّلام نے صرف تیس روپوں کے لالچ میں اپنے پیغمبر کو قاتلوں کے سپرد کر دیا اور صحابۂ مصطفےٰ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنی جان تک کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے محبوب پیغمبر کے پاؤں میں کانٹا تک چبھنا منظور نہ کیا۔ ایسے جاں نثار نفوسِ قدسیہ کا تیار فرمانا حضور علیہ السّلام کی شان دار کامیابی ہے اور یہ ثبوت ہے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برتری و فضیلت کا۔

صِدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہٗ

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے یارِ غار سب سے زیادہ جاں نثار اور صحابہ کے سردار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کہ راہِ خدا میں کچھ دو۔ اپنے گھر کی پونجی اور سارا مال اور سب کا سب سامان بارگاہِ مصطفےٰ میں لا کر حاضر کر دیا۔ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا! ابوبکر! گھر میں کیا چھوڑ آئے؟

عرض کی ؎

پروانہ کو چراغ اور بلبل کو پھول بس
صدّیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس
(صلّے اللہ علیہ وسلّم)

بیہودہ اسکریوتی تیس روپوں کے لالچ میں پھنس کر اپنے پیغمبر کو پکڑوا دیتا ہے اور حضرتِ صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اپنے پیغمبر کے ارشاد پر

اپنا سارا مال و زر قربان کر ڈالتے ہیں ؎

تیرے بے[1] دام کے بندے[2] ہیں رئیسانِ عجم
تیرے بے[1] دام کے بندے[2] ہیں ہزارانِ عرب

ایک شُبہہ کا جواب مرزائیوں نے اپنی پاکٹ بک میں یہ اعتراض کیا ہے۔ نیز عیسائی بھی کہتے ہیں کہ جب (بقول اہلسنت) حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر موجود ہیں اور حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم زمین میں آرام فرما ہیں تو اس سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ثابت ہوئی۔ اس لیے کہ جو اُوپر آسمان پر ہے وہ اس سے افضل ہے جو نیچے زمین میں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کُلیہ ہی غلط ہے کہ جو چیز اُوپر ہو وہ ضرور نیچے کی چیز سے افضل ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کسے بہ گفت عیسےٰ ز مصطفےٰ اولیٰ است
کہ ایں بزیر زمین است آں باوجِ سما است

یعنی مجھ سے کسی (عیسائی) نے کہا کہ حضرت عیسیٰ حضرت مصطفےٰ (علیہما السلام) سے افضل ہیں۔ اس لیے کہ وہ آسمان پر اُوپر ہیں اور یہ زمین میں نیچے ہیں۔ فرمایا اور کیا خوب فرمایا ؎

بہ گفتمش کہ نہ ایں قول معتبر باشد
حُباب بر سرِ دریا گہر تہِ دریا است

میں نے اُس سے کہا کہ تمھارا کہنا درست نہیں، دیکھ لو بُلبلہ پانی کے اُوپر اور موتی پانی کے نیچے ہوتا ہے۔ پھر آپ نے ایک ترازو، ایک سیر اور ایک چھٹانک منگوا کر ترازو کے ایک پلّہ میں سیر اور ایک پلّہ

---

[1] بے قیمت [2] غلام [3] جال [4] قیدی

میں چھٹانک رکھ کر ترازو کو اُٹھایا تو جس پلّہ میں سیر تھا وہ جھک کر زمین کو آ لگا اور جس میں چھٹانک تھی وہ اُونچا ہو گیا۔ آپ نے معترض سے پوچھا کہ بول سیر اچھا کہ چھٹانک؟ اس نے کہا کہ سیر! فرمایا میاں! ہمارے آقا کا مرتبہ بھاری تھا، وہ زمین پر رہے اور جن کا مرتبہ ہمارے آقا کے مرتبہ سے کم تھا وہ اُوپر تشریف لے گئے ؎

ترازو کو اُٹھا کر دیکھ ناداں!
وہی جھکتا ہے جو پلّہ گراں ہے

صحابہ رضی اللہ عنہم کا عشقِ رسول

صلے اللہ علیہ وسلم

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آوازِ حق نے ایک دنیا کو بیدار فرما دیا اور آپ کی مقدس تبلیغ نے وہ اثر اور جذبہ پیدا کیا، کہ بچہ بچہ اعلاء کلمۃ الحق کے لیے لڑنے اور راہِ خدا میں کٹ مرنے کو تیار ہو گیا اور میرے آقا و مولا صلے اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت نے صحابہ کرام کے قلوب میں کچھ ایسا گھر کیا کہ ان پاک لوگوں نے عشقِ مصطفےٰ میں ہزار سختیاں برداشت کیں۔ بڑی بڑی مصیبتیں جھیلیں مگر سرکار کے نام سے منہ نہ موڑا، اور دامنِ عشقِ مصطفےٰ کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام

تھے، جب اُمیہ نے سُنا کہ بلال مُسلمان ہو گئے ہیں تو طرح طرح کی سختیاں اُن پر کرنے لگا۔ گردن مبارک میں رسّی ڈال کر لڑکوں کو دیتا اور وہ مکہ کی پہاڑیوں پر آپ کو لیے پھرتے، رسّی کا نشان گردن اطہر پر نمایاں ہو جاتا وادیِ مکہ کی گرم ریت پر آپ کو لٹاتا اور گرم گرم پتھر آپ کی چھاتی پر رکھ دیتا۔ مشکیں باندھ کر لکڑیوں سے پیٹتا۔ دھوپ میں بٹھاتا۔ یہ سب عذاب اس لیے کہ نامِ محمد پر فدا ہو گیا ہے، مگر صد رحمتیں حضرت بلال اور اُن کے استقلال پر کہ سختیاں جھیلتے اور اَحَد اَحَد کے نعرے لگاتے اور زبانِ حال سے فرماتے یا رسول اللہ ؎

حلق پر تیغ رہے سینہ پہ جلّاد رہے
لب پہ ترا نام رہے دل میں تری یاد رہے

دو چھوٹے بچّوں کا عشقِ رسُول صلے اللہ علیہ وسلّم

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو گھر میں ہر وقت ذکرِ رسُول رہنے لگا اور ان کے دو چھوٹے بچّوں نے دریافت کیا کہ اے ابّا جان! یہ محمّد (صلے اللہ علیہ وسلّم) کون ہیں جن کا آپ ہر وقت ذکر کرتے ہیں۔ حضرت عمار نے بتایا بچو! یہ سرورِ دوجہاں شفیع عاصیاں اور اللہ کے محبوب ہیں۔ بچّوں نے کہا تو ہم بھی پھر اس نام کے گیت گایا کریں گے۔ باپ نے فرمایا، ہماری قوم کے آدمی اس نام سے جلتے ہیں۔ اس لیے گھر میں ہی یہ نام لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ دشمنانِ مصطفےٰ تمھیں تنگ کرنے لگیں۔ بچّوں کا پاک دل اس پاک نام کی پاک محبت سے معمور ہو چکا تھا۔ ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر ایک روز دروازۂ مکان پر اس نام کا اعلان شروع کر دیا اور گویا وہ کہہ رہے تھے ؎

دل و جان دونوں فدائے محمّد　　خدا ہم کو کر خاکِ پائے محمّد

کرم ہے ترا ہم پہ احسان خالق کہ پیدا ہوئے ہم برائے محمدؐ
نہیں ہم کو غم جان جائے تو جائے
تمھاری محبّت نہ جائے محمّدؐ
خدا نے فلک اور شمس و قمر سب
ترے واسطے ہیں بنائے محمّدؐ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمْ

ناگاہ ایک گروہ کافروں کا ادھر سے گزرا اور یہ پیاری آواز انھوں نے سُنی تو حسد سے جل گئے۔ ایک بے دین نے ان پاک بچوں کو طمانچہ مارا۔ حضرت عمار باہر نکلے۔ دیکھا کہ کافروں نے بچّوں کو گھیر لیا اور بچے رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں ؎

اب ہم نہ ترا شکوۂ بے داد کریں گے
اللہ کے آگے تری فریاد کریں گے
ہم نام محمّدؐ کا نہ چھوڑیں گے وظیفہ
ہر لحظہ و ہر وقت اُسے یاد کریں گے

حضرت عمار نے کافروں کو اس جفا سے روکا تو ان ظالموں نے حضرت عمار اور ان کے والد حضرت یاسر اور اُن کی پاک بیوی کو بھی پکڑ لیا اور اس مقدس گھرانے کو مارنا شروع کر دیا۔ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک روز مار کھاتے دیکھا تو فرمایا: اَصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرَ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃَ۔ یاسر والو! صبر کرو، تمھارا مقام جنّت ہے۔ آخر کفّار کی جفا نے ان پاک لوگوں کو جنّت میں پہنچا دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

دو ننّھے مجاہد

جنگِ بدر میں جب نُور و ظلمت، کفر و اسلام کا معرکہ شروع تھا اور ابو جہل اپنے لشکر کو مسلمانوں سے لڑا رہا تھا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ میرے دل کی تمنا تھی کہ میں کسی

طرح اِس سرگروہِ کُفّار ابوجہل کو قتل کروں مگر موقع نہ پا سکا۔ اسی تمنا میں تھا کہ میرے دائیں بائیں دو ننھے مجاہد (معاذ و معوذ دو سگے بھائی) تلواریں لیے آکھڑے ہوئے۔

ابھی نوعمر تھے دونوں کے ہاتھوں میں تھیں شمشیریں
نظر آئیں مجھے دو سادہ و معصوم تصویریں !
بہت شائستہ خوش اطوار کم عمر و حسیں دونوں
فرشتوں کی طرح آئے تھے بالائے زمیں دونوں

ان دو ننھے مجاہدوں نے آتے ہی پوچھا تو کیا؟ فرماتے ہیں ے

نہایت رازداری سے نشاں بوجہل کا پوچھا
شباہت اور حُلیہ اور موجودہ پتہ پوچھا

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے پوچھا، بچو! اس بے دین سے تمھارا کیا کام ہے؟ تو بولے ے

قسم کھائی ہے مر جائیں گے یا ماریں گے ناری کو
سُنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوب باری کو

فرماتے ہیں میں اُن کی جرأت پر حیران و ششدر رہ گیا اور پھر اُن کی شہادت کے خیال سے تڑپ کر رہ گیا۔ مگر ان بچوں کا جواب یہ تھا کہ بے شک موت سامنے ہے ے

مگر عشاق اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے
خدا سے ڈرنے والے موت سے ہرگز نہیں ڈرتے!

حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ بچو! ابوجہل تک تمھاری رسائی کیسے ہوگی کہ ے

حفاظت کر رہا ہے گرد اُس کے فوج کا دستہ

بچوں نے کہا ے

یہ دستہ کب تلک روکے گا عزرائیل کا رستہ

آخر حضرت عبدالرحمٰن نے ابوجہل کا نشان بتایا تو ؎
خدا حافظ کہا اور کھینچ لیں دونوں نے شمشیریں
بڑھے یکبارگی کہتے ہوئے پُرجوش تکبیریں
ابوجہلِ سیہ رُو پر نگاہیں گاڑ کے دوڑے
قریشی فوج کے دَل بادلوں کو پھاڑ کے دوڑے

یہ دونوں ننھے مجاہد ابوجہل پر جا جھپٹے، ابوجہل نے بچنے کی ہزار کوشش کی مگر ان دو ننھے مجاہدوں کے ہاتھوں فی النار ہونا ہی تھا۔ دو ننّھی ننّھی تلواریں بے دین پر ایسی پڑیں کہ گھوڑے سمیت زمین پر آ گرا، اور دم توڑنے لگا۔ کفار نے جب اپنے سردار کو مرتے دیکھا تو ان دونوں ننّھے بچوں پر لشکر کا لشکر ٹوٹ پڑا۔ مگر اللہ رے عشقِ مصطفےٰ کہ ان ننھے مجاہدوں نے جی نہ ہارا۔ بہت سے کافروں کو فی النار کر کے پہلے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شہید ہو جاتے ہیں اور دوسرے بھائی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تنہا کفّار میں رہ جاتے ہیں لڑتے لڑتے حضرت معاذ کا ایک بازو کٹ جاتا ہے اور ایک تسمہ سا باقی رہ جاتا ہے جس سے بازو لٹک کر رہ گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تلوار دوسرے ہاتھ میں لے کر لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ مگر کٹا ہوا ہاتھ ایک تسمہ رہ جانے کی وجہ سے لٹکتا ہوا تلوار چلانے میں مخل جو نظر آیا تو اللہ کی رحمتیں اس ننھے مجاہد کی ہمت وجرأت پر کہ اس ہاتھ کو اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر زور سے کھینچا اور اس تسمہ کو بھی توڑ کر ہاتھ الگ پھینک دیا اور پھر اطمینان سے لڑنے لگے۔

کروڑ کروڑ رحمتیں ان دو ننھے مجاہدوں پر، دُنیا سے تشریف تو لے گئے مگر اس شان سے کہ نشۂ عشقِ مصطفےٰ میں سرشار ہو کر گئے اور حیاتِ ابدی سے ہمکنار ہو کر گئے۔ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شُد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ایک خاتون کا جذبۂ ایمانی بنو دینار کی ایک عورت تھی جس کا باپ، بھائی اور شوہر جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے تھے لوگوں نے اُسے اس کے باپ، بھائی اور شوہر کے شہید ہو جانے کی اطلاع دی تو ؎

اُس عفیفہ نے یہ سب سُن کے کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ اُمم

غور فرمایئے، اس نے اپنے باپ، بھائی اور شوہر کے شہید ہو جانے کی پرواہ تک نہ کی اور حضور کی فکر میں ہر ایک سے حضور کا حال دریافت کرتی ہے" لوگوں نے بتایا حضور بفضلِ اللہ صحیح و سالم ہیں تو کہا کہ مجھے حضور کے پاس لے چلو اور چہرۂ انور دکھا دو۔ جب بارگاہِ رسالت میں پہنچی تو ؎

بڑھ کے اُس نے رُخِ روشن کو جو دیکھا تو کہا
تُو سلامت ہے تو سب ہیچ ہیں یہ رنج و الم
میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہِ دین تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

خُلقِ عظیم

دوستاں را کجا کنی محروم   تو کہ با دشمناں نظر داری

ایسے جاں نثار اور راہِ خدا میں اپنا تن من دھن قربان کر دینے والے نفوسِ قدسیہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم کی فطرتی تعلیم اور آپ کے اخلاقِ طیّبہ سے تیار ہوئے۔

اِسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا یہ کہنا کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا سراسر نادانی اور

ناانصافی ہے، تلوار ایسے جاں نثار اور مخلص پیدا نہیں کر سکتی۔ تلوار کا اثر اجسام پر ہوتا ہے دلوں پر نہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جاں نثاریاں اور فداکاریاں اس امر پر شاہد ہیں کہ ان کے قلوب مسخر ہو چکے تھے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ تلوار چلا کر بزورِ شمشیر مسلمان کرنے والوں کو کس تلوار نے مسلمان کیا تھا؟

کشمیر کا راجہ ہری سنگھ ہو اور مسلمانوں کی پھر بھی وہاں اکثریت ہو دراں حالیکہ حاکم ہری سنگھ ہے اور اسلامی تلوار چلانے والا کوئی نہیں برعکس اس کے حیدر آباد دکن کا نواب عثمان علی خاں ہو مگر مسلمانوں کی تعداد وہاں کم ہو درآں حالیکہ حاکم مسلمان ہے اور اسلامی تلوار وہاں چل سکتی ہے۔ یہ چیز کیا اس بات کا ثبوت نہیں کہ اسلام کی اشاعت میں تلوار کا کچھ تعلق نہیں۔

آزاد علاقہ کے قبائلی پٹھان اس قدر شیر دل، نڈر، دلیر اور بہادر انسان ہیں کہ ان کی بہادری ضرب المثل ہے۔ یہ لوگ بھلا تلوار سے کب ڈرنے والے ہیں؟ فرمایئے ان لوگوں کو کس تلوار نے مسلمان کیا؟ کیا یہ اسی فولادی تلوار کے ڈر سے مسلمان ہوتے؟ نہیں، ہرگز نہیں! یہ بیشک تلوار ہی سے خم ہوتے مگر نہ لوہے کی تلوار سے بلکہ اخلاقِ مصطفےٰ کی تلوار سے۔ سنئے اخلاقِ مصطفےٰ کی تلوار جس نے قلوبِ عالم کو گھائل کر دیا۔ کیا گیا زنگ کھاتی ہے۔

ایک واقعہ ایک مرتبہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے آرام فرما ہیں اور اس شان سے کہ ؎

قبضہ میں تیغ جوہریں! یا نیزہ کچھ بھی تھا نہیں
شانِ جمالی ساتھ تھی یا اک خدا کی ذات تھی

ناگاہ ایک دشمنِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تلوار لیے ہوئے آپہنچا۔ اور سرکار سے کہنے لگا (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ تلوار دیکھ اور بتا کہ ؎

اب کون ہے جو تجھ کو دے زنہار میرے ہاتھ سے

ہنس کر پکارے مصطفےٰ میرا خدا میرا خدا

حضور کا مسکرا کر سادگی سے "میرا خدا" فرما دینا ایک تیر تھا جو سیدھا ے

کافر کے سینہ میں لگا! لرزہ بدن پر آ گیا

تلوار نیچے گر پڑی! جو مصطفےٰ نے تھام لی

تلوار سرکار کے ہاتھ میں آ گئی۔ اب دیکھئے اس دشمن پر کونسی تلوار چلتی ہے۔ فرمایا دیکھ یہ تیری تلوار اب میرے ہاتھ میں ہے اور یہ ے

لیتی ہے اب تیری ہی جاں جاتا ہے بچ کر تو کہاں

اب کون ہے جو تجھ کو دے زنہار میرے ہاتھ سے

جب یہ فرمایا کہ بتا میرے ہاتھ سے اب تجھے کون بچائے گا تو ے

بولا عدو جان و دیں ہے موت کا مجھ کو یقیں

دنیا میں اب میرا نہیں ملجا کہیں، ماوےٰ کہیں

مگر رحمتِ عالم خلقِ مجسّم صلّے اللہ علیہ وسلّم کے اخلاقِ طیّبہ کا اظہار یُوں ہوتا ہے کہ ے

کہنے لگے خیر الوریٰ کہتا نہیں کیوں برملا

میرا خدا میرا خدا جا بخش دی تیری خطا

دیکھئے تلوار چل گئی۔ مگر کیا لوہے کی؟ نہیں! نہیں!! خلقِ مصطفےٰ کی، اثر یہ ہُوا کہ ے

کافر قدم پر گر پڑا سُن کر یہ ارشاد آپ کا

کلمہ شہادت کا پڑھا اور جھٹ مسلمان ہو گیا

یہ ہے وہ تلوار جس سے اشاعتِ اسلام ہوئی۔ مگر ع

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

میدانِ اُحد

اُحد کی لڑائی میں جب دندانِ مبارک شہید ہُوا تو صحابہ کرام نے عرض کی، حضور۔

اُدْعُ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ۔ مشرکین کے لیے بد دعا فرمائیے۔

ارشاد ہُوا:۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَۃً میں رحمت بن کے آیا ہوں بد دعاؤں

لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا (مسلم شریف ج ۲ صہ ۱۰۸) کے لیے نہیں آیا۔

طائف میں جب سرکار طائف میں بغرض تبلیغ تشریف لے گئے تو کفّار نے حضور پر پتھر برسانے شروع کر دیئے اور اس قدر کہ بدنِ اطہر لہولہان ہو گیا۔

وہ ابرِ لطف جس کے سایہ کو گلشن ترستے تھے
یہاں طائف میں اُس کے جسم پر پتھر برستے تھے
وہ سینہ جس کے اندر نورِ حق معمور رہتا تھا
وُہی اب شق ہوا جاتا تھا اس سے خون بہتا تھا

اور پھر دشمنانِ دین نے سرکار کو اس قدر تنگ کرنے کے بعد یُوں مذاق اُڑانا شروع کیا ؎

کوئی بولا کہ آپ اعجاز اپنا کوئی دکھلائیں!
کم از کم یہ تو ہو ہم پر یہ پتھر ہی پلٹ آئیں!
کوئی کہتا تھا تم پر سے بلا کیوں ہٹ نہیں جاتی
ہمارے غرق ہونے کو زمیں کیوں پھٹ نہیں جاتی

ان تکالیف اور ان شرارت آمیز باتوں کے بعد سرکار سے عرض کی گئی کہ حضور! ان پر قہر و غضب الٰہی نازل ہونے کے لیے دُعا فرمائیں تو رحمتِ مجسّم صلے اللہ علیہ وسلّم کا رحیمانہ جواب سُنیے:۔

یہ سن کر رحمۃ للعالمیں نے ہنس کر فرمایا
کہ میں اِس دہر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا
دُعا مانگی الٰہی قوم کو چشمِ بصیرت دے الٰہی رحم کر ان پر انھیں نورِ ہدایت دے

الٰہی فضل کر کہسار طائف کے مکینوں پر
الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

دیکھا آپ نے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمت و شفقت اور آپ کے خُلقِ عظیم کو کہ پتّھر کا جواب پھُول سے دیا گیا ؎

ہیں دُعائیں سنگِ دشمن کے عوض
اس قدر نرم ایسے پتّھر کا جواب

خاتم النبیین

صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدۂ
ہر چند کہ آخر بظہور آمدۂ
اے ختم رُسل قُرب تو معلومم شُد
دیر آمدۂ زراہِ دُور آمدۂ

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک ایک کمال ایسا ہے، جس کی نظیر کسی نبی و رسُول میں نہیں ملتی۔ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہر کمال ختم ہو گیا اور آپ ہی کے وجود پر نبوت بھی ختم ہو گئی۔ چنانچہ حضور کے حق میں خدا فرماتا ہے :۔

وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ (حضور) اللہ کے رسُول اور نبیّوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود خاتم النبیین کی تفسیر فرمائی کہ :۔

لَانَبِیَّ بَعْدِیْ (صحیحین) میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

اس تفسیر نبوی کے پیش نظر مفسرینِ کرام علیہم الرحمۃ نے واضح الفاظ

میں تفسیر فرمائی ہے کہ آیت کریمہ کے مطابق حضور علیہ السلام کے بعد کوئی نبی و رسول پیدا نہیں ہو سکتا چنانچہ حضرت امام ابن جریر نے اپنی مستند تفسیر ابن جریر میں ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

وَلٰكِنَّهٗ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ الَّذِيْ خَتَمَ النُّبُوَّةَ فَطُبِعَ عَلَيْهَا فَلَا تُفْتَحُ لِاَحَدٍ بَعْدَهٗ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ۔ (جز ۲۲ صـ۱۱)

وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ جنھوں نے نبوت کو ختم کر دیا۔ پس نبوت پر مُہر لگا دی گئی۔ اب یہ حضور علیہ السلام کے بعد قیامت تک کے لیے کھولی نہ جائے گی۔

ایک مثال حضور سرورِ عالم خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے بعد قیامت تک کے لیے کسی نبی و رسول کے پیدا نہ ہونے کی ایک بہترین مثال ارشاد فرمائی چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:۔

مَثَلِيْ وَمَثَلُ الْاَنْبِيَآءِ كَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْيَانُهٗ تُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ فَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ يَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْيَانِهٖ اِلَّا مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِيَ الْبُنْيَانُ وَخُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ صـ۵۱۱)

میری مثال اور نبیوں کی مثال اس محل کی سی ہے جس کی تعمیر بہت اچھی کی گئی ہو اور ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو دیکھنے والے اس محل کے اِردگرد پھرتے ہیں اور خوبی تعمیر سے خوش ہوتے ہیں، مگر اس ایک اینٹ کی خالی جگہ سے (حیران رہ جاتے ہیں) کہ یہ خالی جگہ کیوں ہے۔ پس میں نے آ کر اس خالی جگہ کو بند کر دیا ہے۔ یہ محل میرے وجود سے پورا کر دیا گیا۔ اور رسولوں کو مجھ سے ختم کر دیا گیا۔ میں اس عمارت کی وہ پچھلی اینٹ ہوں۔ اور میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں۔

اوّل و آخر یہ بھی حضور علیہ السلام کی فضیلت ہے کہ نبوت آپ ہی کے وجود سے شروع ہوئی اور آپ ہی پر ختم ہو گئی حضور خلقت میں اوّل الانبیاء، اور ظہور میں آخر الانبیاء ہیں۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ و السّلام نے خود فرمایا کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے۔ (مشکوٰۃ)

مثال آپ کھجور کی ایک گٹھلی زمین میں بوتے ہیں۔ مقصد آپ کا کھجور کا پھل ہے۔ مگر پھل آنے سے پہلے گٹھلی چند روز کے بعد پہلے تو پھوٹے گی پھر اس کا چھوٹا سا پودا، پھر بالتدریج شاخیں نکلیں گی اور پھر سب سے آخر میں پھل آئے گا۔ اب جو آپ نے پھل کو منہ میں ڈالا اور کھایا۔ تو آپ کو کوئی چیز مُنھ میں اٹکتی ہوئی معلوم ہوئی۔ آپ نے نکال کر دیکھا تو وہ وُہی گٹھلی تھی جسے آپ نے سب سے پہلے بویا تھا۔ وہی اوّل اور وہی آخر۔ بِلا تشبیہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذات بابرکات بھی وہ ذات ہے کہ ؎

ترا قدِ مبارک گلبنِ رحمت کی ڈالی ہے
اِسے بو کر ترے رب نے بنا رحمت کی ڈالی ہے

اِسی ذاتِ مبارک سے اللہ نے نبوت کی بناء رکھی اور جب یہ شجرِ نبوت بڑھا، پھلا پھولا اور مختلف انبیاء کرام بالتدریج دنیا میں تشریف لائے تو سب سے آخر میں ثمرِ نبوت کا ظہور ہوا۔ گویا جس ذات سے رحمت و نبوت کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ آخر میں بھی اُسی ذات بابرکات کا جلوہ نظر آیا تو حضور اوّل بھی ہوئے اور آخر بھی، دیکھنے میں سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم نخلِ آدم (علیہ السّلام) کے ایک پھول ہیں مگر حقیقت میں آدم علیہ السّلام خود نخلِ مصطفےٰ کے ایک پھول ہیں۔ ؎

ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل
اس گُل کی یاد میں یہ صدا اَبُوالبشر کی ہے،

بیانِ یعفور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد کسی نبی کے پیدا نہ ہونے کا مسئلہ ایسا ظاہر و باہر ہے کہ جانوروں تک نے اس کا اقرار کیا ہے۔ چنانچہ ابن حبان و ابن عساکر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتحِ خیبر کے بعد ایک خر بارگاہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور حضور کے دریافت کرنے پر اُس نے اپنا نام یزید بن شہاب بتایا اور پھر عرض کرنے لگا یارسُول اللہ! میرے جدّ کی نسل سے اللہ نے ساٹھ خر پیدا کیے ہیں اور ان سب پر اللہ کے نبی سوار ہوتے آئے ہیں اور مجھے یہ توقع تھی کہ مجھ پر حضور سواری فرمائیں گے۔ اس لیے کہ:-

لَمْ يَبْقَ مِنْ نَسْلِ جَدِّيْ	میرے جدّ کی اولاد میں سے سوا
غَيْرِيْ وَلَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ	میرے کوئی باقی نہیں اور نبیوں میں
غَيْرُكَ۔	سے سوا آپ کے کوئی باقی نہیں۔

حضور علیہ السّلام نے اُسے سواری کے لیے منظور فرمایا اور اس کا نام بدل کر یعفور رکھا۔ علاوہ سواری کے وہ یہ خدمت بھی سرانجام دیتا کہ حضور علیہ السلام جسے بلانا چاہتے اُسے بھیج دیتے۔ وہ چوکھٹ پر سر مار مار کر صاحب خانہ کو اشارہ سے بتا دیتا کہ حضور علیہ السلام یاد فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السّلام کے وصال کے بعد صدمۂ فرقت کی تاب نہ لاکر وہ ایک کنوئیں میں گر کر مر گیا۔ (خصائص کبریٰ۔ حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۴۶۰)

دیکھا آپ نے ایک جانور کی اُلفت و محبت کو اور اس کے اقرار ختمِ نبوت کو۔ حیف ہے اس مُدعی انسانیت پر جو محبت سے عاری اور ختمِ نبوت کا اِنکاری ہے۔ سچ فرمایا ہے خدا نے:- اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔

نزولِ مسیح علیہ السّلام حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا آسمان سے نزول ختمِ نبوت

بلیں مخل نہیں ہے اس لیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی نبوت کا زمانہ گذار چکے۔ اب جو تشریف لائیں گے تو اس حیثیت سے کہ :-

یَنْزِلُ عَلٰی شَرِیْعَۃِ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ مُصَلِّیًا اِلٰی قِبْلَتِہٖ کَاَنَّہٗ بَعْضُ اُمَّتِہٖ فَلَا یَکُوْنُ اِلَیْہِ وَحْیٌ وَّ لَا نَصْبُ الْاَحْکَامِ بَلْ یَکُوْنُ خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔	وہ محمد علیہ السلام کی شریعت پر تشریف لائیں گے اور حضور ہی کے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے گویا وہ حضور کے ایک امتی ہوں گے نہ تو ان کی طرف وحی ہوگی اور نہ وہ احکام صادر فرمائیں گے بلکہ وہ حضور علیہ السلام کے ایک خلیفہ ہوں گے۔

(روح البیان ص ۱۸۷ ج ۷)

لطیفہ حضور علیہ السلام پر نبوت ختم ہو گئی اب جو بعد از سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبوت کا دعوےٰ کرے تو سمجھ لیجئے کہ یا تو دیوانہ ہے یا پھر بھوکا۔ بھوک سے تنگ آکر بھی بعض ایسا دعویٰ کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی بھوکے آدمی نے نبوت کا دعوےٰ کیا۔ شاہِ وقت اپنی خداداد عقل سے جان گیا کہ اس بیچارے نے بھوک کے مارے ایسا دعوےٰ کر ڈالا۔ بادشاہ نے کہا کہ اسے چند روز کے لیے شاہی باورچی خانہ میں مہمان رکھا جائے۔ جب یہ وہاں چند روز پیٹ بھر کر کھانا کھائے گا تو یقیناً دعوئ نبوت بھول جائے گا۔ چنانچہ بحکم شاہ یہ شخص باورچی خانہ میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں پہنچ کر جو اس نے رنگ رنگ کے کھانے دیکھے تو وہیں چت ہو گیا اور خوب مزے سے چند روز تک کھاتا پیتا رہا ایک روز خود بادشاہ اس کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کیوں جناب! اب بھی کوئی الہام ہوتا ہے؟ تو وہ بولا کہ جناب ابھی ابھی الہام ہوا ہے کہ :-

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ.........!
باورچی خانہ میں دھیّو

؎
خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً آجکل کے انبیاءؑ سے

آخِرُ الاُمَمْ

زاہد اُن کا میں گنہ گار وہ شافع میرے
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

نسبت ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے ادنیٰ، اعلیٰ اور بے وقار، باوقا ن جاتا ہے۔ غور فرمائیے کہ "کتّا" ایک لفظ ہے جسے سنتے ہی ایک ذلیل، ناپاک اور پلید جانور کا تصور آ جاتا ہے اور اُسے عزّت کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ مگر جب اس لفظ کو اصحاب کہف کی طرف منسوب کر دیا جائے اور کہا جائے کہ "اصحاب کہف کا کتّا" تو ہر کوئی اُسے عزّت و احترام نظر سے دیکھے گا۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اب یہ معزّز اور پاک لوگوں طرف منسوب ہو گیا۔ اِسی طرح ہم گنہ گاروں کو جو اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ لیہ وسلم کی نسبت حاصل ہے۔ اس نسبت سے ہم بھی خیر الاُمم اور آخر الاُمم ہلانے لگے اور اللہ نے اپنے محبوب کے طفیل کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ فرما کر ہمارے بہترین اُمت ہونے کا اعلان کر دیا اور آج ہمیں گنہ گار ہونے کے باوجود بھی اس نسبت پر فخر ہے ؎

بد سہی چور سہی عاجز و ناکارہ سہی   اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

فوائد حضور علیہ السلام کے غلاموں میں ہونے سے ہمیں اس قدر فوائد حاصل ہوئے ہیں کہ کسی اُمت پر انعامات کی اس قدر بارش نہ ہوئی۔ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی اُمتوں پر مختلف عذاب نازل ہوئے، اُن کی صورتیں تک بگاڑ دی گئیں مگر ہم گنہ گارانِ مصطفٰے کی لغزشوں کے باوجود اللہ نے ہمیں عذاب ہائے مختلفہ سے محفوظ و مامون رکھا۔ ؎

ہر مصیبت سے بچایا تیرے نام پاک نے
تیری رحمت نے مری حالت سنواری یا رسُول

مثال نمبر ۱ ایک ہائی اسکول ہے جس میں دس کلاسز ہیں۔ ایک مدرس پہلی کلاس کا ہے، ایک دوسری کا، ایک تیسری کا، حتّٰی کہ جو دسویں جماعت کا مدرس ہے اُسے ہیڈ ماسٹر کہا جائے گا ہیڈ ماسٹر کے بعد نہ کوئی ماسٹر ہے۔ اور نہ اس کی کلاس کے بعد کوئی اور کلاس پہلی کلاس (اُمّت) کے معلّم حضرت آدم علیہ السلام تھے، پھر دوسری کے حضرت نوح علیہ السلام اسی طرح ہر کلاس (اُمّت) کے لیے معلم (نبی) تشریف لاتے رہے۔ یہاں تک کہ سب سے بڑے اور آخری معلم سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ تو جس طرح ہیڈ ماسٹر کے بعد کوئی ماسٹر نہیں ہوتا اور اس کی کلاس کے بعد کوئی کلاس نہیں ہوتی، اسی طرح حضور علیہ السلام کے بعد کوئی رسُول و نبی نہیں اور آپ کی اُمت کے بعد کوئی اُمّت نہیں۔ پہلی یا دوسری کلاس کے طالب علم سے اگر کوئی قصور یا جرم واقع ہو تو اُسے سزا بڑی اُلٹی سیدھی دی جاتی ہے۔ کبھی اس کے کان پکڑوائے جاتے ہیں، کبھی طمانچے لگائے جاتے ہیں اور کبھی ناک رگڑائی جاتی ہے۔ مگر ہیڈ ماسٹر کے طالب علم سے اگر کوئی لغزش یا قصور واقع ہو تو اُسے وہ سزا نہیں دی جاتی جو پہلی کلاس کے طالب علم کو دی جاتی ہے اس لیے کہ وہ طالب علم دسویں جماعت کا طالب علم ہے اور

اس کا تعلق ہیڈ ماسٹر سے ہے، اس کی پوزیشن کے یہ امر خلاف ہے کہ اُسے بھی طمانچے لگائے جائیں یا اس کے کان پکڑوائے جائیں، اس کی سزا صرف اس قدر ہے کہ اس پر دو چار روپے فائن (جرمانہ) کر دیا جاتا ہے اور اس کا قصور معاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی اُمتوں سے لغزشیں اور قصور واقع ہوئے تو خدا تعالیٰ نے انھیں طرح طرح کے عذابوں میں ڈالا کسی کو خنزیر اور کسی کو بندر بنا دیا۔ کسی کو تہ و بالا کیا اور کسی کو پانی میں غرق کر دیا۔ مگر جب سب سے بڑے رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کے افراد کی باری آئی اور ان سے بھی کوئی لغزش واقع ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت نے اعلان فرما دیا کہ یہ بڑی کلاس (اُمت) ہے، بڑے رسُول کے نام لیوا ہیں انھیں بھی وہی پہلی اُمتوں کی سی سزا دینا ان کی پوزیشن کے خلاف ہے ان کی سزا صرف اس قدر ہے کہ کونے میں بیٹھ کر ندامت و شرمندگی اور سچے دل سے تائب ہو کر دو آنسو بہا دیں تو ان کا قصور معاف کر دیا جائے گا۔

صدقے اس رحم کے اس سایۂ دامن کے نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے،

مثال نمبر ۲ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی شریف میں ایک حکایت درج فرمائی ہے کہ ایک شیر، بھیڑیا اور ایک لومڑی تینوں بہر شکار جنگل کو روانہ ہوئے۔ ان تینوں نے ایک گائے ایک ہرن اور ایک خرگوش شکار کیا، شکار کر چکے تو ایک جگہ بیٹھ کر شکار کی تقسیم کرنے لگے۔ شیر نے بھیڑیئے سے کہا کہ شکار کی تقسیم کر! بھیڑیئے نے کہا کہ اے شاہِ جنگل! شکار بھی تین ہیں اور شکاری بھی تین ہیں، گائے آپ لے لیں، ہرن مجھے دے دیں اور خرگوش لومڑی لے لے۔ شیر کو غصہ آگیا، جھلا کر کہنے لگا کہ میں جنگل کا بادشاہ ہوں، میرے ہوتے ہوتے تم بھی

حصہ دار بن رہے ہو، بس اسی بات پر غصہ میں آ کر اُسے ایک ایسا طمانچہ رسید کیا کہ بھیڑیا بیچارا خود موت کا شکار ہو گیا۔ اُسے ختم کر کے شیر پھر لومڑی کی طرف مخاطب ہُوا کہ اے لومڑی! اب شکار کی تقسیم تو کر! مکّار لومڑی نے پہلے شیر کے آگے سجدہ کیا، اور پھر کہنے لگی، جہاں پناہ! آپ کے ہوتے ہوئے یہ مسکین و عاجز لومڑی کون؟ جو اس شکار کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھے۔ گائے آپ اس وقت تناول فرمائیں، ہرن کو شام کو کھائیے گا اور خرگوش سے صبح ناشتہ فرمائیے گا۔ شاہِ جنگل بڑا خوش ہوا، اور تینوں شکار لومڑی کو دے دیئے اور کہا کہ لے سب مال تیرا۔ ہم جنگل کے بادشاہ ہیں۔ ہم اور شکار کر لیں گے۔ پھر لومڑی سے پوچھا، بی لومڑی! یہ تقسیم تُو نے سیکھی کہاں سے؟ لومڑی نے کہا، حضور بھیڑیئے کے حال سے، شیر چلا گیا تو لومڑی نے بارگاہِ حق میں سجدہ ادا کیا کہ مولا! تیرا شکر ہے کہ میرا نمبر بھیڑیئے کے بعد آیا اور میں بھیڑیئے کے انجام کو دیکھ کر اس قسم کی تقسیم سے جیسی کہ بھیڑیئے نے کی بچ گئی اور شیر کے عذاب سے محفوظ ہو گئی۔ اگر میرا نمبر پہلے آتا اور میں بھی مثل بھیڑیئے کے تقسیم کر بیٹھتی تو میرا بھی وہی حال ہوتا جو بھیڑیئے کا ہُوا۔

مولانا اس حکایت سے یہ نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں آخر الامم پیدا فرمایا، اور ہمارا نمبر ساری اُمتوں کے بعد آیا۔ اور ہم نے پہلی اُمتوں کی لغزشوں اور اُن کی پاداش میں اُن پر نازل شدہ عذابوں کو دیکھ لیا، اس سے ہمیں فائدہ یہ حاصل ہُوا کہ ہم اُممِ سالقہ کے حالات سے عبرت حاصل کر کے ان لغزشوں سے جو اُن کے لیے وجہ عذاب ہوئیں بچ کر عذابِ الٰہی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

جنّت میں جانے ہوئے آگے — سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا:۔

نَحۡنُ الۡاٰخِرُوۡنَ — ہم آئے سب سے آخر ہیں اور

وَالسَّابِقُوْنَ ۔ (مشکوٰۃ) (جنّت میں داخل ہوتے ہوئے ہوں گے) سب سے آگے۔

یہ کیسے؟ دیکھئے! اگر بالفرض پچاس آدمیوں کی ایک قطار جانب مشرق جارہی ہے۔ اس قطار کے سب سے آگے زید ہے اور سب سے پیچھے بکر۔ چلتے چلتے اس قطار نے فوراً اپنا رُخ بدل لیا۔ سب نے اپنے اپنے پاؤں پر مُڑ کر جانبِ مغرب (یعنی جدھر سے آتے تھے اُسی طرف) چلنا شروع کردیا، تو اب دیکھ لیجئے کہ آتے ہوئے زید آگے تھا اور بکر پیچھے۔ اور اب واپسی پر بکر سب سے آگے اور زید سب سے پیچھے ہوجائے گا۔ مختصر یہ کہ آتے ہوئے ہم سب سے پیچھے ہیں مگر واپسی پر دخول جنت کے وقت ہمارے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو ساتھ لے کر سب سے آگے ہوں گے۔

شبِ معراج سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شبِ معراج اللہ سے عرض کی کہ:۔

رَبِّ لِمَ اَخَّرْتَ اُمَّتِیْ عَنِ الْاٰخِرِیْنَ — مولا تُو نے میری اُمت کو سب اُمتوں کے بعد کیوں بھیجا؟

تو پروردگارِ عالم نے جواب میں فرمایا کہ:۔

لِئَلَّا یَطُوْلَ فِی الْقُبُوْرِ حَبْسُهُمْ۔ — تاکہ تمہاری اُمت کو زیادہ دیر قبروں میں نہ رہنا پڑے۔

یارسول اللہ ؎

ہم غرق تھے بحرِ عصیاں میں کب لائق تھے ہم جنّت کے
ہوئے ایک تمہاری نسبت سے ہم موردِ لطفِ خدا پیارے

عطاءُ المصطفٰے

کون دیتا ہے دینے کو منہ چاہیئے
دینے والا سچا ہمارا نبی!

دیکھئے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں ہم نے کس قدر انعامات پائے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں ایسا رؤف ورحیم اور سخی کریم رسول عطا فرمایا کہ جس کے دستِ کرم نے ہم غریبوں اور محتاجوں کی گوہرِ مراد سے جھولیاں بھر دیں اور جس کے ابرِ کرم نے ایک عالم کو سیراب کر دیا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمتہ نے کیا خوب فرمایا کہ :۔

روتی آنکھ ہنساتے یہ ہیں — جلتی آگ بجھاتے یہ ہیں
ڈوبی کشتی ترلاتے یہ ہیں — چھوٹی نبضیں چلاتے یہ ہیں
رافع، نافع، دافع، شافع — کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں

اس کی بخشش ان کا صدقہ
دیتا وہ ہے دلاتے یہ ہیں
رب معطی ہے یہ ہیں قاسم
رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ — ساری کثرت پاتے یہ ہیں

پروردگارِ عالم نے اپنے محبوب کو صاحب اختیار ووقار اور اپنے خزانوں کا مالک ومختار بنایا ہے۔ حضور کے مبارک سر پر ملک و اختیار کا تاج ہے اور ہر شخص حضور کا محتاج ہے، یہ پلاتے ہیں ہم پیتے ہیں۔ یہ کھلاتے ہیں اور ہم کھاتے ہیں، یہ دیتے ہیں اور ہم لیتے ہیں۔ خود قرآن اس پر شاہد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

قرآن پاک :-

اَغۡنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۔ (پ۱۰ ع ۱۶)

انہیں اللہ اور اُس کے رسول نے اپنے فضل سے دولت مند کر دیا۔

دوسری جگہ پر فرمایا :-

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ ۔ (پ۱۰ ع ۱۳)

اور کیا ہی اچھا ہوتا، اگر وہ خدا اور رسول کے دیئے پر راضی ہو جاتے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:-

اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَاَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ ۔ (پ۲۲ ع ۲)

اللہ نے اسے نعمت بخشی اور اے نبی تو نے اُسے نعمت دی۔

معلوم ہوا کہ خدا کے اذن و عطا سے حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا فضل وکرم فرما کر دولت مند کر دینے والے اور نعمتیں دینے والے ہیں۔

لا ورب العرش جس کو جو مِلا اُن سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

حدیث شریف :-

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے خود فرمایا :-

اِنَّمَاۤ اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعۡطِىۡ ۔ (بخاری صـ۱۶)

اللہ دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں۔

اور ارشاد فرمایا :-

بَيۡنَمَاۤ اَنَا نَائِمٌ اِذۡ جِیٓءَ بِمَفَاتِيۡحِ خَزَائِنُ الۡاَرۡضِ فَوُضِعَتۡ فِىۡ يَدَىَّ ۔ (بخاری مسلم مشکوٰۃ صـ۵۰۴)

میں سو رہا ہوں کہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا :۔

اُعۡطِیۡتُ مَفَاتِیۡحَ الۡاَرۡضِ ۔ (مسند احمد)

مجھے ساری زمین کی کنجیاں عطا ہوئیں ۔

ثابت ہُوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا کی نعمتوں سے بانٹنے والے اور زمین بھر کے خزانوں کے مالک اور اُن کی کنجیوں پر قابض ہیں ؎

تخت ہے اُن کا تاج ہے اُن کا
دونوں جہاں میں راج ہے اُن کا

بزرگانِ دین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و دیگر بزرگانِ دین کا اس باب میں عقیدہ و ایمان ملاحظہ فرمائیے ! حضرت زبیر بن صرو جشمی رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر یوں عرض کرتے ہیں :۔

اُمۡنُنۡ عَلَیۡنَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ فِیۡ کَرَمٍ فَاِنَّکَ الۡمَرۡءُ نَرۡجُوۡہُ وَنَدَّخِرُ ۔ (طبرانی شریف)

یا رسول اللہ ! ہم پر احسان فرمائیے اپنے کرم سے کہ حضور ہی وہ مردِ کامل و جامع فواضل و محاسن ہیں جس سے ہم اُمید اور جسے وقت مصیبت کے لیے ذخیرہ کریں ۔

حضرت اسود ثقفی رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم میں بایں الفاظ عرض کی :۔

اَنۡتَ الرَّسُوۡلُ الَّذِیۡ تُرۡجٰی فَوَاضِلُہٗ عِنۡدَ الۡقُحُوۡطِ اِذَا مَا اَخۡطَاءَ الۡمَطَرُ ۔ (جواہر البحار)

حضور وہ رسُول ہیں کہ حضور کے فضل کی اُمید کی جاتی ہے ۔ قحط کے وقت جب مینہ خطا کرے ۔

وَلَیۡسَ لَنَا اِلَّا اِلَیۡکَ فِرَارُنَا وَاَیۡنَ فِرَارُ الۡخَلۡقِ اِلَّا

ہمارا سوائے حضور کے اور کون ہے جس کے پاس بوقتِ مصیبت بھاگ کر

اِلَی الرُّسُلِ - (مسند الفردوس)

جائیں اور مخلوق کی جائے پناہ بجز رسولوں کی بارگاہ کے ہے ہی کہاں؟

شارح بخاری امام ربانی حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

هُوَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِزَانَةُ السِّرِّ وَمَوْضِعُ نُفُوْذِ الْأَمْرِ فَلَا يَنْفُذُ أَمْرٌ إِلَّا مِنْهُ وَلَا يُنْقَلُ خَيْرٌ إِلَّا عَنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

(مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۶)

نبی صلے اللہ علیہ وسلم راز الٰہی کے خزانہ اور حکم الٰہی کے جائے نفاذ ہیں۔ کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے اور کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی۔ مگر حضور کی سرکار سے صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

اور پھر یہ شعر رقم فرمایا:-

أَلَا بِأَبِيْ مَنْ كَانَ مَلِكًا وَّسَيِّدًا
وَآدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ وَاقِفٌ
إِذَا رَامَ أَمْرًا لَا يَكُوْنُ خِلَافُهٗ
وَلَيْسَ لِذٰلِكَ الْأَمْرِ فِي الْكَوْنِ صَارِفٌ

(مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۶)

خبردار! میرے ماں باپ اُن پر قربان جو اس وقت سے بادشاہ اور سردار ہیں جس وقت کہ آدم علیہ السلام ابھی آب و گل میں قیام فرما تھے۔ وہ جس بات کا ارادہ فرمائیں اس کا خلاف نہیں ہوتا۔ تمام جہان میں اُن کا پھیرنے والا نہیں۔

دیکھا آپ نے ان لوگوں کے پاک عقیدہ کو۔ یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کے نقش قدم پر چل کر ہر مسلمان کو یہی عقیدہ و ایمان رکھنا چاہیئے کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قاسم نعم اللہ ہیں۔ مالک و مختار کونین ہیں۔ مخلوق کے لیے جائے پناہ ہیں، اسی دربار سے سب کچھ ملتا ہے اور اسی سرکار سے گوہر مراد حاصل ہوتا ہے اِس در کو چھوڑ کر اور حضور سے

مُنہ موڑ کر بجز ذلت و رسوائی کے کچھ حاصل نہیں۔

جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں
دربدر یوں ہی خوار پھرتے ہیں

جھوٹی توحید

آج منکرین سلطنت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم توحید کی آڑ میں درِ مصطفےٰ سے مخلوقِ خدا کو ہٹانے کی ناپاک کوشش میں ہیں اور آج "اللہ کے سوا کسی کو مت مان" کا درس دے کر کھلے لفظوں میں رسالت پر ایمان نہ لانے کا بھی سبق دیا جا رہا ہے۔ بیشک خدا کے محبوب سے بے نیاز ہو کر توحید کی رٹ لگانا، توحید تو ہے مگر یہ ایک ایسی جھوٹی توحید ہے جو جہنم کی کلید ہے سچی توحید تو یہ ہے کہ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ہی ساتھ سرِ نیاز درِ مصطفےٰ پر جھکا دیا جائے اور سمجھ لیا جائے کہ جو کچھ ملنا ہے اسی در سے ملنا ہے

بے اُن کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

دولتِ ایمان

ہاں ہاں یہی وہ در ہے جس در سے دولتِ ایمان اور اسلام جیسا خزانہ بے بہا ملا اور کیسی سچی حقیقت ہے کہ اسی در سے ہمیں خدا ملا۔ پھر کون سی ایسی چیز ہے جو اس در سے نہ مل سکے

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی
منکرو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

حضور علیہ السّلام کی عطا و سخاوت اور لطف و کرم سے ایک عالم پل رہا ہے، آپ بے کسوں اور بے سہاروں کے یار، غریبوں اور محتاجوں کے مددگار اور باذن اللہ مالک و مختار ہیں، آپ تو آپ ہیں، آپ کا وجود ایسا منبع الجود ہے کہ جس پر نگاہِ کرم پڑ گئی مخلوقِ خدا کا اُسے بھی ناصر و دستگیر بنا دیا، خدا نے اگر لبِ بارت... کے ساتھ بصیرت بھی عطا کی تو معلوم ہو سکتا ہے کہ غلامانِ مصطفےٰ

ہیں آج بھی ایسی ایسی ہستیاں ہیں جن سے بعد از وصال بھی آج ایک عالم فیض پا رہا ہے۔ ذرا سال بسال اجمیر شریف کے اجتماعات ہی کو دیکھ لیجئے ہزاروں اللہ کے بندے اس در سے کامیاب و بامراد لوٹتے ہیں، مگر ؎

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا نظر آئے کیا دیکھے

لطیفہ کہتے ہیں ایک مجذوب حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر عرض کر رہا تھا کہ "یا خواجہ پانچ روپے درکار ہیں پانچ روپے دے دو" یہی رٹ لگا رہا تھا، کہ ایک خشکی کا مارا، جھوٹی توحید کا پٹارا، اس طرف سے گزرا، اور مجذوب سے کہنے لگا، ارے مشرک! یہ مُردے سے کیا مانگ رہے ہو، یہ خواجہ واجہ تمھیں کیا دے گا؟ مجذوب نے اس بات کی پرواہ تک نہ کی، اور اپنا سوال حضرت خواجہ سے جاری رکھا، جھوٹی توحید کے علَم بردار اور شرک کے ٹھیکہ دار کو اور بھی غصہ آیا اور اپنی جیب سے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر مجذوب کو دیا اور کہا، اے مشرک یہ لے پانچ روپے مجھ سے لے، اور اس مُردہ سے مانگ کر شرک کا ارتکاب اور میرا حال خراب نہ کر۔ مجذوب کا یہ پُرلطف جواب سنیئے۔ پانچ روپے کا نوٹ لیکر جیب میں ڈالا اور کہا واہ خواجہ! دلائے بھی تو کس مردود سے دلائے وہ منکر شان خواجہ ہکا بکا رہ گیا۔ مجذوب نے اس سے کہا کہ خواجہ نے تجھے اپنا زور دکھایا ہے کہ ان میں ایسی طاقت ہے کہ تیرے جیسے منکر کی جیب پر بھی انھیں تصرّف حاصل ہے۔ ؎

اولیا را ہست قدرت از الٰہ
تیر جستہ باز گرداند ز راہ

ضیاءُ المصطفٰے

یہ دُنیا جس میں تھی ظُلمت ہی ظُلمت
ہوئی روشن ضیاءُ المصطفٰے سے

میرے آقا و مولا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لُطف وکرم اور آپ کی عطاء ورحمت سے ایک عالم کی پرورش ہو رہی ہے اور اِس باغ عالم کی وجہ بقاء حضور ہی کی ذاتِ گرامی ہے اور آپ ہی کی خاطر اور آپ ہی کے نُور سے کائنات کو پیدا کیا گیا ہے ؎

وہی نُورِ حق وہی ظلِّ ربّ ہے انھیں سے سب ہے انھیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا :۔

اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَکُلُّ الْخَلَائِقِ مِنْ نُوْرِیْ ۔ — میں اللہ کے نُور سے ہوں اور ساری کائنات میرے نور سے ہے ۔

تو گویا ذرّہ ذرّہ کائنات میں ضیاءُ المصطفٰے کا جلوہ موجود ہے اور دنیا کے کونہ کونہ میں ضیاءُ المصطفٰے کی جھلک پائی جاتی ہے ؎

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گُل میں ہر شجر میں محمّد کا نور ہے

قرآن پاک خداوند کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے لئے قرآن پاک میں فرمایا ہے :۔

وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ — اللہ کی طرف باذن اللہ بُلانے والے اور چمکا دینے والے چراغ روشن ۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :۔

قَدْ جَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۞ — تحقیق تمہارے پاس اللہ سے نور تشریف لایا اور کتاب مُبین۔

اِن آیات میں حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو چراغ روشن اور نُور فرمایا گیا ہے، دُنیا میں کفر و شرک، بے دینی و ضلالت کی تاریکی چھا چکی تھی کہ نورِ مصطفےٰ نے اس ظلمت کدۂ عالم کو بقعۂ نور بنا دیا ؎

نا ریوں کا دَور تھا دِل جل رہا تھا نُور کا
تم کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجہ نُور کا

عَدُوِّ نُور اِس میں شک نہیں کہ چور ہمیشہ چراغ و نور کا دشمن ہوتا ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ چراغ و نور کا وجود رہے۔ اس لیے کہ روشنی میں وہ اپنا کام نہیں کر سکتا، لُوٹ نہیں سکتا۔ اس کی دلی خواہش ہوتی ہے کہ چراغ بجھ جائے، روشنی نہ رہے تاکہ وہ اپنا کام بآسانی کر سکے۔ اِسی واسطے سارقانِ متاعِ ایمانی و دشمنانِ نورِ رحمانی نے ابتدا ہی سے یہ کوشش جاری رکھی کہ یہ نُور بجھ جائے۔ مگر جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۞ — دشمنانِ نُور چاہتے ہیں کہ اللہ کے نُور کو بجھا دیں اور اللہ اس نُور کو پورا فرمانے والا ہے۔ اگرچہ ان کافروں کو بُرا لگے۔

یہ چاند اور سُورج خدا نے اہلِ عالم کے لیے یہ چاند اور سُورج دو بتیاں پیدا فرمائی ہیں۔ غور فرمایئے کہ نہ صرف پاکستان بلکہ سارے جہان کے لوگ اپنی مجموعی پھُونکوں سے چاند یا سُورج کو بجھانا چاہیں تو کیا بجھا سکتے ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں! تو بھلا جب یہ دو خدائی بتیاں ہماری پھونکوں سے نہ بجھ سکیں، تو اس مخزنِ نُور، منبعِ انوار ذاتِ انور

صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نُور کو جس کے نُور سے یہ چاند اور سُورج بھی منوّر ہوئے کون بجھا سکتا ہے ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

دَافِعُ البَلَاء تاریکی وظلمت میں کئی ایک تکالیف اور بلاؤں کا اندیشہ رہتا ہے، اندھیرے میں ممکن ہے پاؤں گڑھے میں پڑ جائے، نجاست سے لتھڑ جائے، اسی طرح سانپ، بچھو اور دیگر جانوروں کی ایذا کا خطرہ رہتا ہے ان بلاؤں اور خطرات کے دفعیہ وازالہ کے لیے نور اور روشنی ہے، جہاں ظلمت میں گیس، بیٹری یا کوئی شمع آئی وہیں اُس کے نُور نے سارے خطرات کو دُور اور بلاؤں کو رَفع کر دیا۔ گویا ہماری ان خود ساختہ بتّیوں کا نُور دافع البلاء ٹھہرا۔ تو جب ہماری ان خود ساختہ بتّیوں کا نور دافع البلاء ہے، تو پھر جو نورِ خدا ہو وہ کیونکر دافع البلاء نہ ہو گا۔ صَلّے اللّٰہ علیہ وسلّم۔

خُدا کا ارشاد خدا نے خود اپنے حبیب کے دافع البلاء ہونے کا اعلان فرما دیا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا ہے:۔

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔	وُہ (یعنی حضور) اُنھیں بھلائی کا حکم دے گا اور بُرائی سے روکے گا، اور اُن کے لیے ستھری چیزیں حلال کرے گا۔ اور اُن پر سے ان کا بھاری بوجھ اور سخت تکلیفوں کے جو طوق اُن پر تھے اُتار دے گا۔

انصاف فرمایئے! جس نے ہماری پیٹھوں سے بھاری بوجھ اُتار لیے، ہماری گردنوں سے تکلیفوں کے طوق کاٹ دیئے اُسے دافع البلاء کیونکر نہ کہیں ؎

رافع ، نافع ، شافع ، دافع
کیا کیا رحمت لاتے یہ ہیں

نُورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیا پاشیاں

جنگ بدر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کی دونوں آنکھیں تیر لگنے سے ان کے رُخسار پر بہ آئیں حضرت قتادہ بارگاہِ نُور میں حاضر ہوئے تو :-

فَعَادَهُمَا مَكَانَهُمَا وَبَرَقَ فِيهِمَا فَعَادَتَا تَبْرُقَانِ ۔ (خصائص الکبریٰ)	حضور نے اُن کی دونوں آنکھوں کو خانۂ چشم میں رکھ کر لعاب دہن لگا دیا دونوں آنکھیں روشن ہوگئیں ۔

جنگِ اُحد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک آنکھ پھوٹ گئی، وہ بارگاہ نُور میں حاضر ہوئے تو

فَجَعَلَهُ اَحْسَنَ عَيْنَيْهِ وَاَحَدَّ هُمَا نَظَرًا ۔ (خصائص الکبریٰ وحجۃ اللہ علی العالمین صـ۴۲۴)	حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے آنکھ میں لعاب دہن لگایا اور اس کی آنکھ کو پہلی آنکھ سے بھی زیادہ روشن کر دیا ۔

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

لطیفہ ایک دفعہ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں برادرِ محترم خطیبِ اعظم حضرت مولانا محمد غلام الدین صاحب خطیب لاہور نے یہ واقعہ بیان فرما کر عظمتِ مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا بیان فرمایا تو دشمنانِ نور نے اِس واقعہ پر گلا پھاڑ پھاڑ کر اس کی تکذیب کی اور کہنا

شروع کر دیا کہ دیکھو تو ان مشرکوں نے خدا سے رسول کو بڑھا دیا اور یہ بیان کیا کہ رسول کی اپنی دی ہوئی آنکھ خدا کی دی ہوئی آنکھ سے بھی زیادہ روشن ہو گئی۔

اس کے جواب میں اجتماع جمعہ میں میں نے یہ حدیث خصائص کبریٰ سے دکھا دی۔ اور پھر عرض کیا کہ دشمنانِ نور کی یہ محض ضد اور ہٹ دھرمی ہے ورنہ کون رسول کو خدا سے بڑھاتا ہے؟ اس برکتِ لعاب دہن مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی تو خدا ہی کی دین وعطا ہے، ورنہ پھر تو ہزارہا لوگ بھی مشرک ہی ٹھہرے جو شفا خانوں میں جا کر آنکھ بنواتے ہیں۔ ڈاکٹر متھرا داس سے آنکھ بنواتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ صاحب یہ آنکھ جو ڈاکٹر نے بنائی ہے اسی سے دیکھ سکتا ہوں، پہلی آنکھ تو بالکل بند ہے، تو اس قائل نے ڈاکٹر کو خدا سے بڑھا دیا؟ افسوس صد افسوس کہ آج ایک کافر ڈاکٹر کی کوشش سے نو آنکھ میں بینائی کا اقرار کر لیا جاتے اور نورِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب دہن شریف کی برکت سے اندھی آنکھ میں نور و روشنی پیدا ہو جانے کا انکار کر دیا جائے۔

ع اے تجھ کو کھائے تپ دق سقر ترے دل میں کس سے بخار ہے

لُعابِ دہن شریف لُعاب دہن شریف کی برکتوں کو آپ نے دیکھا۔ یہ لُعابِ نور اندھی آنکھوں کو روشن کرے۔

مولانا علی کرم اللہ وجہہ کے آشوبِ چشم کو یوں دُور فرما دے کَاَنْ لَّمْ یَکُنْ بِہٖ وَجَعٌ گویا آنکھیں کبھی دُکھی ہی نہ تھیں (مسند امام احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر مع لشکر صحابہ کے تشریف لے جا کر تھوڑے سے پکے ہوئے کھانے میں حضور علیہ السلام لعاب دہن شریف ڈالیں تو اس تھوڑے سے پکے ہوئے کھانے میں وہ برکت پیدا ہو کہ سارا لشکر سیر ہو کر اُٹھے (مشکوٰۃ شریف)

کھاری کنوئیں میں یہ لعاب دہن شریف پڑے تو ہمیشہ کے لیے یہ کنواں میٹھا ہو جائے۔ (خصائص کبریٰ ص۶۱ ج ۱)

یہ ہے لُعاب دہنِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ادھر ایک ہمارا تھوک بھی ہے کہ ڈاکٹروں کے بیان کے مطابق اکثر بیماریاں اس تھوک کے جراثیم سے پیدا ہوتی ہیں۔ جابجا ہدایت ہوتی ہے کہ "تھوکئے مت" اس سے بیماریاں پھیلتی ہیں۔ ریل کے ڈبوں میں دیکھ لیجئے، یہی ہدایت وہاں بھی موجود تو غور کا مقام ہے کہ یہی ہمارا تھوک ہے بیماریوں کی جڑ۔ اور ایک وہ لعابِ دہن مصطفٰے (صلے اللہ علیہ وسلم) ہے جس سے بیماریاں دُور ہوں۔ اندھی آنکھیں روشن ہوں، کھاری پانی میٹھے ہوں، تو جب اس لعابِ دہن شریف کو اللہ نے ایسا بے مثل پیدا فرمایا ہے تو خود اس ذاتِ بابرکات علیہ افضل التحیات کا مثل کب ممکن ہے۔

ع

کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حُسن و ادا کی قسم

نظیرِ نور جس ذات نورنے اندھی آنکھوں کو نور بخشا اس ذاتِ نور کی اپنی نورانی نظر شریف کی عظمت و وسعت ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرٰى فِى الظُّلْمَةِ كَمَا يَرٰى بِالنَّهَارِ فِى الضَّوْءِ۔ (ابن عساکر و خصائص کبریٰ ص۶۱ ج ۱)

حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رات کے اندھیرے میں ایسا دیکھا کرتے تھے، جیسا کہ دن کی روشنی میں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ :۔

وَاللّٰهِ لَا يَخْفٰى عَلَىَّ

خدا کی قسم تمہارا رکوع کرنا

رُکُوْعُکُمْ وَلَا سُجُوْدُکُمْ اِنِّیْ اَرٰی وَرَآءَ ظَھْرِیْ۔ اور سجدہ کرنا مجھ پر چھپا نہیں رہتا اور میں تمھیں پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔

(مسلم و بخاری شریف ص۵۹ ج ۱)

حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

رَاَیْتُ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ۔ میں نے اپنے رب عز وجل کو دیکھا۔

(مشکوٰۃ ص۶۱)

دیکھا آپ نے نظر نور کی ہمہ گیری کہ خدا کو بھی دیکھ لیا، پھر وہ کونسی چیز ہے جو اس نظر نور سے غائب رہ سکے۔ ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

بے سایہ وُجُود

حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور کیونکر ہو جب کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نورٌ علٰی نور تھے اور نور کا سایہ آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ لاریب مصطفٰے (صلے اللہ علیہ وسلم) کا سایہ نہ تھا۔ مگر ضیاء المصطفٰے کا سایہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر ہے۔ ؎

اُمّی و دقیقہ دانِ عالم
بے سایہ و سایہ بانِ عالم

ایک شاعر نے خوب لکھا ہے کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تو وہ بے سایہ وجود ہے کہ ؎

صاحب وہاں تو ظلِ پدر ناگوار تھا
اور آپ کہہ رہے ہیں نبی سایہ دار تھا

پیدا ہوئے تو باپ کا سایہ اُٹھا لیا
بڑھنے لگے تو مادرِ غم ہو گئے جُدا

گھٹنوں چلے تو دادا عدم کو روانہ تھا ایک ایک سایہ آپ کا اُٹھتا چلا گیا

سائے پسند آتے نہ پروردگار کو
بے سایہ کر دیا گیا اُس سایہ دار کو

چار حرف ضیاءُ المصطفٰے کا فیضِ عام دیکھئے کہ اس مقدس ضیائ نے ہر گوشۂ عالم اور ہر ذرۂ کائنات کو جگمگا دیا۔ اس "احمد" کے چار حرف ہیں اور بہ نظرِ تعمق دیکھئے تو ہر چیز میں اِسی نامِ پاک کی ضیائ نظر آئے گی اور انھیں چار حرفوں کا جلوہ نظر آئے گا۔ خود "اللّٰہ" کے بھی چار حرف ہیں جو اس ضیاء کا خالق ہے۔ خالق کی ضیاء نے اسمِ احمد کو منوّر فرمایا اور ضیاءُ المصطفٰے نے پھر یہ نظارہ دکھایا کہ :۔

احمد کا اسمِ پاک جمیعُ الصّفات ہے
ہیں چار حرف اس میں سمجھنے کی بات ہے

ان چار حرف ہی سے یہ کُل کائنات ہے
ان چار حرف ہی سے ہماری نجات ہے

ہیں چار حرف پاک خدا کے کلام میں
کیا پیارے چار حرف ہیں احمد کے نام میں

خالق کے حرف چار ہیں خلقت کے حرف چار
واحد کے حرف چار ہیں وحدت کے حرف چار

قادر کے حرف چار ہیں قدرت کے حرف چار
مالک کے حرف چار ہیں رحمت کے حرف چار

ہیں چار چار حرف حدیث و کلام میں
کیا پیارے چار حرف ہیں احمد کے نام میں

اللّٰہ کے حرف چار ہیں داور کے حرف چار
واحد کے حرف چار ہیں اکبر کے حرف چار

ساقی کے حرف چار ہیں کوثر کے حرف چار
شافع کے حرف چار ہیں محشر کے حرف چار

ہیں چار چار حرف درود و سلام میں!
کیا پیارے چار حرف ہیں احمد کے نام میں

کرسی کے حرف چار ہیں طوبےٰ کے حرف چار
رفرف کے حرف چار ہیں سدرہ کے حرف چار
دنیا کے حرف چار ہیں عقبےٰ کے حرف چار
بطحا کے حرف چار ہیں طیبہ کے حرف چار
حیدرؓ کے چار، چار ہیں زہرا کے نام میں!
کیا پیارے چار حرف ہیں احمد کے نام میں

ہیں چار حرف دیکھئے عرش عظیم میں
ہیں چار چار حرف بہشت و نعیم میں
زمزم کے چار، چار ہیں دیکھو حطیم میں
ہیں چار حرف دیکھیے قرآں قدیم میں

ہیں چار چار حرف حسین و امام میں
کیا پیارے چار حرف ہیں احمد کے نام میں

حق کے مقرب ہیں فرشتے بھی چار ہیں
اور مصطفےٰ کے پیارے خلیفے بھی چار ہیں
مذہب ہیں چار اور طریقے بھی چار ہیں
کعبہ میں اے عزیز مصلّے بھی چار ہیں

ہیں چار چار حرف رکوع و قیام میں
کیا پیارے چار حرف ہیں احمد کے نام میں

دانائے غیوب

صلی اللہ علیہ وسلم

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم افضل الانبیاء ہیں اور سرکار کا مقامِ نبوت ہر نبی و رسول کے مقام سے بالاتر ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مقامِ بلند سے دیکھنے میں نظر میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور جو چیز مقامِ پست سے نہیں دیکھی جا سکتی۔ مقامِ بلند سے اس کا نظر آجانا سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔ ایک شخص دہلی کے چاندنی چوک میں کھڑے ہو کر سارے دہلی کو نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہی جب قطب مینار پر چڑھ کر نظر دوڑائے تو سارا دہلی اس کی نظر کے سامنے آجاتا ہے۔

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقامِ نبوت چونکہ اتنا رفیع و بلند ہے کہ بعد از خدا اس مقام سے اونچا اور کوئی مقام ہی نہیں۔ اس لیے حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظر نبوت میں اس قدر وسعت عطا فرمائی گئی ہے کہ کونین کا ذرہ ذرہ اور کائنات کا پتہ پتہ اس نظر کے سامنے آگیا اور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعطاء اللہ ہر شے کے دیکھنے، اور جاننے والے ہو گئے۔

ارشادِ پاک چنانچہ خود سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَ اِلٰی مَا ھُوَ	اللہ تعالےٰ نے میرے سامنے ساری دُنیا کو اُٹھایا، میں اس دنیا کو اور قیامت تک

كَائِنٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى كَفِّي هٰذِهٖ
(طبرانی شریف بمواہب لدنیہ صد ۱۹۳ ج ۲)

جو کچھ اس میں ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں، جیسے اپنے اس ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

ایک اور ارشاد میں فرمایا :۔

إِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا
(مشکوٰۃ شریف صد ۵۱۲)

اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام زمین کو سمیٹ دیا۔ تو میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔

معلوم ہوا ساری دُنیا مثل کفِ دست کے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے حاضر ہے اور جو کچھ دنیا میں ہو چکا یا ہونے والا ہے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُسے جانتے ہیں اور آپ سے کچھ غائب و پنہاں نہیں۔ چنانچہ احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک کے واقعات کی خبر دی۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہٗ

چنانچہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

قَامَ فِينَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ۔
(بخاری مشکوٰۃ صد ۵۰۶)

ایک دفعہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم نے ہم میں کھڑے ہو کر ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنّت اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے تک کا حال ہم سے بیان فرمایا۔

علّامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ

شارح بخاری حضرت علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری میں اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں :۔

فِيْهِ دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّهٗ اَخْبَرَ فِى الْمَجْلِسِ الْوَاحِدِ بِجَمِيْعِ اَحْوَالِ الْمَخْلُوْقَاتِ مِنْ اِبْتِدَائِهَا اِلٰى اِنْتِهَائِهَا۔

اس حدیث میں دلیل ہے اس بات کی کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مجلس میں اوّل سے آخر تک جملہ مخلوقات کے تمام حالات بیان فرما دیئے۔

پس ثابت ہو گیا کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آفرینش سے لے کر قیامت تک کے واقعات وحوادث اور مخلوقات کے جملہ حالات بیان فرما کر اپنے دانائے غیوب ہونے کا اظہار فرما دیا۔

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے قیامت تک کے ہونے والے واقعات واحوادث کی جس صداقت سے خبر دی اس کی ایک معمولی سی جھلک ملاحظہ فرمائیے:۔

موجودہ دورِ الحاد اور سرورِ عالم صلّے اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد

موجودہ دورِ الحاد میں وہ دل جسے اللہ نے اپنی یاد اور معرفت کے لیے پیدا فرمایا تھا، اس میں شیطان کو بٹھا دیا گیا اور خدائی احکام کو پسِ پشت ڈال کر شیطانی حرکات کو دستور العمل بنا لیا گیا۔ اعمالِ حسنہ کو چھوڑ کر ہم سرکش و باغی ہو گئے، وفاداری سے منہ موڑ کر عاصی و باغی بن گئے، چوری، خیانت اور شرارت وضلالت ہمیں بھا گئی اور ہم میں خواہشاتِ نفسانیہ ولذّاتِ فانیہ کی محبّت سما گئی۔ نشۂ شرابِ الحاد میں ہم اس قدر چور اور ذکرِ خدا سے اِس قدر دُور ہو گئے کہ خدا کا نام لینا بھی آج خلافِ تہذیب اور جُرم قرار دے دیا گیا ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

اپنی اس ملحدانہ روش کا نتیجہ ہمیں جو اس عالم میں نظر آیا وہ یہ ہے کہ آج

دنیا سے راحت و اطمینان اٹھا لیا گیا اور ہم روز سنتے اور اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ فلاں شہر میں زلزلہ آیا اور شہر کا شہر تباہ ہو گیا، فلاں جگہ آگ لگ گئی اور کروڑوں کا نقصان ہو گیا۔ فلاں دریا میں سیلاب آ گیا اور سینکڑوں دیہات زیرِ آب آ گئے۔ فلاں شہر میں آندھی کا طوفان آیا اور ہزاروں جانوروں، جانوں اور لاکھوں کے مال کو فنا کر گیا۔ بہار اور کوئٹہ کا زلزلہ ہمارے سامنے ہے، ترکی میں متواتر زلزلوں سے شہروں کی تباہی ہم دیکھ چکے۔ یہ آئے دن کے خدائی قہر اور یہ متواتر بلاہائے آسمانی کا نزول کیوں؟ صرف اس لیے کہ ہم نے ملحدانہ زندگی اختیار کر لی اور ہمارے اعمال بگڑ گئے اور ہم نیک شعاری اور وفاداری سے کوسوں دُور ہو گئے ؎

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

دانائے غیوب کا ارشاد

اس ملحدانہ دَور کی مذکورہ بالا بداعمالیوں اور پھر اس کے نتیجہ میں بلائے آسمانی کے نزول کی سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے ہی ان مبارک الفاظ میں دے دی ہے کہ :-

اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْءُ دُوَلًا وَّالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَّالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَّتُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَاَدْنٰى صَدِيْقَهٗ وَاَقْصٰى اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ	ایک زمانہ ایسا آئے گا جب مالِ غنیمت کو اپنی دولت اور مالِ امانت کو مالِ غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے گا، اور علم محض دنیا کے لیے نہ دین کے لیے پڑھا جائے گا اور آدمی اپنی بیوی کا تو مطیع اور ماں کا نافرمان ہو جائے گا۔ دوست کو تو قریب اور باپ کو دُور رکھے گا اور مسجدوں میں (دنیاوی) آوازیں بلند ہوں گی اور قبیلہ

وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّہٖ وَ ظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰيَاتٍ تَتَبَّعُ كَنِظَامٍ قُطِعَ سِلْكُهٗ فَتَتَابَعَ ۔

(مشکوٰۃ شریف)
صفحہ
۲۶۲

کا سردار وہ بننے لگے جو سب سے زیادہ بدکار ہو اور قوم کا معتمد اور امین وہ ہوگا جو سب سے زیادہ رذلیل ہو اور بڑے آدمی کی تعظیم اُس کی شرارت سے ڈر کر کی جائے گی (نہ کر اُسے واقعی قابلِ تعظیم سمجھ کر) اور گانے والی عورتیں اور آلات لہو ولعب ظاہر ہو جائیں گے اور شراب پی جائے گی اور لوگ اپنے اسلاف اور بزرگوں کو بُرا کہنے لگیں گے تو اُس زمانہ میں سُرخ آندھیاں آئیں گی، زلزلے آئیں گے، شکلیں بگڑیں گی، زمین میں دھنسایا جائے گا، آسمان سے پتھر برسیں گے اور اسی طرح مختلف بلائیں متواتر یُوں نازل ہوں گی جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جانے سے اُس کے دانے متواتر گرنے شروع ہو جاتے ہیں۔

غور فرمائیے کہ موجودہ دور کا رنگ ڈھنگ کیا وہی نہیں؟ جو سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ظاہر فرمایا؟ یقیناً وہی ہے۔ آج امانت میں خیانت کی جاتی ہے، زکوٰۃ کو بار سمجھا جاتا ہے، محض ملازمتوں کے لیے پڑھایا جاتا ہے۔ چنانچہ آجکل کے پڑھے ہوئے کا نقشہ سو فیصدی اس شعر کے مطابق ہے کہ ؎

کیا کہوں احباب کیا کارِ نمایاں کر گئے
بی۔ اے ہوئے، نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے

گویا دین سے کچھ بھی تعلق نہ رکھا، آج کا نوجوان، ماں کی اطاعت کو

"آؤٹ آف فیشن" اور بیوی کی ہر بات کو واجب التعمیل سمجھتا ہے اور اپنے طرزِ عمل سے ظاہر کر رہا ہے کہ ؎

آئے ہیں دنیا میں ہم دو کام کرنے کے لیے
کچھ خدا سے اور کچھ بیوی سے ڈرنے کے لیے

اور پھر یہ کہ ؎

اکبر ڈرا نہیں کبھی جرمن کی فوج سے
لیکن شہید ہو گیا بیگم کی نوج سے

آج دوستوں کے ساتھ رہا جاتا ہے اور باپ کو "اولڈ مین" کہہ کر دھکے دیئے جاتے ہیں، آج جماعتوں کے سردار فاسق اور دین سے ناآشنا اور جور ذیل ہیں قوموں کے معتمد اور امین نظر آ رہے ہیں اور آج واقعی بڑے لوگوں کی شرارت سے ڈر کر اُن کی عزت کی جا رہی ہے۔

دیکھ لیجئے! آج کل گانے بجانے والی عورتوں کی بہتات آلاتِ لہو و لعب کی افراط ہے۔ شراب نوشی عام ہے اور آج کل کے نام کے مسلمان اپنے اسلاف اور بزرگانِ دین کے حق میں دریدہ دہنی اور گستاخی و بے ادبی کا ارتکاب کر رہے ہیں، کوئی افضل الخلق بعد الانبیاء، رفیقِ مصطفےٰ امیر المومنین حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور امیر المومنین حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی جناب پاک میں گستاخیاں کر رہا ہے، تو کوئی امیر المومنین حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی نورانی بارگاہ میں بے ادبی کر کے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کر رہا ہے، کوئی بے دین حضرت شیرِ خدا مولا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی مقدس جناب میں دریدہ دہنی کر رہا ہے تو کوئی حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاک و مطہر شانِ پاک میں گستاخی کر کے اپنی نالائقی کا ثبوت دے رہا ہے، کوئی بدلگام حضرت امام ہمام سیدنا حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شانِ اعلیٰ میں بول رہا ہے تو کوئی حضرت

محبوب سبحانی سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شانِ والا میں گستاخی کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہا ہے۔

الغرض سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے جو کچھ فرمایا، آج ہم نے وہی دیکھا اور پایا، اور پھر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد کے مطابق آج سُرخ آندھیوں کے طوفان بھی آرہے ہیں اور زلزلے بھی آرہے ہیں، زمین میں دھنسایا بھی جا رہا ہے: بمباری کے بعد سربفلک عمارات کے ملبہ کے نیچے آئے ہوتے انسانوں کو دیکھ لیجئے۔ ہوائی بمباری یعنی آسمان سے پتھروں کی بارش بھی جاری ہے۔ گویا زمانہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہر ارشاد کی تصدیق کر رہا ہے، تو پھر کیوں نہ مسلمان سچے دل سے بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ؎

سرِ عرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے تری نظر!
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

بمباری کے متعلق ہدایات موجودہ دور جنگ کا دور ہے۔ اس جنگ میں دشمن کے شہروں میں ہوائی بمباری کی جاتی ہے اور ہماری گورنمنٹ نے دشمن کی بمباری سے بچنے کے لیے مختلف پوسٹروں کے ذریعہ سے ہدایات شائع کی ہیں کہ جب دشمن بمباری کرنے لگے تو چلتے ہوئے آدمی کو ٹھہر جانا چاہیے اور کھڑے رہنے میں بھی خطرہ ہے۔ لیٹ جانے سے بم کی زد سے محفوظ رہا جاسکتا ہے اور اگر سامنے کوئی پناہ گاہ ملے تو فوراً اس میں داخل ہو کر پناہ گزین ہو جانا چاہیے۔ یہ مفید ہدایت پبلک کے فائدے کے لیے آج مشتہر ہوتی ہیں مگر قربان جائیے علمِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم کے کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے تقریباً چودہ سو سال پہلے ہی ان ہدایات سے اہلِ دنیا کو سرفراز فرما دیا۔ اور صاف صاف ارشاد فرمایا کہ:۔

سَتَكُوْنُ فِتَنٌ اَلْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِيْ مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفُهٗ فَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً وَمَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهٖ۔

(مشکوٰۃ شریف)
صفحہ ۴۶۵

عنقریب ایسے فتنے اُٹھیں گے کہ ان میں بیٹھ جانے والا کھڑے رہنے والے سے فائدہ میں رہے گا، اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے فائدہ میں رہے گا اور جو انھیں دیکھنے کے لیے بڑھے گا وہ فتنے اُسے اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ پس جس کو سامنے پناہ ملے وہ فوراً اُس میں پناہ گزین ہو جائے۔

سُبحان اللہ! موجودہ بمباری کی ہدایات سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر کیسی پوری اُترتی ہیں اور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہی صاف صاف الفاظ میں تقریباً چودہ سو سال ہمیں آج کے لیے ہدایات فرما دیں اور کیوں نہ ہو جب قیامت تک کے واقعات مثل کفِ دست کے سرکار کے سامنے تھے تو پھر موجودہ طرزِ جنگ میرے آقا و مولا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس طرح پنہاں و غائب رہ سکتی تھی۔

برما سے آنے والے بعض دوستوں سے سُنا اور اخبارات میں بھی پڑھا کہ ظالم جاپان کی بمباری پر وہ لوگ جو بم برسنے کا تماشا دیکھنے کے لیے بازاروں میں جمع ہوئے وہ خود شکارِ بم ہو گئے اور یہ تصدیق ہے کہ سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی کہ من تشرف لھا تستشرفہ جو ان فتنوں کو دیکھنے کے لیے بڑھے گا اُسے وہ فتنے اپنی طرف کھینچ لیں گے۔

بم جب گر کر پھٹتا ہے اور اُس سے خطرناک اور مہلک کانچ اور دیگر قسم کے ٹکڑے اور ذرات چونکہ سطحِ زمین سے کچھ اُوپر رہ کر پھیلتے اور اُڑتے ہیں۔

اس لیے زمین سے چپٹ کر لیٹ جانے والا بم کی زد سے محفوظ رہتا ہے اسی واسطے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

مَنْ کَانَتْ لَہُ الْاَرْضُ فَلْیَلْحَقْ بِاَرْضِہٖ۔ — جسے میسّر آئے وہ زمین سے چپٹ جائے۔

دیکھا آپ نے میرے آقا و مولا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کو، آپ کا مقدس علم کس صداقت کے ساتھ قیامت تک کے حوادث و واقعات پر محیط ہے۔ اب بھی اگر کسی منکر علم مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو علمِ مصطفےٰ میں کلام ہو۔ ع

تو بم برسیں الٰہی ایسے سرکش اور باغی پر

مؤرخین نے ایک واقعہ لکھا ہے جسے قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری نے بھی جو مذہبا غیر مقلد تھے۔ اپنی مشہور کتاب سیرۃ رحمۃ للعالمین میں درج کیا ہے اور رحمۃ للعالمین ایک ایسی کتاب ہے جس کی اکابر اہل حدیث نے بہت تعریف لکھی ہے۔ مثلاً مولوی ثناء اللہ "اہلحدیث" نے امرتسر میں اور مولوی محمد دہلوی نے اخبار "محمدی" دہلی میں اس کتاب کی کئی بار توصیف و تعریف کی ہے۔ اس لحاظ سے اس کتاب میں اس واقعہ کا موجود ہونا، اس واقعہ کی اہمیت میں اور بھی اضافہ کر دیتا ہے۔ ہم اس تاریخی واقعہ رحمۃ للعالمین ہی کے لفظوں میں درج کرتے ہیں :-

"جنگِ بدر سے چند روز بعد کا ذکر ہے کہ صفوان بن امیہ (جس کا باپ بدر میں قتل ہوا تھا) اور عمیر بن وہب (جس کا بیٹا ہنوز مسلمانوں کے ہاتھوں میں اسیر تھا) مکہ معظمہ سے باہر سنسان جگہ میں جمع ہوئے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف باتیں کرنے لگے۔ عمیر بولا اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جسے میں ادا نہیں کر سکتا اور اگر مجھے اپنے کنبہ کے بے کس رہ جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں خود مدینہ جاتا اور محمد کو قتل

ہی کر کے آتا۔ صفوان بولا۔ تیرا قرض میں چکا دوں گا اور تیرے کنبے کا خرچ جب میں زندہ ہوں میرے ذمے لگا، عمیر بولا، بہتر، یہ راز کسی پر نہ کھلے۔ پھر عمیر نے اپنی تلوار کی دھار کو تیز کرایا اور زہر میں اسے بجھوایا اور مکے سے روانہ ہو گیا۔ عمیر مدینے پہنچ کر مسجد نبوی کے سامنے اپنا اونٹ بٹھا رہا تھا کہ اونٹ بول پڑا۔ عمر فاروق نے اُسے دیکھا اور پہچانا اور دل میں سمجھ گئے کہ یہ شیطان ضرور کسی مفسد ارادہ سے آیا ہے۔ اس لیے آگے جا کر نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ عمیر بن وہب مسلح چلا آ رہا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسے میرے پاس آنے دو، عمر فاروق نے اس کی تلوار کے قبضہ پر قبضہ کر لیا اور اس کی گردن پکڑ کر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے گئے۔ نبی نے یہ دیکھا تو فرمایا، عمر اسے چھوڑ دو۔ عمیر تم میرے پاس آ جاؤ۔ عمیر نے آگے بڑھ کر سلام کیا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کہو کس طرح آئے ہو؟ کہا اپنے بیٹے کی خبر لینے آیا ہوں۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ یہ تلوار کیسی ہے؟ عمیر بولا یہ کیا تلوار ہے اور ہماری تلواروں نے پہلے بھی آپ کا کیا کر لیا ہے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دیکھ تو اور صفوان مکہ سے باہر سنسان پہاڑ میں گئے تھے۔ صفوان نے تیرا قرض اور تیرے کنبے کا خرچ اپنے ذمہ لے لیا ہے اور تو نے میرے قتل کا وعدہ کیا، اور اسی ارادہ سے تو یہاں آیا۔ عمیر! تو یہ نہ سمجھا کہ میرا خدا حافظ ہے۔ عمیر یہ سُن کر حیران ہو گیا۔ بولا، میرا دل مان گیا کہ آپ ضرور اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ یہ بالکل آسان تھا کہ سماوی خبروں اور وحی کی بابت ہم آپ کو جھٹلاتے رہے، لیکن اب میں اس راز کی بابت کیا کہہ سکتا ہوں، جس کی خبر میرے اور صفوان کے سوا تیسرے کو نہیں، خدا کا شکر ہے جس نے میرے اسلام کا یہ بہانہ بنا دیا (رحمۃ للعالمین حصہ اوّل) صفحہ ۱۰۸

اس تاریخی واقعہ سے بھی سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا دانائے غیوب ہونا روزِ روشن کی طرح واضح ہو رہا ہے۔

ایک اور واقعہ اسی کتاب رحمۃ للعالمین پر یہ تمام تاریخی واقعہ بھی درج ہے کہ فتح (مکہ) سے دوسرے دن کا ذکر ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف کر رہے تھے، فضالہ بن عمیر نے موقع دیکھ کر ارادہ کیا کہ آنحضرت کو قتل کر ڈالے، جب وہ اس ارادہ سے قریب پہنچا تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے دل میں ابھی کیا ارادہ کر رہے تھے۔ فضالہ نے کہا کچھ نہیں۔! میں تو اللہ اللہ کر رہا تھا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا، اچھا تم اپنے لیے اپنے خدا سے معافی کی درخواست کرو، یہ فرما کر اپنا ہاتھ بھی اُس کے سینہ پر رکھ دیا۔ فضالہ کا بیان ہے کہ ہاتھ رکھ دینے سے مجھے بڑا اطمینانِ قلب حاصل ہوا، اور آنحضرت کی محبت اس قدر میرے دل میں پیدا ہو گئی کہ حضور سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہ رہا۔

معلوم ہوا کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دلوں کے راز اور سینوں کے اسرار بھی ظاہر و عیاں ہیں اور آپ سے مخفی بھید بھی پنہاں و غائب نہیں ہے

دلوں کے ارادے تمہاری نظر میں
نہیں تم سے کچھ بھی چھپا یا محمدؐ

اِکیسرے لائٹ ممکن ہے کوئی سائنس پرست کہہ دے کہ صاحب دلوں کے اسرار سے واقف ہو جانا ہماری سائنس کے خلاف ہے تو ہم اس سے سائنس کا واسطہ دے کر پوچھیں گے کہ مسٹر تمہاری ہی سائنس نے "ایک اِکیسرے لائٹ" ایسی ایجاد کی ہے، جس کے سامنے مریض کا اندرونی اور نظروں سے غائب مرض مخفی و غائب نہیں رہ سکتا۔ ڈاکٹر مریض کا چیسٹر اور دیگر موٹے کپڑے اُتروائے بغیر ایکسرے لائٹ سے

فوٹو لیتا ہے اور یہ لائٹ مریض کے کپڑوں اور اس کے گوشت و پوست کو چیر کر اندر پہنچ کر مخفی مرض کو باہر لا کر ظاہر و عیاں کر دیتی ہے، تو کیا سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو سر تا پا نور اور نورٌ علےٰ نور ہیں، کی نورانی نظر سینوں کو عبور کر کے اسرار و صدور پر مطلع نہیں ہو سکتی؟

اور پھر ہم اخبارات میں پڑھ رہے ہیں کہ امریکن سائنسدانوں نے ایک ایسا آلہ ایجاد کر لیا ہے کہ جو دلوں کے اسرار اور مخفی بھیدوں کو ظاہر کر دیتا ہے اور اس آلہ سے پولیس کو بڑی مدد مل رہی ہے۔ پولیس اس آلہ سے چوروں، مجرموں کے مجرمانہ خیالات و اسرار پر مطلع ہو کر اصلی چوروں اور مجرموں کا پتہ لگا لیتی ہے، تو فرمائیے کہ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے پھر بھی سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علمِ غیب اور آپ کے مطلع علی الاسرار ہونے کا انکار محض بغض و عناد اور جہالت و ضلالت نہیں تو اور کیا ہے ؎

جو تیرے علم کا منکر جو تیری جاہ کا دشمن
نہیں واللہ وہ کافر مسلماں یا رسول اللہ

گستاخ منکر کا عقیدہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس وسعتِ علم کے باوجود منکر یہ کہتا ہے، کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔ (براہین قاطعہ) اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ منکرِ وسعتِ علم مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کس قدر بے خبر ہے ؎

بلا ریب ہر غیب کے ہیں وہ عالم
مگر بے خبر، بے خبر دیکھتے ہیں

بے مثل ذاتِ بابرکات

رُخِ مصطفےٰ ہے وُہ آئینہ کہ اب ایسا کوئی اور آئینہ
نہ ہماری چشمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

موجودہ پُرفتن اور پُراز الحاد زمانہ میں جب کہ پوتے کو بھی لفظ "تُو" اور دادا کو لفظ "یُو" سے مخاطب کیا جاتا ہے، بزرگوں کا ادب آپ مفقود پائیں گے۔ موجودہ تعلیم کے کورس نے کچھ ایسی رعونت پیدا کر ڈالی ہے کہ اپنے ماں باپ کو بھی اپنا ہم مرتبہ تو کیا، اپنا قلی سمجھا جاتا ہے ؎

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اسی الحاد پرور زمانہ میں آپ باغیانِ مصطفےٰ صلے اللہ وآلہٖ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنیں گے کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہماری مثل ہی تو تھے، کھاتے پیتے اور بازاروں میں پھرتے اور ہمارے جیسے ہی ایک بشر تھے۔ غور تو فرمائیے! ابھی ابھی آپ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضائل وکمالات اور آپ کے احسانات وبرکات کی معمولی سی جھلک دیکھ چکے، اس کتاب میں سرکارِ دوعالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف ومحامد جس قدر بیان ہوئے، وہ سرکار کے اوصاف وکمالات کے بحر ذخار کا ایک قطرہ بھی نہیں، پھر اس شان کی بزرگ تر اور محبوب ترین اور جلیل القدر ہستی کو اپنے جیسا بشر کہنا اور ایسے گرے ہوئے الفاظ سے یاد کرنا مسلمان کا شیوہ ہے؟ ہرگز نہیں!

اُستاد وشاگرد سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بے شک کھانا تناول فرمایا۔ پانی نوش فرمایا، مگر یہ سب کچھ اُمت کے لیے تھا، از روئے احتیاج نہ تھا۔

دیکھئے اُستاد شاگرد کو پڑھاتا ہے اور کہتا ہے ، بیٹا! کہو الف لام زبر، اَل جا میم زبر حَم ۔ دال پیش دُ ۔ اَلحَمدُ ۔ تو فرمائیے اگر ایک جاہل یہ کہنے لگے ، کہ صاحب اُستاد اور شاگرد دونوں برابر ہیں ۔ شاگرد ہجے کر کے پڑھتا ہے اور اُستاد بھی ہجے کر کے پڑھ رہا ہے ۔ اگر اُستاد کو کچھ علم ہوتا تو وہ کیوں ہجے کرتا تو ایسے جاہل کا کیا علاج ؟ اس جاہل کو کون بتائے کہ شاگرد کو ہجے کی احتیاج ہے اور اُستاد اس چیز سے بے نیاز ہے ، وہ تو محض شاگرد کے پڑھانے و سمجھانے کی خاطر ہجے کر رہا ہے ورنہ اِس کی اُسے کوئی ضرورت نہیں ۔ اِسی طرح سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا کھانا پینا اور سونا جاگنا (آپ کی ہر ادا پر لاکھوں سلام) سب اپنے غلاموں کی تعلیم کے لیے تھا ، ورنہ آپ کو ان چیزوں کی احتیاج مطلقاً نہ تھی ۔ چنانچہ بخاری شریف کی حدیث اِس امر پر شاہد ہے کہ آپ نے صیام وصال رکھ کر ظاہر فرما دیا کہ مجھے تمہارے کھانے پینے کی کوئی حاجت نہیں اور فرمایا کہ میں رات کو اپنے ربّ کے پاس ہوتا ہوں ، وہی مجھے کھلا پلا دیتا ہے ، حضرت امام قسطلانی نے بھی یہی فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام اس کھانے پینے کے قطعاً محتاج نہ تھے ، آپ کی ہر ادا محض تعلیم اُمّت کے لیے تھی ۔ (مواہب لدنیہ)

لباسِ بشریت اس میں شک نہیں کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم لباس بشریت میں تشریف لائے ۔ آپ کی مطلقاً بشریت مقدسہ کا کون انکار کر سکتا ہے ، مگر اس کا یہ معنے نہیں کہ ہم حضور کو اپنا جیسا کہنے لگیں اور انھیں اپنی مثل قرار دینے لگیں ۔ ؎

بشر حضور تھے لیکن وا نِعْلِ انام نہ تھے
شمار دانۂ تسبیح میں امام نہ تھے

تسبیح کے دانوں میں جو امام ہوتا ہے ، وہ بھی اسی چیز کا بنا ہوا ہوتا ہے ، جس کے دانے بنے ہوئے ہیں ۔ مگر تسبیح خواں کبھی ان دانوں میں امام کا

شمار نہیں کرتا، دانے دانے ہیں، امام امام، جو دانوں سے ممتاز اور بلند ہوتا ہے۔

سَو کا نوٹ دیکھئے سَو کا نوٹ بھی کاغذ ہے، اور ایک رَدّی کاغذ ہے، جو گندی نالی میں پڑا ہوا سڑ رہا ہے، وہ بھی ایک کاغذ ہے مگر اس کی کیا وجہ؟ کہ نوٹ کا کاغذ تو بکمال حفاظت بٹوہ میں رکھا جائے اور رَدّی کاغذ یوں برباد و خراب ہوتا پھرے۔ یہ اتنا ذلیل اور خوار کیوں؟ اور وہ اتنا ذی وقار کیوں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ایک بے حیثیت اور رَدّی کاغذ ہے اور وہ منظور گورنمنٹ ہے، اِس پر گورنمنٹ کی مہر لگ چکی ہے۔ اِس لیے رَدّی کاغذ سے اس کا رُتبہ بلند ہو گیا، اور رَدّی کاغذ کا اِس کے مقابلے میں کوئی وقار نہیں رہا، اور اب یہ اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اِسی طرح ہم بھی بشر ہیں مگر ایسے جیسے وہ رَدّی کاغذ اور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشریت مقدسہ وہ ہے جو محبوب کبریا اور منظورِ خدا ہو چکی اور جس پر مہرِ نبوت لگ چکی۔ لہٰذا ہم اور سرکار کسی صورت میں برابر نہیں ہو سکتے، اور آج ہمارا سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہمسری اور مثلیت کا دعوےٰ کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک گندی نالی میں پڑا ہوا بے حیثیت رَدّی کاغذ، اور سڑا ہوا کاغذ سو کے نوٹ سے ہمسری کا دعوےٰ کرنے لگے۔ ؎

خیال زاغ کو بلبل کی ہمسری کا ہے
غلام زادہ کو دعوےٰ پیمبری کا ہے

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ باغیانِ سلطنت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضور کو اپنے جیسا بشر کہنے کے لیے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ پڑھ پڑھ کر کہا کرتے ہیں کہ جب سرکار (صلے اللہ علیہ وسلم) اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ فرمانے پر مامور ہیں، تو پھر ہم انھیں کیوں نہ اپنی مثل

بشر کہیں۔ ہماری گزارش ہے کہ سرکار صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "انا بشر مثلکم" فرمانے پر مامور ہونے سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ تم بھی یہ کہنے کے لیے ماذون ہو گئے اور پھر یہ خطاب بھی حضور کا کفار سے ہے، ہم سے نہیں۔ ہم سے تو یہ ارشاد ہے کہ اَیُّکُمْ مِثْلِیْ، کون ہے تم سے میری مثل (بخاری) اور اگر آپ بھی انھیں مخاطبین میں سے ہیں تو بسم اللہ! کہتے جائیے!

پھر اگر سرکار کے انا بشر مثلکم فرما دینے سے تمھارا کہنا بھی جائز ہے تو پھر اسے کیا کہیے گا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کو (معاذ اللہ) "ظالم" کہیے، اور اگر اسے منع کیا جائے تو وہ کہنے لگے کہ قرآن میں موجود ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خود کہا "رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا" حضرت یونس علیہ السلام نے بھی کہا کہ "اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" فرمائیے ایسے گستاخ کو کیسے روکا جائے۔ حالانکہ کسی پیغمبر کو بھی ظالم کہنا کفر اور بے ایمانی ہے۔ ہمارا جواب تو یہی ہوگا کہ بے شک حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے ربّ کے سامنے تواضع و انکسار کا اظہار کیا مگر ہم غلاموں کو کسی صورت یہ اجازت نہیں کہ ہم اُنھیں ظالم کہنے لگیں، مگر منکر کیا کہے گا جب کہ وہ بھی اسی صورت سے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہتے پر مُصر ہے۔

اور اگر اس گستاخ کو منکر بھی یہی جواب دیتا ہے تو پھر ہم بھی یہی گزارش کریں گے کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" تواضعاً فرما دیا (دیکھیے تفسیر خازن) اس لیے ہمیں اجازت نہیں کہ ہم بھی سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مثل اور اپنے جیسا بشر کہنا شروع کر دیں۔

گستاخ بیٹا ایک گستاخ بیٹا اپنی ماں کو یوں پکارتا ہے "اے میرے ابا کی جورو!" تو فرمائیے! ماں کو غصہ آئے گا یا نہیں؟ ماں جوتا لے کر دوڑے گی کہ گستاخ تو نے یہ کیا کہا۔ اب بیٹا اگر کہنے لگے کہ

ماں! میں نے کچھ غلط تو نہیں کہا، ابھی کل ہی تو خود چند عورتوں میں ابا جان کا نام لے کر کہہ رہی تھیں کہ میں ان کی جورو ہوں، اور آج اگر میں نے بھی وہی کچھ کہہ دیا جو آپ نے خود کہا تھا، تو کیا غضب ہو گیا۔ تو یقیناً ماں کہے گی کہ نالائق! میں ان عورتوں ہی سے کہہ رہی تھی اور خود کہہ رہی تھی۔ مگر تجھے کب اجازت دی تھی کہ تو بھی مجھے ایسا ہی کہا کر! نالائق تیرا تو فرض ہے کہ تو مجھے والدہ محترمہ، امی جان یا کسی اور پاکیزہ نام سے بلایا کرے۔!

یوں ہی خدا کے ارشاد سے اگر سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کو مخاطب فرما کر "اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" فرما دیا تو اس سے ہم مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں ہو سکتی کہ ہم بھی اب حضور کو اپنے جیسا بشر کہنے لگیں۔ جو نام کا مسلمان حضور کو اپنے جیسا بشر کہنے لگے گا یقیناً وہ نالائق اور گستاخ ٹھہرے گا۔ مسلمان کا فرض تو یہ ہے کہ وہ سرکار کو دیگر پیارے اور مقدس ناموں سے یاد کرے۔ سرورِ عالم کہے، نورِ مجسم کہے، ربّ کا محبوب کہے یا دانائے غیوب کہے، اللہ کا پیارا کہے یا اُمت کا سہارا کہے، رحمۃ للعالمین کہے، ختم المرسلین، فخرِ عرب و عجم، مالکِ رقابِ اُمم، اور مالک و مختار، سلطان ذی وقار، بے حد و بے شمار نام ہیں محبوب کردگار کے، ان ناموں سے یاد کرے مگر ان سب پیارے پیارے اور مقدس ناموں کو چھوڑ کر بشر بشر کی رٹ لگانا یقیناً نالائقی، دریدہ دہنی اور بے ادبی ہے ؎

بڑے بے ادب اور گستاخ ہیں جو
اُنھیں اپنے جیسا بشر دیکھتے ہیں

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک؟ اے میرے آقا و مولا صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے والے کچھ تو سوچ! کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک مقدس اُنگلی میں طاقت ہے کہ: ؎

؎ تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی مہ کا کلیجہ چر گیا!

اور تو ایک انگلی نہ سہی پورے ہاتھ کے زور سے بھی ایک اینٹ بھی نہیں توڑ سکتا بلکہ ساری ساری عمر اینٹ پر اپنا سر پھوڑتا رہے تو بھی تجھ سے اینٹ نہ ٹوٹ سکے اگرچہ سر کے ہزاروں ٹکڑے ہو جائیں، تو کہاں وہ ذاتِ مقدس کہ ایک اشارۂ انگشت سے آسمان پر چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے اور کہاں تو کہ ساری عمر میں اپنے سارے زور سے زمین پر ایک اینٹ بھی نہ توڑ سکے، اور پھر اس پر مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہمسری کا دعوےٰ ؎

دو شالہ اوڑھتا ہے اوڑھنے والا رضائی کا
پکاتا ہے خیالِ خام لونڈا نانبائی کا

حضرت حسّان رضی اللہ عنہٗ

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درباری شاعر حضرت حسّان رضی اللہ عنہ اپنے آقا و مولا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کرتے ہیں ؎

وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ
وَاَكْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

یعنی یا رسول اللہ! (صلے اللہ علیہ وسلم) میری آنکھوں نے آپ سے زیادہ حسین و جمیل کبھی نہ دیکھا اور دیکھتیں بھی کیسے جب کہ آپ جیسا کسی ماں نے بچہ جنا ہی نہیں۔ میرے آقا! آپ ہر عیب و نقص سے پاک پیدا فرمائے گئے ہیں گویا آپ کے خالق نے آپ کو آپ کی

مرضی سے اور آپ نے جیسا چاہا ویسا پیدا فرمایا۔

جبریل علیہ السلام امام احمد و ذہبی و دیگر محدثین نے اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل فرمائی ہے کہ جبریل امین علیہ السلام نے دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں نے دنیا کے مشرق و مغرب دیکھ ڈالے مگر آپ سے افضل کسی کو نہ پایا۔ اعلیٰحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے اسی کا ترجمہ اس شعر سے کیا ہے ؎

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے تیرے پایہ کا نہ پایا
تجھے اک نے اک بنایا

اور اس کا ترجمہ یہ شعر بھی ہیں :۔

جبریل سے کہنے لگے اک روز یوں شاہِ اُمم
تم نے تو دیکھا ہے جہاں بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
کی عرض یہ جبریل نے اے مہ جبیں تیری قسم
آفاقہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

مولانا رومی علیہ الرحمۃ مثنوی شریف میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں ایک حکایت درج فرما کر اس مسئلہ کو بہترین اور پُر لطف طریق پر حل فرما دیا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ ایک عطار تھا جس کے پاس ایک خوش نما و خوش نوا طوطی تھا ؎

بر دکاں بودے نگہبانِ دکاں
نکتہ گفتے باہماں سوداگراں

اور وہ طوطی دکان کا نگہبان اور خریداروں سے میٹھی باتیں کیا کرتا تھا۔

خواجہ روزے سوئے خانہ رفتہ بود
در دکاں طوطی نگہبانے نمود

عطار ایک مرتبہ گھر گیا اور دکان کو طوطی کے حوالے کر گیا۔

گربۂ برجستہ ناگاہ در دکاں
بہر موشے طوطیک از بہر جاں

اچانک ایک بلّی نے دکان میں آکر چوہے پر حملہ کر دیا تو طوطی ڈر گیا۔

جست از صدرِ دکاں سوئے گریخت
شیشہائے روغنِ گل را بریخت

طوطی ڈر کر ایک طرف کو دا تو تیل کی شیشیاں ٹوٹ گئیں اور تیل بہ گیا۔ عطار جو دکان پر آیا اور اس نے دوکان کا یہ منظر دیکھا کہ بوتلیں ٹوٹی ہوئی اور تیل بہا ہوا ہے تو سے

دید پر روغن دکانِ جامہ چرب
بر سرش زد گشت طوطی کل زضرب

دکان کا یہ حال دیکھ کر طوطی کو عطار نے ایسا مارا کہ طوطی سر سے گنجا ہو گیا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ پٹنے کے بعد طوطی نے بولنا چھوڑ دیا۔ اب جو عطار نے دیکھا کہ طوطی نے پٹنے کے بعد بولنا چھوڑ دیا ہے اور اپنی خوشنوائی کو چھوڑ کر اس نے سکوت اختیار کر لیا ہے تو وہ بہت پچھتایا اور بڑی کوشش کی کہ طوطی پھر اپنی خوشنوائی اور میٹھی میٹھی باتوں سے مسرور کرے مگر سب کوششیں بیکار گئیں اور طوطی نے نہ بولنا تھا نہ بولا، کئی روز گذر گئے اور عطار بھی مایوس ہو گیا کہ

جولقے از سر برہنہ می گزشت   با سرے بے مو چو پشتِ طاس و طشت

اچانک ایک دن ایک گدا، جو سر سے بالکل گنجا تھا۔ سر ننگے دکان پر آیا۔ طوطی نے اُسے جو دیکھا تو بے ساختہ بول پڑا کہ:

گز چہ اے کل با کلاں آمیختی
تو مگر از شیشہ روغن ریختی

اے گنجے میاں تو کیوں گنجا، کیا تو نے بھی کسی کے تیل کی بوتل توڑی ہے؟

مولانا فرماتے ہیں:۔

از قیاسش خندہ آمد خلق را
کہ چو خود پنداشت صاحب دلق را

طوطی کے اس قیاس پر سب ہنس پڑے کہ اس نے اس گدا کو بھی اپنی مثل سمجھ لیا، اور یہ نہ سمجھا کہ وہ قدرتی گنجا ہے اور یہ جوتے کھا کر گنجا ہوا ہے۔

مولانا پھر اپنی جولانیٔ طبع یوں دکھاتے ہیں:۔

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

اے گستاخ نیک اور پاک لوگوں کو اپنا سا قیاس نہ کر، شیر (درندہ) اور شیر (دودھ) لکھنے میں تو ایک جیسے ہیں مگر

شیر آں باشد کہ مرد اورا خورد
شیر آں باشد کہ مردم را درد

شیر (دودھ) تو وہ ہے جس کو آدمی کھا جاتا ہے اور شیر (درندہ) وہ ہے جو آدمی کو کھا جاتا ہے۔

اور فرمایا ؎

کافراں را دیدۂ بینا نبود! نیک و بد در دیدشاں یکساں نمود

کافروں کے پاس دیکھنے والی آنکھ نہ تھی، اسی واسطے ان کی نظر میں نیک و بد برابر تھے۔

ہمسری با انبیاء برداشتند
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

اسی لیے کافروں نے انبیاءؑ سے ہمسری کے دعوے کیے اور اولیاءؑ کو اپنے جیسا بشر سمجھنے لگے۔

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر
ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خورد

اور کہنے لگے ہم بھی بشر ہیں، وہ بھی بشر ہیں، ہماری طرح وُہ بھی کھاتے پیتے اور سوتے ہیں۔

ایں نہ دانستند ایشاں از عمیٰ
ہست فرقے درمیاں بے انتہا

مگر اندھوں نے یہ نہ جانا کہ ہم میں اور اُن میں بے انتہا فرق ہے۔

ہر دو گوں زنبور خوردند از محل!
لیک شد زیں نیش وزاں دیگر عسل

دو مکھیاں ایک ہی چیز کھاتی ہیں، مگر ایک سے ڈنک اور دوسری سے شہد پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو گوں آہو گیا خوردند آب
زیں یکے سرگیں شد زاں مشکناب

دو ہرن ایک ہی گھاس کھاتے ہیں مگر ایک سے لید اور دوسرے سے مشک پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو نے خوردند از یک آبخور
آں یکے خالی و آں پُر از شکر!

گنا اور بانس ایک ہی جگہ سے پانی پیتے ہیں مگر ایک میٹھا ہوتا ہے اور دوسرا امٹھاس سے خالی ۔

این خورد گردد پلیدی زو جُدا
واں خورد گردد ہمہ نورِ خُدا

اسی طرح یہ باغیانِ سلطنتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (یعنی کافر) جو کچھ کھاتے ہیں وہ نجاست بن کر نکلتا ہے اور وہ (یعنی اولیاء وانبیاء) جو کچھ تناول فرماتے ہیں سب نورِ خدا بن جاتا ہے ۔

این خورد زاید ہمہ بخل وحسد
واں خورد زاید ہمہ نورِ احد

یہ کھاتے ہیں تو بغض وحسد پیدا ہوتا ہے ، وہ کھاتے ہیں تو نورِ خدا پیدا ہوتا ہے ۔

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست
آب تلخ وآب شیریں را صفا است

کڑوا پانی اور میٹھا پانی بظاہر دونوں ایک سے صاف اور شفاف ہیں دیکھنے میں کوئی فرق نہیں، مگر

جز کہ صاحب ذوق نشناشد بہ آب
او شناسد آب خوش از شورِ آب

جو صاحب ذوق ہے وہ ان دونوں پانیوں میں فرق جانتا ہے (یعنی صاحب ایمان ہی انبیاء وعوام میں فرق جانتا ہے ۔)

جز کہ صاحب ذوق نہ شناسد طعوم
شہد را نا خوردہ کے داند ز موم

شہد اور موم بظاہر ایک ہی شکل رکھتے ہیں مگر صاحب ذوق ہی ان میں فرق جانتا ہے ۔

ہمسری کے مدّعی بندر ہیں

حضرت مولانا روم علیہ الرحمۃ نے پھر ایک عجیب، پُر لطف اور حقیقت آمیز شعر فرمایا ہے کہ :-

کافراں اندر مری بوزینہ طبع
آفتے آمد درونِ سینہ طبع

یعنی انبیاءؑ سے ہمسری کرنے والے کافر تو بندر کی طرح ہیں، کہ

ہر چہ مردم می کنند بوزینہ ہم
آں کند کہ مرد بیند دم بہ دم

جو کچھ آدمی کرتا ہے، بندر بھی نقّال بن کر وہی کرنے لگتا ہے۔

آں گماں بردہ کہ من کردم چواد
فرق را کے داند آں استیزہ رُو

اور پھر گمان کرنے لگتا ہے کہ میں بھی انسان کی مثل ہوں اس لیے کہ جو کچھ وہ کرتا ہے میں بھی کرتا ہوں۔

سَو سَو رحمتیں ہوں مولانا رُومی پر، کیا ہی اچھا فیصلہ فرمایا کہ جس طرح بندر انسان کا نقّال بن کر اپنے آپ کو انسان کا ہمسر سمجھنے لگتا ہے اسی طرح کافر بھی اپنے کھانے پینے اور چلنے پھرنے کو قیاس کر کے اپنے آپ کو انبیاءؑ کی مثل سمجھنے لگتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ اس کے کھانے پینے اور انبیاءؑ کی مقدّس اداؤں میں بے انتہاء فرق ہے، سمجھ دار کے لیے یہ ایک ہی مثال کافی ہے۔

اِتّباعِ رسُول

صَلَّے اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمْ

کی محمّد سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

سرورِ عالم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے فضائل و کمالات کی ایک جھلک آپ دیکھ چکے ہیں، اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس آقا و مولا صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی غلامی میں ہی آج ہماری نجات کا راز مضمر ہے، اور ہم اگر عروج و اقبال و قدر و کمال کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ ہم اپنے آقا و مولا صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیں۔ غور فرمائیے وہ مسلمان جو کبھی ایک عالم پر چھا گیا تھا۔ آج ذلت و نکبت کی زندگی بسر کر رہا ہے، جس نے دُنیا کے غلاموں کو زنجیرِ غلامی سے رہائی دلائی تھی۔ آج خود مظلوم و مقہور ہے۔ آپ جانتے ہیں کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس نے اتباعِ رسُول کو چھوڑ کر غلامیٔ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم سے منھ موڑ کر الحاد پرور اور مادر پدر آزادی کی زندگی اختیار کر لی اور یہ نہ سمجھا کہ عروج و اختیار عزّت و وقار تو اتباعِ رسُول ہی سے حاصل ہو سکتا ہے ؎

محمّد کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

دیکھئے جنگِ بدر میں مسلمان صرف تین سو تیرہ کی تعداد میں تھے، اور بے سر و سامان بھی، لشکرِ کفّار تعداد میں ہزار کے قریب تھا اور سامانِ جنگ سے مسلح بھی، مگر مسلمان اقلیت اور بے سر و سامانی کے باوجود بھی مسلح اکثریت

پر غالب آگئے، کیوں؟ اس لیے کہ انھیں ؎

نہ تیغ و تیر پر تکیہ نہ خنجر پر نہ بھالے پر
بھروسہ تھا تو اک سادی سی کالی کملی والے پر

اور آج یہ حالت ہے کہ ہم کروڑوں کی تعداد میں ہیں، لیکن پھر بھی ذلیل و خوار ہیں، غلام اور موردِ آلام ہیں اور یہ اس لیے کہ ہم نے دامنِ مصطفےٰ ہاتھ سے چھوڑا، اور اتباعِ رسولؐ سے منھ موڑ لیا اور اغیار کے رنگ میں ایسے رنگے گئے کہ غلام رسولؐ سے مسٹر جی۔ آر اور محمد دین سے ایم ڈی اور طاہر بیگ سے چلتے پھر مسٹر ٹی۔ بی بن گئے۔

طاق دل میں چراغ انگریزی　　سر کے اندر دماغ انگریزی
چال انگریزی ڈھال انگریزی
جسم کا بال بال انگریزی
جسم ہندی میں جان انگریزی　　منھ کے اندر زبان انگریزی
چھل رہا ہے گلا تو چھل جائے
لہجہ صاحب سے اپنا مل جائے

ترقیِ معکوس

آج کل کی مادر پدر آزادی اور موجودہ تہذیب کو ترقی کا زینہ کہا جاتا ہے مگر یہ واقعہ ہے کہ مسلمان کے لیے ترقی کا زینہ صرف اتباعِ رسولؐ ہے۔ اس سے ہٹ کر بظاہر ہم ترقی میں ہوں تو ہوں، حقیقت میں اپنی منزل سے دُور ہو رہے ہیں، مثلاً ایک شخص کو لاہور سے کراچی جانا ہے اور وہ ٹکٹ خرید کر اسٹیشن لاہور کے پلیٹ فارم پر آئے اور اُسے پلیٹ فارم پر دو ٹرینیں کھڑی نظر آئیں۔ ایک تو پسنجر جسے کراچی جانا ہے۔ اور دوسری فرنٹیئر میل جسے پشاور کو جانا ہے۔ اب اس بیوقوف نے جو نظر دوڑائی تو فرنٹیئر میل اچھی معلوم ہوئی اور پسنجر ٹرین پسند نہ آئی۔ اس نے سوچا کہ پسنجر ٹرین تو ہر اسٹیشن پر رُکتی

چلی جاتی ہے اور اُس کے ڈبّے بھی کوئی خوشنما نہیں ہیں۔ انجن بھی پُرانی ٹائپ کا ہے۔ اور یہ فرنٹیئر میل کسی چھوٹے اسٹیشن پر رُکتی ہی نہیں، تیز رفتار ہے، ڈبّے خوشنما اور انجن بھی دیدہ زیب ہے، یہ سوچ کر نادان فرنٹیئر میل پر سوار ہوگیا۔ حالانکہ ٹکٹ کراچی کا تھا۔ اب فرنٹیئر میل جو چلی تو چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں کو چھوڑتے ہوئے خوب تیز دوڑنے لگی، تو اَلُو صفت خوش ہونے لگا کہ واہ واہ میں اپنا سفر بڑی سُرعت سے طے کر رہا ہوں، اور بڑی ترقی کر رہا ہوں۔

اب اس بودم بے دال کو کون سمجھائے کہ مسٹر یہ جسے تو ترقی سمجھ رہا ہے یہ تو ترقیٔ معکوس ہے، تو نے محض گاڑی کو دیکھا اور یہ نہ دیکھا کہ اس کا رُخ کدھر کو ہے۔ بے شک یہ گاڑی بڑی سُرعت سے جا رہی ہے، مگر یہ بھی تو دیکھو کہ جا کس طرف کو رہی ہے، تمھیں کراچی جانا ہے اور یہ پشاور کو دوڑ رہی ہے، تم اسے ترقی سمجھتے ہو مگر دراصل تم اتنے ہی اپنی منزلِ مقصود سے دُور ہو رہے ہو، اور اگر تم اسی پسنجر ٹرین پر بیٹھ جاتے جس کا رُخ کراچی کی طرف تھا تو وہ چاہے ہر ہر اسٹیشن پر ٹھہرتی ہوئی جاتی، مگر تمھیں کراچی تو پہنچا دیتی، اس کی ہر حرکت تمھارے لیے ترقی کا باعث ہوتی، مگر اس کی ہر حرکت تمھارے لیے ترقیٔ معکوس اور تنزل کا باعث بن رہی ہے۔ اسی طرح آج مسلمانوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر ٹکٹ خریدا ہے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ کا، مگر آج جب یہ موجودہ پلیٹ فارم پر آیا تو اُسے دو ٹرینیں نظر آئیں، ایک اسلامی ٹرین اور ایک نئی تہذیب کی ٹرین (یورپ میل) اسلامی ٹرین کو دیکھ کر اس نے سوچا کہ یہ تو پُرانے ٹائپ کی ٹرین ہے (وہی داڑھی و تسبیح و عصا و مسواک) اور پھر یہ ہر ہر اسٹیشن پر ٹھہرتی ہے، نماز کا اسٹیشن آیا تو وہاں ٹھہر گئی اور یہ دوسری ٹرین یورپ میل جو ہے، یہ کیا ہی خوشنما و دیدہ زیب ہے (کوٹ پتلون اور فارغ البال۔

یعنی منہ صاف) اور تیز رفتار بھی اور کسی چھوٹے اسٹیشن پر ٹھہرتی بھی نہیں۔ یہ سوچا اور یہ نہ دیکھا کہ اس کا رُخ کدھر کو ہے اور جھٹ اس (یورپ میل) پر سوار ہو گئے۔ اور جو یہ ٹرین چلی تو چشمِ بد دُور اسٹیشنوں کو چھوڑتے ہوئے دوڑنے لگی۔ نماز کا اسٹیشن آیا وہاں نہ ٹھہری، روزہ کا اسٹیشن آیا وہاں نہ رُکی، ایسے کئی اسٹیشنوں کو چھوڑتے ہوئے کہیں اگر ٹھہری تو شراب نگر جنکشن پر (شراب اُمّ الخبائث ہے اس سے کئی دوسری بدکاریوں کی طرف راہ نکلتی ہے) یا سینما پور یا پھر ڈانس آباد (جہاں سواریاں برہنہ بھی نظر آتی ہیں) اور یا پھر اسٹیشن "بے حیائی" اور "بے غیرت گڑھ" پر۔ بس پھر کیا تھا یہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا ٹکٹ لے کر اس یورپ میل پر بیٹھ جانے والے خوش ہو گئے کہ میں خوب ترقی کر رہا ہوں، حالانکہ یہ ترقی نہیں ترقیِ معکوس ہے کہ یہ ٹرین جتنی تیز دوڑے گی، یہ اتنے ہی اپنے منزلِ مقصود (مدینہ منورہ، مکہ معظمہ) سے دُور ہوتے چلے جائیں گے۔

اگر یہ صاحب اسی اسلامی ٹرین پر جس کا ٹکٹ ان کے پاس تھا بیٹھ جاتے تو وہ بہرحال انھیں منزلِ مقصود پر پہنچا دیتی، مگر ؎

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی!
کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

دوسرا باب

پند و نصائح

وُجُودِ باری تعالیٰ

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے :۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ط

"یعنی سورج کی مجال نہیں کہ چاند کو پکڑے ۔ نہ رات کی مجال ہے کہ دن پر پیش قدمی کرے ۔"

دیکھ لیجئے کہ کروڑوں اربوں سال گزر گئے ۔ مگر آج تک چاند اور سورج نہ کبھی آپس میں ٹکرائے ہیں اور نہ کبھی اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر ہوئے ہیں ۔ اور نہ ہی کبھی اُن میں کوئی نقص واقع ہوا ہے ۔ حالانکہ سائنس کی ترقی کے اس دور میں بھی آئے دن ٹریفک کے حادثات ہوتے رہتے ہیں اور انسانی مصنوعات میں نقائص نظر آتے ہی رہتے ہیں ۔ اسی طرح دن اور رات اپنے اپنے وقت پر مُدتوں سے باقاعدہ آ جا رہے ہیں قرآن پاک میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے :۔

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۔

"یعنی اجرام آسمان پر اپنے اپنے گھیرے میں پھرتے ہیں ۔"

ہزارہا ستارے ہیں جن کا کچھ حساب نہیں ۔ مگر تمام ایک دوسرے کی کشش پر اپنے اپنے چکروں میں پھر رہے ہیں ۔ کسی ایک میدان کا تصور کر لیجئے جس

میں سینکڑوں موٹریں، بسیں، ٹانگے اور گاڑیاں وغیرہ اِدھر اُدھر آجارہی ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہاں کئی ٹکریں ہوں گی۔ کئی حادثے ہوں گے۔ مگر ہزاروں لاکھوں ستارے آسمان پر اپنے اپنے گھیرے میں چکر کاٹ رہے ہیں۔ لیکن آج تک ان میں کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔

یہ سب باتیں دلیل اس حقیقت کی ہیں کہ سارے عالم کا ایک خالق و منتظم موجود ہے جو اپنی قدرت کاملہ سے سارے عالم کا انتظام فرماتا ہے، اگر وجود باری نہ ہوتا تو آج تک اس نظام کائنات میں فساد برپا ہوگیا ہوتا۔ اور یہ عالم تباہ و برباد ہوگیا ہوتا۔

پس ہر صاحبِ عقل کو اس بات پر ایمان رکھنا چاہیے کہ سارے عالم کا ایک خالق و مالک ہے اور بالیقین ہے اور وجودِ باری کا انکار نہ یہ کہ کفر و بے ایمانی ہی ہے، بلکہ بے عقلی بھی ہے۔ ؎

ہو نہ صانع تو کوئی چیز نہیں بن سکتی
صاحبِ عقل کو اقرار ہے مولا تیرا

وسیلۂ عظمیٰ

آپ کے پاس پانی ہو۔ چائے کی پتّی ہو اور آگ بھی موجود ہو۔ مگر آپ چائے نہیں تیار کر سکتے۔ جب تک کہ پانی اور آگ کے درمیان ایک وسیلہ بھی موجود نہ ہو۔ اور وہ "وسیلہ" دیگچی ہے۔ یہ دیگچی آگ اور پانی کے درمیان رہ کر آگ کی حرارت سے پہلے خود مستفید ہوگی، پھر آگ کی حرارت اپنے واسطہ سے پانی تک پہنچائے گی اور اگر کوئی نادان اس وسیلہ کو درمیان سے ہٹا کر پانی کو آگ سے گرم کرنا چاہے گا

تو دیکھ لیجئے پانی آگ کے اُوپر گر پڑے گا اور آگ بُجھ جائے گی۔ گویا آگ غائب ہو کر یہ اعلان کرنے لگے گی کہ نادان! اگر مجھ سے فیض پانا ہے تو وسیلہ لے کر آؤ۔

بلا تشبیہہ خداوند کریم کی معرفت کی آگ سے اپنے دلوں کو گرمانے اور اللہ تعالےٰ کے انعامات سے مستفید ہونے کے لیے ایک وسیلہ کی ضرورت ہے اور وُہ "وسیلہ عظمےٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ اللہ تعالےٰ سے ہمیں جو کچھ لینا ہے اسی وسیلہ پاک سے لینا ہے اور اگر اس وسیلہ پاک کو درمیان سے ہٹا دیا جائے گا اور اس کا یہی ارشاد ہو گا کہ :۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ۔ (پ۵ النّسآء)	یعنی (اے محبوب) "یہ ظالم جب تک تیرے پاس حاضر نہ ہوں گے انھیں رحمت و مغفرت حاصل نہ ہو گی"۔

پس ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنا تعلق قائم رکھے۔ اور حضور کا محتاج بنا رہے اور اس بات پر یقین رکھے کہ خدا تعالےٰ سے جو کچھ ملتا ہے۔ اسی بارگاہ سے ملتا ہے۔ ؎

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو جہاں نہیں تو وہاں نہیں

ارشادِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلّم

قرآن فرماتا ہے :۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ. الخ (پ۵ ع ۶)

اے محبوب! تمھارے رَبّ کی قسم! وہ مسلمان نہ ہوں گے۔ جب تک آپس کے جھگڑے میں تمھیں حاکم نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ۔ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں۔ اور جی سے مان لیں۔"

دیکھئے خود خدا تعالیٰ قسم فرما کر فرما رہا ہے کہ قیامت تک کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ہمارے رسُول اور حاکم ہیں اور ہم کو حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے ہر ارشاد کا ماننا اور جی سے ماننا فرض ہے اور ارشاد رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے عقلی ڈھکوسلوں کی رکاوٹ پیدا کرنے کی ہمیں ہرگز اجازت نہیں۔

پس ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ بار شاد قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر جو احادیث کے نام سے کتب احادیث میں موجود ہیں۔ دل و جان سے یقین رکھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی کسی حدیث پاک کا انکار نہ کرے۔ اس لیے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے ہر ارشاد پر سر تسلیم خم کر دینے کا حکم قرآن دے رہا ہے۔ گویا قرآن پر ایمان رکھنے والا حدیث پر بھی ضرور ایمان رکھے گا۔

قولِ حق قرآں ہے قولِ پیمبر ہے حدیث
اہلِ دل کے واسطے تقریر ہے دونوں کی ایک

گالی

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :-

لَا تَسُبُّوا الدِّیکَ فَاِنَّہٗ یُوقِظُ لِلصَّلٰوۃِ ۔

مُرغ کو گالی نہ دو۔ اس لیے کہ وہ نماز کے لیے (اپنی اذان سے) جگاتا ہے۔ (ترغیب و ترہیب ص۵۰۵)

دیکھئے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک جانور کو بھی بُرا کہنے سے روکا ہے، پھر کسی انسان کو مسلمان کو اور بزرگوں کو بُرا بھلا کہنا اور گالی دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے مُرغ کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ وہ اپنی اذان سے نماز کے لیے جگاتا ہے۔ پھر اگر کوئی انسان کسی مسجد میں اذان دیتا ہو تو اس مؤذن کو حقیر جاننا یا کسی عالم و مولوی و امام کو مُلّا کہہ کر اس کی تحقیر کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

پس ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ کبھی کسی جانور کو بھی گالی نہ دے اور اپنی زبان پاک رکھے۔ اور کبھی خادم مسجد، مُوذن یا امام یا عالم کو حقیر نہ جانے اور پھبتیاں نہ کسے۔

لطیفہ ایک ملحد نے یہ حدیث پاک سُنی تو کہنے لگا کہ میں مُرغ کو اسی لیے تو گالی دیتا ہوں کہ وُہ نماز کے لیے جگاتا ہے اور میری نیند خراب کرتا ہے۔

لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

اِجتَنِبُوا قَولَ الزُّورِ

یہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جھوٹی بات سے مجتنب رہو اور کبھی جھوٹ نہ بولو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے جھوٹ بولنا منافق کی علامت بیان فرمائی ہے۔ اپنے بزرگوں کی تاریخ پڑھیئے تو حیرت ہوتی ہے۔

ایک دہقانی ہشام کے دربار میں آتا ہے اور لوقت خطاب خلیفہ کا لفظ اُس کے نام کے ساتھ نہیں ملاتا۔ ہشام ناراض ہو کر وجہ دریافت کرتا ہے تو دہقانی بلا خوف وخطر صاف صاف لفظوں میں یہ کہتا ہے کہ "ابھی لوگ تیری خلافت پر متفق نہیں ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ عند اللہ تجھے خلیفہ کہنے میں جھوٹا نہ ٹھہروں۔ اگر تجھے شوق ہے تو جا اپنے مخالفین کو راضی کر۔"

ایک بادشاہ ایک فقیر کی حق گوئی سے ناراض ہو کر اس کو مقید کر دیتا ہے۔ اِس کے احباب اس کو سمجھاتے ہیں۔ اور اس کی خلاف مصلحت آزاری پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں۔ لیکن فقیر جواب یہ دیتا ہے کہ ؎

رسانیدن امرِ حق طاعت است!
ز زنداں نہ ترسم کہ یک ساعت است

یعنی امرِ حق کی تبلیغ عبادتِ الٰہی ہے مجھے قید خانہ کی جو محض گھڑی بھر کی تکلیف ہے کچھ پرواہ نہیں۔"

بادشاہ نے یہ سُن کر اسے دائم الحبس ہونے کا حکم دے دیا۔ اس پر وہ فقیر یوں گویا ہُوا کہ ؎

کہ دنیا ہمہ ساعتے بیش نیست　　غم و خرّمی پیش درویش نیست!

دنیا کا قیام ایک ساعت کے قیام سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور رنج و خوشی فقیر کے لیے دونوں برابر ہیں۔"

بادشاہ غیظ و غضب میں آکر پھر حکم دیتا ہے کہ اس کی زبان کھینچ لی جاتے۔ اس حکم سے بھی اس مردِ حق گو کے استقلال میں لغزش نہ آئی اور بول اٹھا کہ ؎

من از بے زبانی نہ دارم غمے
کہ دانم کہ ناگفتہ داند ہمے

مجھ کو اپنی بے زبانی کی کوئی پرواہ نہیں۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ کو سنانے کے لیے زبان کی ضرورت نہیں۔

یہ تھے ہمارے اسلاف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

پس آج بھی ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ کبھی جھوٹ نہ بولے اور ہمیشہ حق گوئی کو اپنا شعار بنائے رکھے اور اپنے بزرگوں کی حق پسندی کو سامنے رکھے ؎

جھوٹی باتوں سے رہو تم برکنار
حق پسندی ہی کو کرنا اختیار
وہ جو اہل حق ہیں اور ہیں ہوشمند
جھوٹ کو کرتے نہیں ہرگز پسند

اطاعتِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم

خدا تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ مسلمانوں کی بات تو یہی ہے ۔

اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (پ ۱۸ ع ۱۳)

جب اللہ اور اس کے رسُول کی طرف بلائے جائیں کہ رسُول ان میں فیصلہ فرمائے تو عرض کریں۔ ہم نے سُنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔"

اس آیت شریفہ میں مسلمانوں کی یہ علامت بیان فرمائی گئی ہے کہ مسلمانوں کو جب اللہ اور اُس کے رسُول کی طرف بلایا جائے اور یہ بتایا جائے کہ تمھارا فیصلہ رسُولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔ تو وہ دل و جان سے پُکار اُٹھتے ہیں کہ ہم رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تسلیم کرتے ہیں اور حکمِ رسُول کو ہم نے سُنا اور اطاعتِ رسُول ہم نے منظور کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے مومن ہیں اور فلاح و کامیابی سے ہمکنار ہونے والے ہیں۔

دوسری جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ۔

(پ ۳ ۔ ع ۱۲)

تم فرما دو! کہ اللہ اور اُس کے رسُول کی اطاعت کرو۔ اور اگر اُنھوں نے اس سے منہ موڑ لیا۔ تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

اِس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنی اور اپنے رسُول کی اطاعت سے منہ پھیرنے والوں پر کُفر کا فتوےٰ لگا دیا ہے اور صاف صاف فرمایا ہے کہ اطاعتِ رسُول جو اصل میں اللہ ہی کی اطاعت ہے اس سے منہ پھیر لینا کفر ہے اور ایسے لوگوں کا اللہ تعالےٰ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے کہ اطاعتِ رسُول کے بغیر اطاعتِ حق ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ ہی یہ فرما رہا ہے کہ :-

"اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ"

تو جو شخص حق کی اطاعت کرے گا۔ اُسے لازماً اطاعتِ رسُول کرنا

پڑے گی۔ اور جو اطاعتِ رسُول سے انحراف کرے گا۔ اُس نے گویا۔ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ سے انحراف کر کے اطاعتِ حق ہی سے انحراف کرلیا۔ اور کُفر کا فتوٰے مُول لے لیا۔

پس اے مسلمانو! قرآن وحدیث دونوں ہی پر سچّے دل سے ایمان لاؤ۔ اور اطاعتِ رسُول صلے اللہ علیہ وسلم سے کبھی منہ نہ موڑو۔ اس لیے کہ اطاعتِ رسُول ہی جانِ ایمان اور رُوحِ اسلام ہے اور اس سے منہ پھیر لینے سے خدا تعالےٰ کفر کا فتوٰی لگا دیتا ہے۔

اہلِ سُنّت وجماعت

خُدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔
وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔ (پ۵ ع۱۴)

اور جو رسُول کا خلاف کرے۔ بعد اس کے کہ حق کا راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جُدا راہ چلے۔ ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑیں گے اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بُری جگہ ہے پلٹنے کی ۔“

اِس آیت میں اللہ تعالےٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک سُنّت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا اور دوسرے تمام مسلمانوں کی جماعت کا۔ اور فرمایا ہے کہ جو شخص رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت اور مسلمانوں کی جماعت سے جُدا ہو جائے گا۔ وہ جہنّم میں جائے گا۔ گویا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ ”سنت“ اور ”جماعت“ کی پابندی کرے۔

پس اے میرے بھائیو! اہلِ سنّت و جماعت بن کر رہو اور سُنّت و جماعت سے الگ کوئی دوسرا راستہ اختیار نہ کرو۔

لطیفہ بعض جہلاء "اہلِ سنّت و جماعت" کی جگہ "سنّت اہلِ جماعت" کہتے ہیں۔ یہ جملہ غلط ہے۔ صحیح "اہلِ سُنّت و جماعت ہے۔ اسی طرح بعض پڑھے لکھے بھی لکھنے اور بولنے میں جملہ "اہلِ سنّت والجماعت" اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ جملہ بھی غلط ہے۔ صحیح "اہلِ سُنّت و جماعت" ہے۔ یا "اہلُ السنّت والجماعت"۔

فضول خرچی اور کفایت شعاری

خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ (پ ۸ ع ۱۰)

"کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو دوست نہیں رکھتا"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں فضول خرچی سے روکا ہے اور فرمایا ہے کہ جائز طور پر خوب کھاؤ پیو اور اپنی ضروریات کے مطابق خرچ کرو۔ مگر خبردار! فضول خرچی اختیار نہ کرنا۔ اس لیے کہ جو فضول خرچ ہے۔ وہ خدا کا دوست ہرگز نہیں۔ دوسری جگہ فرمایا:۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ۔

یعنی "فضول خرچ کرنے والے (خدا کے دوست کیا ہوں گے وہ تو) شیطان کے بھائی ہیں"

یعنی جس طرح شیطان نے ناعاقبت اندیشی سے کام لے کر اپنی من مانی

حرکت کی اور عمر بھر کے لیے ذلیل ہو گیا۔ اسی طرح فضول خرچ کرنے والا بھی ناعاقبت اندیشی سے کام لے کر عمر بھر کے لیے ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ انسان اور حیوان میں جو مابہ الامتیاز فرق ہے۔ وہ عقل اور دُور اندیشی ہے۔ حیوان کو کل کی فکر نہیں ہوتی۔ اور انسان کو کل ہی کی فکر نہیں۔ بلکہ اس دنیوی زندگی کے بعد کی بھی فکر ہوتی ہے اور اس کے تمام افعال عقل و مآل اندیشی کے ماتحت ہوتے ہیں۔ پس جو واقعی عاقل انسان ہے۔ وہ فارغ البالی کے ایّام میں آئندہ کا بھی خیال رکھتا ہے۔ اور جو کفایت شعاری سے کام نہ لے کر جو کچھ کماتا ہے۔ سب خرچ کر دیتا ہے۔ وہ انسان نہیں بلکہ حیوان ہے۔

پس اے میرے بھائیو! عقل و تدبر سے کام لو۔ اور فضول خرچی کو چھوڑ کر کفایت شعاری کو اپناؤ اور اپنا مستقبل بھی پیشِ نظر رکھو اور ایسے اعمال و افعال اختیار کرو جن سے مستقبل بھی محفوظ رہے اور عاقبت بھی خراب نہ ہو۔

لطیفہ ایک شاعر نے لکھا ہے کہ ؎

ہم توبہ جب کریں گے شراب و کباب سے
قرآن میں جو آیا کُلُوْا وَاشْرَبُوْا نہ ہو

ایک متدین شاعر نے اس کا جواب دیا کہ ؎

تسلیم قول آپ کا ہم جب کریں جناب
جب آگے وَاشْرَبُوْا کے وَلَا تُسْرِفُوْا نہ ہو!

عقل

عقل ایک بڑی مفید اور کار آمد شے ہے اور اللہ تعالیٰ کا ایک گراں قدر

انعام ہے۔ مگر جس طرح اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اعضاء کے تصرّفات کی ایک خاص حد ہے اور وہ اعضاء ان حدود کی پرے کی چیزوں پر متصرف نہیں ہیں۔ اس طرح عقل بھی اپنی ایک حد رکھتی ہے اور اس کی دسترس بھی اپنی حد کے اندر ہی اندر ہے۔ آپ اس عقل سے کائنات ارضی کو اپنا مفتوح و مسخر بنا لیجئے۔ نیکی و بدی کے راستوں کو معلوم کیجئے۔ دفع مضرت و جلب منفعت کے لیے سامان بنا لیجئے۔ مگر یہ عقل اتنی بڑی نہیں ہے کہ آپ آخرت کے امور اور نبوت و صفات الٰہیہ کے حقائق کا بھی اسی سے وزن کرنے لگیں۔ اگر کوئی شخص ایسا کرنے لگے تو اس کی مثال بالکل اس شخص کی طرح ہوگی جو سونے چاندی کے تولنے والے کانٹے میں پہاڑوں کو تولنے کی کوشش کرے۔ ترازو وزن بتلانے کے لحاظ سے تو درست ہے۔ مگر ہر میزان کے لیے بھی ایک حد ہے جس کے آگے وہ کام نہیں کر سکتی۔ اسی طرح میزان عقل بھی ایک خاص حد پر ٹھہر جاتی ہے اور بیکار ہو جاتی ہے اور اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس سے آگے بڑھ کر خدا کی ذات و صفات تک کا احاطہ کرے۔

خوب یاد رکھیے کہ جہاں عقل نہیں پہنچ سکتی وہاں ایمان پہنچ جاتا ہے اور معجزات و حقائق اخروی تک رسائی اسی ایمان کی بدولت میسّر آ سکتی ہے۔

پس اے میرے بھائیو! عقل سے کام لو اور اُخروی حقائق پر ایمان لاؤ۔ ان حقائق پر ایمان لانا ہی عقل مندی ہے اور ان حقائق تک عقل کی رسائی نہ دیکھ کر ان حقائق سے ہی انکار کر دینا بجائے خود بے عقلی ہے ؎

یاد رکھ تو پیر رُومی کا کہا!
عقل قرباں کُن بہ پیش مصطفیٰؐ!

رقص و سُرود

خدا تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے :۔

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ۔ (پ۱۱ ع ۲) یعنی شیطان ان کے بداعمال کو مزین و خوبصورت بنا کر ان کے آگے پیش کرتا ہے۔

اس ارشاد کے پیشِ نظر شیطان آجکل کتنی گناہوں پر تہذیب اور ثقافت کا لیبل لگا کر لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہے اور لوگ اُسے اچھا سمجھ رہے ہیں اور ان سے روکنے والوں کو بُرا۔ یہی حال آج کل "رقص و سرود" کا ہے جو شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں حرام ہے۔ مگر شیطان اُسے "ثقافت و آرٹ" کی تزئین و آرائش سے مزّین کر کے رائج کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ مسلمان مردِ غازی اور مجاہد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان مرد کے لیے سونا اور ریشم بھی حرام کر دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ سونا و ریشم تو وہ استعمال کرے جسے بن ٹھن کر بیٹھنا ہو اور مسلمان مرد تو مردِ میدان ہے۔ غازی ہے اسے بن ٹھن کر رہنے سے کیا سروکار؟ اسی طرح ایک سپاہی کو گانے بجانے اور ناچنے سے کیا سروکار؟ لیکن شیطان۔ مردود نے اس "مردِ مجاہد" کو فیشن کا پتلا بنا کر اسے ناچ نچانا شروع کر دیا اور اس نے "تیر و سنان" کی جگہ چنگ و رباب کو تھام لیا، اور نعرۂ تکبیر کی جگہ گانوں کو اپنا لیا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اٹلی کے دورِ جنگ کے دنوں جب فرانس کو شکست ہوئی تو اس زمانے کے فرانس کے وزیرِ اعظم نے یہ بیان دیا تھا کہ ہماری قوم کو تین "ڈ" لے ڈوبے ہیں۔

"ڈنر" "ڈرنک" اور "ڈانس"۔

اور لیفٹیننٹ کلارک کا یہ بیان بھی نظروں سے گزرا تھا کہ فرانس میں ہم نے دیکھا کہ لوگ اس وقت بھی شرابیں پی رہے تھے اور رقص و سرود میں مشغول تھے جب کہ غنیم زیادہ دُور نہ تھا۔ انھیں خطرہ کا احساس تک نہ تھا۔ پھر جرمن طیارے ایک طرف فرانس پر بمباری کر رہے تھے اور دوسری طرف اشتہار بھی پھینک رہے تھے جن میں عورتوں سے ان الفاظ میں وعدہ کر رہے تھے کہ "فکر نہ کرو۔ ہم عنقریب تمھارے ساتھ ناچ کریں گے۔"

پس ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ شیطان کے ہر فریب سے بچے۔ اور بد اعمال کو شیطان چاہے کتنے ہی خوبصورت انداز میں پیش کرے مسلمان ان بد اعمال کو کبھی نہ اپنائے اور رقص و سرود گانے بجانے اور دیگر لہو و لعب سے ہر وقت دُور رہے۔

عیش و عشرت

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو عیش و عشرت کی زندگی میں منہمک دیکھ کر فرمایا :۔

أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هٰهُنَا آمِنِينَ ۝ فِي جَنَّاتٍ وَّعُيُونٍ ۝ وَّزُرُوعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ۝ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فٰرِهِينَ ۝ (پ ۱۹ ع ۱۲)

کیا تم یہاں کی نعمتوں میں چین سے چھوڑ دیئے جاؤ گے۔ باغوں اور چشموں اور کھیتوں اور کھجوروں میں جن کا شگوفہ نرم و نازک اور پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو اُستادی سے۔"

صالح علیہ السّلام کی قوم دنیوی عیش وعشرت، باغات، عمارات اور دیگر تکلّفات میں کچھ ایسی محو ہوگئی تھی کہ اللہ کی طرف اُن کا دھیان تک نہ تھا۔ حضرت صالح علیہ السّلام نے اپنی قوم کو جھنجھوڑا اور فرمایا:۔

"غافلو! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمھارے یہ سامانِ عیش وعشرت، یہ باغات اور تمھارے پُر تکلّف مکانات ہمیشہ یونہی رہیں گے اور تم ہمیشہ چین و سکون سے ان میں اسی طرح رہوگے۔ غافلو! خوابِ غفلت سے جاگو! اور اللہ کی یاد اختیار کرو۔"

قوم نے حضرت صالح علیہ السّلام کی اس نصیحت کو قبول نہ کیا اور بالآخر خدا کا عذاب آیا اور ان کا قلع قمع ہو گیا۔

پس اے میرے مسلمان بھائیو! پہلے واقعات سے سبق حاصل کرو اور اپنی عیش وعشرت اور تکلّفات کی ایسی زندگی کو جس میں اپنے پیدا کرنے والے کی یاد کے لیے کوئی جگہ نہ ہو۔ فوراً چھوڑ دو۔ اور اپنے پیدا کرنے والے کی یاد کو اپنا کے اس کے حکم و مرضی کے مطابق بود و باش اختیار کرو۔ اور غفلت سے فوراً کنارہ کرو۔ تاکہ اپنے اللہ کے غضب وجلال سے ہم محفوظ رہیں۔

جھُوٹ

خدا تعالےٰ نے جھُوٹے آدمی پر لعنت فرمائی ہے اور جھُوٹا آدمی بڑا ہی بُرا ہوتا ہے۔ ہم جھُوٹ کو گناہ سمجھتے ہیں۔ اس کی بُرائیاں پڑھتے سنتے بھی ہیں۔ لیکن حال یہ ہے کہ اسے چھوڑتے نہیں۔ اور آج یہ جھُوٹ ہم میں کچھ ایسا رائج ہو گیا ہے۔ کہ بچپن ہی سے اس کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ دیکھیے

بچّوں کے مچلنے پر جھُوٹ سے کام لیا جاتا ہے۔

دیکھو دیکھو!! بیٹا بلّی آتی ہے کہیں کاٹ نہ کھائے وہ دیکھو کُتّا آ گیا۔ وہ دیکھو تمھاری خالہ آ گئی۔ وغیرہ وغیرہ۔

اور اصل میں یہ سب جھُوٹ ہی ہوتا ہے۔ بچّہ جب بڑا ہوتا ہے تو کسی روز اگر وہ سکول نہ جانا چاہے تو اماں جان کا ارشاد ہوتا ہے:۔

"اچھّا مت جاؤ۔ ابّا سے کہہ دینا آج سر میں درد ہے"

ابّا جی گھر آئیں اور بیٹے کو دیکھیں کہ سکول نہیں گیا اور غصّہ میں آجائیں تو امّاں جان جھٹ بول اُٹھیں گی۔

"سر میں درد ہے۔ رات کو بھی بخار ہو گیا تھا۔ میں نے ہی منع کر دیا تھا کہ آج سکول نہ جانا۔"

اِس جھوٹی مہر مادری کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچّوں کی اخلاقی حالت خراب ہو جاتی ہے اور جھُوٹ میں اُستاد اور مشّاق ہو کر نکلتا ہے۔

پس اے میرے بھائیو! جھُوٹ سے ہمیشہ کنارہ کش رہو اور کبھی جھُوٹ نہ بولو۔ اور جھُوٹ بول کر اپنی دنیا کے ساتھ ساتھ اپنی عاقبت بھی خراب نہ کرو۔

شراب

اسلام نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اور یہ چیز دین و دنیا کو برباد کر دیتی ہے۔ شراب کے استعمال سے جو ظاہر تحریک اور چستی نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ جسم کی طاقتوں کا بڑھ جانا نہیں۔ بلکہ اس کی وجہ جسم کی ضبط کی طاقتوں کا کمزور ہو جانا ہے۔ یعنی دماغ کی اعلیٰ قوتیں ارادی اور ذاتی کنٹرول کی چونکہ کمزور

ہو جاتی ہیں اس لیے ان کے قبضہ سے حرکت کرنے والے اعضا نکل جاتے ہیں، شراب کے استعمال سے سب سے زیادہ دھوکہ دینے والی یہی بظاہر جسم کو قوت دیتا ہے مگر اصل میں اس کی وجہ اس کے برعکس ہے اور اعلیٰ قوتیں کمزور ہو کر ادنیٰ بہیمانہ طاقتیں اُبھر آتی ہیں۔ پس شراب کا پہلا نقصان یہ ہے کہ اس سے قوتِ فیصلہ مکدر ہو جاتی ہے اور نازک و اعلیٰ احساسات کند ہو جاتے ہیں۔ گویا شراب ضبط کی بریک توڑ دیتی ہے۔ زبان کو ڈھیل دے دیتی ہے۔ اور حیوانی جذبات کو کھلا چھوڑ دیتی ہے۔ شرابی کی گفتگو اور تیز حرکات کا یہ معنے نہیں ہوتا کہ اس میں کوئی زائد قوت پیدا ہو گئی ہے بلکہ اس کی وجہ ضبط کی قوت کا زائل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی انجن بلند جگہ پر کھڑا ہو اور ٹوٹ جائے جس کی وجہ سے وہ تیزی کے ساتھ نشیب کی طرف چل پڑے۔ اب انجن کی اس حرکت کی یہ وجہ نہیں ہے کہ اس کے اندر اسٹیم زیادہ بن گئی ہے۔ بلکہ اس کی وجہ اس کو قابو میں رکھنے والی بریک کا ٹوٹ جانا ہے اور ظاہر ہے کہ اس طرح بے تحاشہ بے قابو انجن کسی مفید کام نہیں آسکتا بلکہ خطرہ ہی ہوتا ہے کہ یہ کسی گڑھے میں گر کر پاش پاش نہ ہو جائے۔

پس اے مسلمانو! اس بُری اور مہلک چیز سے ہمیشہ پرہیز رکھو اور کبھی اس اُمّ الخبائث کے نزدیک تک نہ جاؤ۔

اِعتدال و میانہ رَوی

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً — اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ

اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ رکھ۔ اور نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا۔ تھکا ہوا۔

(پ ۱۵ - ع ۱۳)

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اعتدال و میانہ روی کا درس دیا گیا ہے۔ یعنی خیرات کرتے وقت نہ تو آدمی اتنا بخیل ہو کہ مٹھی کھلے ہی نہیں اور نہ ہی اتنی داد و دہش کرے کہ خود ہی خالی ہاتھ ہو جائے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:-

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ "یعنی نیک لوگ ہماری دی ہوئی روزی میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں"۔

(پ ۱ ع ۲)

یہ "میں سے" بتا رہا ہے کہ رزق کا کچھ حصہ خدا کی راہ میں دے نہ کر سارا مال۔

اسلام کی ہر تعلیم فطری اور مفید ہے۔ خیرات بڑی اچھی چیز ہے۔ مگر یہ نہیں کہ سارا مال ہی دے دو۔ اگر ایسا کیا جائے تو پھر اپنے بچوں کو کیا کھلاؤ گے۔ خود زندگی کس طرح بسر کرو گے۔ اسلام تمھارے نفس کا حق بھی تسلیم کرتا ہے۔ بیوی اور بال بچوں کا حق بھی قرار دیتا ہے۔ رشتہ دار اور عزیزوں کا حق بھی بیان فرماتا ہے۔ اس کے بعد پھر خدا کی راہ میں بھی تمام مال کا کچھ حصہ طلب فرماتا ہے۔ اور تھوڑے سے مال پر اجرِ عظیم اور بے شمار ثواب کا وعدہ فرماتا ہے۔

غور فرمائیے کہ یہ تعلیم کس قدر بہتر، فطرت کے مطابق اور قابلِ عمل ہے۔ مگر برعکس اس کے موجودہ انجیل کا درس یہ ہے کہ:-

"اپنا سب کچھ بیچ کر غریبوں کو بانٹ دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا۔ (لوقا $\frac{18}{18 \text{ تا } 22}$) اپنا مال اسباب بیچ کر خیرات دو اور اپنے لیے ایسے بٹوے

بناؤ جو پرانے نہیں ہوتے۔یعنی آسمان پر ایسا خزانہ جو خالی
نہیں ہوتا۔ (لوقا ۱۲/۳۳)

کیوں صاحب! انجیل کی اس تعلیم پر کوئی عمل کر سکتا ہے؟ اور کیا کوئی ایسا عیسائی ہے کہ اُس نے ایسا کر کے دکھایا ہو؟ ہرگز نہیں! یہ تعلیم اگرچہ بظاہر کتنی ہی دلفریب کیوں نہ ہو۔مگر قابلِ عمل ہرگز نہیں۔کوئی بھی تو ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔کہ اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا مال و متاع بیچ کر سب راہِ خدا میں لُٹا دے۔اور پھر خود راہ میں بیٹھ کر راہِ خدا میں مانگنے لگے۔

صحیح تعلیم اور لائق درس عمل وہی ہے جو قرآنِ پاک میں ہے یعنی اپنے لیے بھی رکھیے اور خدا کی راہ میں بھی دیجئے۔

یہ تو ہے خیرات کے معاملہ میں تعلیم قرآن۔پھر اسی سے سمجھ لیجیے کہ جب خدا تعالیٰ اپنی راہ میں ہمیں نہ بخیل دیکھنا چاہتا ہے اور نہ شاہ خرچ۔تو پھر ہم اپنی ذات کے لیے بھی اگر بخل سے کام لیں یا حد سے زیادہ خرچ کرنے لگیں تو اُسے یہ بات کب بھائے گی؟ پس مسلمان وہی ہے جو جائز طور پر دولت کمائے اور پھر اُسے اپنی ذات اپنے بیوی بچوں پر اور اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرے۔مگر اعتدال و میانہ روی کے ساتھ۔اس لیے کہ ایک دانا کا قول ہے کہ دولت فضول خرچ کے پاس اس لیے نہیں آتی کہ وہ اس کی قدر نہیں کرتا۔اور بخیل کے پاس اس لیے نہیں آتی کہ وہ اسے ہوا نہیں لگنے دیتا۔پس وہ ان دونوں کو چھوڑ کر کفایت شعار کے پاس رہتی ہے۔ جہاں ہر طرح سے اس کی عزت ہوتی ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ بخیل نہ بنے اور نہ مسرف بلکہ ہر حال میں اعتدال و میانہ روی کا پابند رہے۔

مرد اور عورت

مرد مرد ہے۔ اور عورت عورت۔ اسلام مرد کو مرد اور عورت کو عورت ہی دیکھنا چاہتا ہے۔ مرد اپنے مقام پر موزوں۔ اور عورت اپنے مقام پر موزوں ہے۔ کوٹ کا اپنا مقام ہے اور پتلون کا اپنا مقام۔ یہ دونوں اپنے اپنے مقام پر ہی موزوں نظر آتے ہیں۔ پتلون اگر کوٹ کے دوش بدوش رہنے کی کوشش کرنے لگے تو اس کا نتیجہ بجز عریانی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ مگر آج کل کی تہذیب و ترقی کے منبع یورپ نے اس عورت کو کیا سے کیا بنا دیا۔ ایک پروفیسر کے خیالات ملاحظہ فرمائیے۔ جو اس نے بڑے افسوس کے ساتھ ظاہر کیے ہیں۔ یہ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

"موجودہ زمانے میں عورت نے مرد کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا ہے اور تقریباً مرد کی رفیقِ حیات ہونے سے بھی انکار کر دیا ہے۔ عورت گھر کی ملکہ تھی۔ لیکن اب یہ ایک چلتی پھرتی گڑیا بن گئی ہے۔ گھر کا امن برباد ہو گیا ہے۔ اور گھریلو زندگی ابتر حالت میں نظر آ رہی ہے۔ مغرب زدہ عورت نے گھریلو زندگی کے خرمن میں آگ لگا دی ہے۔ اب نہ اس میں وہ محبت رہی ہے اور نہ کشش و ہمدردی۔ جو اس کے زیور تھے۔ جہاں پچھلی عورت جرأت و جسارت کی حامل تھی اور کنبہ کے آدمیوں کی ہمدم و مونس تھی وہاں اب وہ کتوں اور بلیوں کی پرواہ ہے۔ اُسے نہ خاوند کی پرواہ ہے اور نہ بچوں کے ساتھ دلچسپی۔ ہاں فرینڈز اور کلب کی دلدادہ بن گئی ہے۔"

یہ اقتباس ایک پرانے ہندوستانی اخبار سے نقل کیا گیا ہے۔ ان پروفیسر صاحب کا نام "ڈی۔ ڈی۔ شرما" ہے۔ اس اقتباس کو پڑھیئے اور سوچیئے کہ عورت کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور اس روش سے امن و سکون کس طرح برباد ہو رہے ہیں۔

پس ہم مسلمانوں کو اس نئی تہذیب کی روشنی سے بچنا چاہیئے اور مرد کو مرد اور عورت کو عورت ہی رہنا چاہیے اور یہی سلامتی کی راہ ہے۔

زلزلہ

مغربی ایران کے حالیہ زلزلے نے ستّر ہزار افراد سے بھی زیادہ انسانوں کو ابدی نیند سُلا دیا ہے۔ ہزاروں بچوّں کو یتیم اور ہزاروں عورتوں کو بیوہ و بے سہارا بنا دیا ہے۔ اس ہولناک زلزلے نے کوئٹہ و بہار کے زلزلوں کو بھی بُھلا دیا ہے۔ یہ زلزلہ کیا ہے۔ خدائے برتر و توانا کی بے پناہ قوتوں کا ایک چھوٹا سا مظاہرہ ہے۔ وہ خدا جس نے مغربی ایران کو آن کی آن میں تباہ کر دیا۔ چاہے تو سارے جہان کو اِسی طرح جھنجھوڑ کر رکھ دے۔

کسی مدرسہ میں کوئی بچہّ سبق یاد نہ کرے تو اُستاد اُسے تھپّڑ مارتا ہے دوسرے بچےّ جب یہ دیکھتے ہیں تو حفظِ ماتقدم کے لیے اپنا اپنا سبق زور زور سے یاد کرنے لگتے ہیں تاکہ اُستاد کے اس تھپڑ سے وہ محفوظ رہیں۔

مغربی ایران میں اِس خدائی قہر کو دیکھ کر ہم سب کو صرف یہی نہیں کہ رنج و افسوس کا اظہار کرنا چاہیے۔ بلکہ ہمیں اپنے ان فرائض کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔ جو خدا تعالیٰ نے ہمارے ذمہ عائد کیے ہیں اور جن کی ادائیگی میں کوتاہی و غفلت کے باعث ہم خدا کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔ کم از کم مدرسہ کے بچوّں کی سی سوجھ بوجھ ہی سے کام لے کر ہمیں رجوع الی الحق اور اتباعِ شریعت اختیار کر لینا چاہیئے اور شریعت کے اسباق کو یاد کر کے خدا تعالیٰ کی گرفت سے محفوظ رہنے کا انتظام کرنا چاہیئے۔

پس اے مسلمانو! ہوش سے کام لو اور ایسے کاموں سے اجتناب کرو

جن سے خدا ناراض ہوتا ہے اور اُس کی ناراضگی ان حوادث کا موجب بنتی ہے۔

صفائی

خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ ۔ (پ ۲ - ع ۶)

"بے شک اللہ پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو"

"متطہر" کا لفظ ہر قسم کی ظاہری و باطنی صفائی پر حاوی ہے اس لیے متطہر لوگ جو خدا تعالیٰ کی محبت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ وہی لوگ مراد ہیں جو اپنے ظاہر و باطن کو ہر قسم کی غلاظت اور عیب سے پاک رکھیں اور اس ارشاد سے صاف یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے جسم، کپڑوں، مکانوں، برتنوں، کتابوں، صندوقوں اور الماریوں وغیرہ سب کو صاف رکھو اور پانی اور ہوا کو بھی ہر قسم کے گندے اجزاء سے صاف و ستھرا رکھو۔ اور مناسب ورزش و شغل اختیار کرو تاکہ تمام ردّی اور فاضل فضلات بدن سے خارج ہوتے رہیں۔ دیکھ لیجئے۔ قدرت نے خود ہر قسم کے گند کو دور کرنے کے لیے قدرتی سامان کیا ہے۔ پیشاب، پاخانہ اور پسینہ یہ سب ایسی چیزیں ہیں۔ جو گندی ہیں۔ اور مختلف قسم کی زہریں اور فاسد مادے جسم سے ان کے ذریعے دُور ہوجاتے ہیں۔ گویا تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے کہ یہ قدرتی نظام تمھیں بتاتا ہے کہ صفائی کو مقدم رکھو۔

یاد رہے کہ بدعقیدگی کے ہوتے ہوئے ظاہری صفائی بے کار ہے۔ اور بالکل ایسے ہے جیسے غلاظت پر چاندی کا ورق لگا دیا جائے۔

پس ہر شخص کو ظاہری اور باطنی صفائی اختیار کرنا چاہیئے۔

لباس و زینت

خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

یَا بَنِیْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ط

(پ ۸۔ ع ۱۰)

"اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمھاری طرف ایک لباس اُتارا کہ تمھاری شرم کی چیزیں چھپائے اور یہ کہ تمھاری زینت ہو"

خدا تعالیٰ نے لباس کا مقصد شرم کی چیزوں کو چھپانا بتایا ہے۔ مگر آجکل کی تہذیب نو کا دیا ہوا لباس بالخصوص "ٹیڈی" لباس شرم کی چیزوں کو چھپاتا نہیں بلکہ بتاتا ہے۔ لباسِ زینت بھی تو جائز ہے۔ مگر ستر پوشی کے بغیر جو زینت ہوگی۔ اُس کا انجام ظاہر ہے کہ کیا ہو سکتا ہے۔ پھر عورت جو سراپا "عورت" ہے۔ اس کا لباس اگر ایسا ہو۔ جو اپنا مقصد پورا نہ کرے۔ اور اس کے بعد زینت بھی ہو تو اس کا جو انجام ہو سکتا ہے۔ وہ بھی ظاہر ہے۔ عورت کے لیے جو زینت کا جواز ہے۔ وہ اپنے شوہر کے لیے یا بعض دوسرے محرموں کے لیے ہے۔ نہ کہ اپنے بیگانوں سب کے لیے دعوت نظارہ ہو بلکہ بیگانوں ہی کے لیے ہو۔ برقعہ جو اس زینت کے چھپانے کے لیے ہے وہ آج بجائے خود ایک زینت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ ان سب حقائق پر غور کیجیے اور بتائیے کہ ایک مسلمان عورت اور مرد کا لباس کیسا ہونا چاہیئے اور مسلمان عورت کی زینت کا محل کونسا ہے اور آجکل کیا ہو رہا ہے۔؟

پس ہر مسلمان مرد اور عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنا لباس ایسا رکھے

جو شرم کی چیزوں کو چھپا سکے اور زینت کا اظہار اپنے محل پر کرے۔ اس لیے کہ ہر چیز اپنے موقعہ محل پر ہی زیب دیتی ہے۔

مَردوں سے مُقابلہ

آجکل عورتوں میں مردوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی ایک عام رَوِش چل نکلی ہے اور یہ کہہ رہی ہیں کہ ہم مردوں سے پیچھے کیوں رہیں۔ یہ جذبہ قابلِ قدر ہو سکتا ہے مگر اس بات میں نہیں کہ مردوں کے ساتھ نوکریاں حاصل کرنے میں حسن میں مقابلہ کیا جائے۔ گھوڑ دوڑ میں شرط لگانے سینما یا تھیٹر جانے یا کرکٹ کھیلنے میں سبقت کی کوشش کی جائے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ نیکیوں میں اوروں سے آگے نکل جاؤ۔ نیک کاموں میں مقابلہ کرنا چاہیے اور خدا و رسول کے احکام و ارشادات کی تکمیل میں سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ افسوس کہ آجکل جو مقابلے شروع ہیں۔ یہ تہذیبِ نو کے سکھائے ہوئے مقابلے ہیں۔

پس ہر مسلمان مرد و عورت کے لیے لازم ہے کہ وہ ایسے غیر شرعی مقابلوں سے پرہیز رکھے اور نیک کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش میں لگا رہے۔

شراب نوشی کے نقصانات

اُردو کے ایک پرانے مذہبی رسالے میں یہ مضمون پڑھا گیا جس میں

شراب نوشی کے نقصانات ظاہر کئے گئے ہیں۔ آپ بھی پڑھئے اور عبرت حاصل کیجئے۔

"اتفاقی حادثات اکثر دفعہ شراب کی وجہ سے ہوتے ہیں کئی موٹروں کی ٹکریں اور اُن کا اُلٹ جانا اور کئی ریل گاڑیوں کے تصادم کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ ڈرائیور شراب کے نشے میں ان کو لاپرواہی سے چلا رہا ہوتا ہے۔ تین بیمہ کمپنیوں کی تحقیق ہے کہ ان بڑھے ہوئے حادثوں کی وجہ بلا واسطہ یا بالواسطہ شراب نوشی ہی ہے۔"

اسی طرح کئی متمول گھرانوں کے لوگوں کے دیوالیہ ہونے کا باعث محض شراب نوشی ہوتی ہے۔ بڑے بڑے جرائم بھی اکثر دفعہ شراب کے نشے میں کیے جاتے ہیں۔ مجرموں میں سے اکثر شراب کے عادی ہوتے ہیں۔ یہ بات مسلم ہے کہ جرائم اور شراب کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی بارہ ریاستوں میں سے ایک دفعہ ۱۳۴۰۲ مجرموں کے متعلق ایک کمیشن نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ۷۱ فیصدی میں جرائم کا باعث محض شراب نوشی ہے۔

شہر میں جب کوئی بلوہ یا فساد ہو جائے تو پولیس کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ شراب خانوں کو بند کر دے۔ جنگ یورپ کے ایام میں جب حالات نہایت نازک ہو گئے تو سب سے پہلے شراب نوشی کو بند کیا گیا تھا۔

الغرض یہ حقیقت ہے کہ شراب کسی قوم کی ترقی میں خواہ جنگ کے ایام ہوں یا امن کے سخت روگ ہے اور افراد کے لیے بھی یہ سخت مضر ہے۔ پس اے مسلمانو! ایسی مہلک اور نقصان دہ چیز سے ہر وقت اجتناب رکھو اور اپنے ہوش قائم رکھ کر اپنے نفع نقصان کو سمجھو اور شراب نوشی

سے بچو۔

قلعہ اسکندریہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت مسلمانوں نے قلعہ اسکندریہ پر حملہ کر کے رومیوں کو قلعہ میں محصور کر لیا۔ رومیوں نے قلعہ کے اندر رہ کر مسلمانوں کو اندر داخل ہونے سے روکے رکھا۔ جب محاصرے نے طول کھینچا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مکتوب بھیجا اور لکھا کہ اس قدر طویل عرصہ تک فتح نہ حاصل ہونے سے مجھے شبہ ہوتا ہے کہ شاید تم عیسائیوں کی طرح عیش پرست ہو گئے ہو۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ اتنا عرصہ گزر جاتے اور مسلمان فتح مند نہ ہوں۔ جس دن میرا یہ خط پہنچے متحدہ قوّت سے دشمن پر حملہ کر دو“

یہ خط پڑھ کر عمرو بن العاص نے اپنا عمامہ اُتارا اور نیزے کے سر سے باندھ دیا۔ یہ عَلَم حضرت عبادہ بن صامت کے سپرد کیا گیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحبت یافتہ صحابی تھے۔ اس دن مسلمانوں نے اس ولولہ اور جوش کے ساتھ رومیوں پر حملہ کیا کہ دشمنوں کے قدم اُکھڑ اُکھڑ گئے اور مسلمانوں نے قلعہ فتح کر لیا۔ (تاریخ اسلام)

پس اے مسلمانو! تم بھی عیش و عشرت کی زندگی سے قدم نکال کر مجاہدانہ ولولے پیدا کرو اور دشمن کو بتا دو کہ ہم مسلمان ہیں۔ مجاہد ہیں اور غازی ہیں۔ ؎

مقامی بن کے آیا ہے نہ راہی بن کے آیا ہے!
یہ دنیا رزمگہ ہے تو سپاہی بن کے آیا ہے

نفس

انسان کی گمراہی کا سبب اوّل تو شیطان ہے اور دوسرے نمبر پر نفس سرکش۔ پس طالب عبادت کو نفس سے بچنا لازم ہے جو ہر وقت انسان کو گمراہی و خرابی کی طرف بُلاتا ہے۔ اِس کی شرارت و دشمنی شیطان سے بھی زیادہ سخت اور گہری ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ دشمن اندر کا ہے اور گھر کا چور بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ دشمن انسان کا محبوب ہے اور محبوب کا عیب معلوم نہیں ہُوا کرتا۔ اپنے نفس کی بُرائیاں، خرابیاں اور گمراہیاں سب بہتر اور اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ تیسرے یہ کہ نفس آدمی سے بہت نزدیک ہے۔ اس سبب سے اس کا عیب معلوم نہیں ہوتا۔ اپنی آنکھ کی چیز نظر نہیں آتی۔

الغرض اگر نفس قابو میں ہو تو شیطان کا اثر بھی نہیں ہوتا چوری کامیاب وہی ہوتی ہے جس میں گھر کا بھیدی بھی شریک ہو۔ سو شیطان ایمان کا چور ہے اور نفس گھر کا بھیدی۔ پس انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ نفس کو تقویٰ کی لگام لگائے رکھے۔

نفس کو تابع کرنے کے لیے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ اوّل یہ کہ نفس کو تمام شہوتوں اور لذّتوں سے روک رکھے۔ کیونکہ جب نفس سرکش کو دانہ گھاس نہ ملے تو وہ تابع ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس پر عبادت کا بہت سا بوجھ لادے۔ جس جانور کو دانہ گھاس کم ملے اور اس پر بوجھ بھی زیادہ ہو تو وہ نرم ہو جاتا ہے۔

پس ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اس نفس سرکش کی سرکشیوں سے بچنے کی کوشش کرے اور اس موذی کو اپنے قابو میں رکھے۔ یہی بہت بڑی بہادری اور کامیابی ہے۔ ؎

بڑے مُوذی کو مارا نفس امّارہ کو گر مارا

خُدا کی یاد

کہتے ہیں کہ شاہ پرہتیس نے جب مُلک اطالیہ فتح کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے ایک عاقل مشیر نے پوچھا کہ آپ یہ فوج کشی کی بنا پر کس ارادے سے کر رہے ہیں؟ وُہ بولا۔ کہ ملک اٹلی کے فتح کرنے کے اِرادہ سے۔ مشیر نے پُوچھا۔ پھر اس کے بعد کیا اِرادہ ہے؟ بادشاہ نے جواب دیا۔ پُرتگال اور ہسپانیہ فتح کرنے کا! اس نے کہا پھر اس کے بعد؟ بادشاہ نے کہا۔ پھر ممالک مفتوحہ کا اپنے حسب منشاء انتظام کرنے کا! تاکہ پھر وہ بغاوت نہ کر سکیں۔ مشیر نے کہا پھر اس کے بعد؟ بادشاہ نے کہا۔ امن و عافیت کے ساتھ بیٹھ رہنے اور یادِ خدا کرنے کا! اس مشیرِ عاقل نے کہا۔ یہ آخری کام جو اس قدر عرصہ دراز، اتنی جفاکشی، خونریزی اور محنت شاقہ اُٹھانے کے بعد آپ کریں گے۔ پہلے ہی سے کیوں نہیں کرتے؟

گفت چشمِ تنگ دُنیا دار را!
یا قناعت پُر کُند خاکِ گور

پس ہر شخص کو عقل و خرد سے کام لے کر دُنیا کو بقدر ضرورت اپنا کر خدا کی یاد کو اپنانا چاہیئے جو سب سے زیادہ ضروری اور مقدم چیز ہے، کو اپنانا چاہیئے۔

پردہ

یہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ آزاد رہنے کی تڑپ ہر ایک میں ہے۔ ہر مرد اور عورت قانون اور مذہب سے آزاد رہنا چاہتا ہے۔ مرد چاہتا ہے کہ میں محنت کیوں کروں۔ کیوں نہ جس کے مال پر چاہوں ہاتھ ڈال لوں اور جس عورت کو چاہوں

اُسے اپنے قبضہ میں لے آؤں۔ جو دشمن ہو اُسے روند ڈالوں۔ اور جو بھی خواہش ہو اُسے پورا کر لوں۔ باوجود اس خواہش کے انسانوں نے دیکھا کہ اس قسم کی آزادی سوسائٹی اور ملک کے امن وسکون کو تباہ و ہلاک کر دینے والی ہے۔ اس لیے قانون و مذہب کے نیچے پناہ لے کر خود انھوں نے اپنی اس مہلک آزادی پر قید لگا دی اور نقصان دہ خواہشات کو ملک کے امن وسکون اور سوسائٹی کی بہتری پر قربان کر دیا۔

نفسِ انسانی کی مثال ایک گھوڑے کی مانند ہے۔ جو اپنے جوہر اور قابلیت اسی وقت دکھاتا ہے جب وہ پابند ہو جائے اور اس کے منہ میں لگام ہو۔ نہ یہ کہ بے لگام اور ہر طرح غیر مقید ہو۔ انسان بھی شرعی لگام رکھ کر اپنے جوہر دکھا سکتا ہے۔

شرعی پردہ بھی عورت کے لیے اس کی کامل آزادی میں ایک روک ہے اور مناسب قید ہے اور یہ قید و روک اخلاقی صحت سوسائٹی کے امن اور گھروں کی راحت کے لیے نہایت ضروری ہے اور جو عورتیں کامل آزادی چاہتی ہیں وہ یہ سوچ لیں کہ آج تو ان کی یہ آزادی بہت لذت دہ معلوم ہوگی۔ مگر پھر جو کچھ عرصہ کے بعد اس کی مزید قسط طلب کریں گی۔ پھر اس کے بعد اگلی قسط کی یہاں تک کہ ان کی حالت یورپ کی آزاد منش عورتوں کی طرح ہو جائے گی۔ جہاں عورت عورت نہیں بلکہ مرد ہے۔ کیونکہ وہ مردوں والا علم حاصل کرتی ہے۔ مردوں کی طرح خود کمائی کرتی ہے۔ تنہا رہتی ہے۔ شادی اور اولاد کی قیود سے آزاد رہنا چاہتی ہے اور اس مقام سے بہت آگے پہنچ چکی ہے جس درجہ پر ہمارا کوئی بڑے سے بڑا مرد بھی نہ پہنچا ہوگا۔

پس اے مسلمان عورتو! تم اپنی شریعت کی قید میں رہو اور پردے کو اپناؤ اور یورپین اقوام کی طرف دیکھ کر اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں نہ ڈالو۔ پاکیزہ خصلت اور نیک پارسا اور سچی مسلمان عورت بن کر رہو۔

اسی میں تمھاری بھلائی اور بہتری ہے اور بے پردہ رہنے میں سراسر نقصان و ہلاکت اور دین و دنیا کی بربادی ہے۔

نماز

نماز ایک ایسی جامع عبادت ہے جس میں تسبیح، استغفار، دُعا و ذکر، قرأت و تضرّع اور انابت سب کچھ موجود ہے۔ نماز میں دربار اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ کی حاضری اور اس سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

قرآن پاک کی نشر و اشاعت اور اس کے تحفظ کا ذریعہ بھی یہ نماز ہے۔

پچھلے گناہوں کا محاسبہ اور آئندہ کے لیے صراطِ مستقیم پر چلنے کی دُعا بھی نماز میں موجود ہے۔

اتحاد و یگانگت روح پرور نظارہ نماز کی جماعت میں ہے۔

ایک امیر کے اشاروں پر سب کا چلنا اور یکسوئی کا نظارہ بھی نماز کی جماعت میں موجود ہے۔

فوجی قواعد و ضوابط کی پابندیوں کا درس بھی نماز میں ملتا ہے۔

اسی طرح نماز میں دینی و دنیوی بے شمار فوائد مضمر ہیں۔ گویا یہ نماز دین و دنیا کی برکات کا مجموعہ ہے اور مسلمان کے لیے ایک زبردست ہتھیار ہے۔ جس کے نہ ہونے سے دشمن کے غلبہ پا لینے کا خطرہ ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔	یعنی نماز کو قائم رکھو اور اس کی پابندی کرو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ مشرک بن جاؤ۔

یعنی نماز کو چھوڑ دینے سے دشمن کے غالب آجانے کا امکان ہے۔

پس اے مسلمانو! نماز سے کبھی غفلت اختیار نہ کرو اور نمازی بن کر

رہو۔ مشرکین سے تمھاری جنگ ہے۔ بے نماز تو وہ ہیں۔ تم مسلمان ہو۔ تم بے نماز ہرگز نہ بنو۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ۔

"میرے اصحاب کو بُرا نہ کہو۔ کیونکہ تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا راہِ خدا میں خرچ کرے تو وہ اُن (صحابہ) میں سے کسی کے ایک سیر برابر یا اس سے بھی آدھے خرچ کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔"

یعنی صحابہ کرام علیہم الرضوان کی یہ شان ہے کہ اگر کوئی صحابی اللہ کی راہ میں ایک سیر یا نصف سیر سونا خرچ کرے اور ہم ہیں اگر کوئی پہاڑ کے برابر بھی سونا اللہ کی راہ میں دے دے تو بھی ہم اس صحابی کے اس خرچ کے برابر نہ پہنچ سکیں گے۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ہم سے ہم لاکھوں کروڑوں درجے بلند مرتبہ ہیں اور یہ درجہ انھیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کی وجہ سے حاصل ہوا۔ جس سے ہم محروم ہیں۔ تو اندازہ کر لیجئے کہ جس محبوب پاک صلی اللہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھنے والا۔ اُمت بھر میں بے مثل و بے نظیر بن جاتا ہے وہ نورانی چہرے والا (صلے اللہ علیہ وسلم) خود کیوں بے نظیر و بے مثل نہ ہوگا۔

پس اے مسلمانو! صحابہ کرام علیہم الرضوان کی محبت و عزت دل میں

رکھو اور ان کے بغض وکینہ سے اپنے دلوں کو صاف رکھو اور حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کو ساری کائنات میں بے مثل وبے نظیر جانو۔

تُو بھی بشر وُہ بھی بشر

ابن قیّم جنھیں غیر مقلدین حضرات بھی اپنا ممدوح تسلیم کرتے ہیں وہ ان لوگوں کی تردید میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ کہ:۔

وَمَا ابین بطلان رائے یقتضی بانّ مکان البیت الحرام مساوٍ لسائر الامکنہ وذات الحجر الاسود مساویۃ لسائر حجارۃ الارض۔ وذات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مساویۃ لذات غیرہٖ وبنما التفضیل فی ذالِکَ بامور خارجۃ عن الذات الصفات القائمۃ بہا۔ وھذہ الاقاویل وامثالہا من الجنایات التی جناھا المتکلّمون علی الشریعۃ وھی بریئۃ منہا وما سوّی اللہ تعالیٰ بین الذات المسک و

یعنی کیا ظاہر ہے بطلان اس رائے کا جو اس امر کو متقضی ہے کہ بیت اللہ شریف کا مکان دوسرے مکانوں کے برابر ہے اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات دوسرے لوگوں کے برابر ہے اور اور تفصیل اس میں بسبب ان امور کے ہے جو ذات اور صفات قائمہ سے خارج ہیں۔ ایسی باتیں ان متکلمین نے شریعت کے ذمہ لگائی ہیں۔ حالانکہ شریعت اس سے بری ہے۔ اور اللہ تعالے نے کستوری کی ذات اور بول کی ذات کو برابر نہیں بنایا ہے۔

ذاتِ البول ابدا۔ ولا بين
ذات الماء وذات النار ابدا۔
والتفاوت البين بين
الامكنة الشريفة واضدادها۔
والذوات الفاضلة واضدادها۔
اعظم من هذه التفاوت
وكثير بين ذات موسٰى
عليه السّلام وفرعون
من التفاوت اعظم مما بين
المسك والرجيع وكذالك
التفاوت بين نفس الكعبة
وبين بيت السلطان اعظم
من هذا التفاوت ايضا بكثير
فكيف يجعل البقعتان
سواء فى الحقيقة والتفضيل
باعتبار ما يقع هناك من العبادات
والاذكار والدعوات۔

شریف مکانوں اور ان کی اضداد
میں اور مبارک ذاتوں اور
ان کی اضداد میں جو فرق ہے
وہ اس فرق سے جو کستوری
اور بول میں ہے۔ کہیں زیادہ ہے،
موسیٰ علیہ السّلام اور فرعون
کی ذات میں جو فرق ہے۔
وہ کستوری اور گوبر کے فرق
سے بہت بڑا فرق ہے۔ اسی
طرح نفس کعبہ اور بادشاہ
کے گھر میں جو فرق ہے وہ
بھی اس فرق سے بہت بڑا
ہے۔ تو کس طرح دونوں
جگہوں کو برابر کہا جاتا ہے اور
باعتبار عبادات و اذکار کے
نفس کعبہ کو فضیلت مل
جاتی ہے۔"

(زاد المعاد لابن قیم ص ۱۳ ج ۱ مطبوعہ مصر)

علامہ ابن قیم کا یہ فیصلہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے اور ہر مسلمان کو برابری و مثلیت کے قول سے بچنا چاہیے اور یہ نہ کہنا چاہیے، کہ حضور علیہ السّلام ہماری مثل بشر تھے۔ کہاں وہ اور کہاں ہم ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

پس اے مسلمانو! اپنا عقیدہ وہ رکھو۔ جو اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ

نے اس مصرع میں ظاہر کیا ہے۔ ع
کوئی تجھ سا ہُوا ہے نہ ہوگا شہا تیرے خالقِ حسن و ادا کی قسم

سرورِ عالم

صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا یَعْمَدُہٗ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا۔ (کنز العمال ص۲۸۳ ج ۶)

"یعنی جو شخص میرے پاس صرف میری زیارت کی نیت سے آئے اور بجز میری زیارت کے اس کا اور کوئی مقصود نہ ہو تو میرا یہ حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا میں شفیع بنوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک دوسرے موقعہ پر یوں ارشاد فرمایا کہ :-

مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔ (کنز العمال ص۲۵ ج ۳)

"جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔"

اِن ارشاداتِ نبویہ سے معلوم ہُوا کہ مدینہ منورہ کی حاضری بے حد ضروری ہے۔ اور مدینہ منورہ جائے تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کے ارادہ سے جائے اور جو شخص حج تو کرے مگر روضہ انور کی حاضری نہ دے۔ وہ حاجی نہیں، بلکہ ظالم ہے۔

پس اے مسلمانو! حج کو جانے کی سعادت نصیب ہو تو مدینہ منورہ

کی حاضری ضرور دو اور یہ حاضری خاص حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی نیت سے دو۔ ورنہ تم اتنا خرچ کر کے بھی حاجی نہ بن سکو گے۔ بلکہ ظالم بن کر لوٹو گے۔

انکارِ حدیث

ہر پیغام کی صداقت اس پیغام لانے والے کی صداقت پر مبنی ہوتی ہے۔ پیغام لانے والا ہی اگر متہم ہو اور اسے سچ بولنے والا نہ سمجھا جائے تو اس کے لائے ہوتے پیغام کا کیا اعتبار؟ بناء بریں قرآن پاک اللہ کا ایک آخری پیغام ہے اور یہ پیغام لانے والے آخر الانبیاء حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پس اللہ کے اس آخری پیغام کی صحت پر اسی وقت ایمان لایا جا سکتا ہے جب اس پیغام لانے والی ذاتِ والا کی صداقت و عصمت پر پہلے ایمان لایا جائے اور اگر پیغام لانے والے ہی کو ایک عام انسان اور زید و عمر بکر کی مثل بشر سمجھا جانے لگے تو پھر اس پیغام کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

فتنۂ انکارِ حدیث کی وجہ در اصل یہی غلط خیال ہے۔

پس اے مسلمانو! حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کو ہرگز اپنی مثل بشر نہ سمجھو نہ کہو۔ کہ اس خیال و گفتار سے انکارِ حدیث لازم آتا ہے۔

صحابہ کرام علیہم الرّضوان

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ پیر اپنے مریدوں اور اُستاد

اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے۔ جس پیر کے مرید شرع کے خلاف ہوں، عقل بتلائے گی کہ ان کا پیر بھی برائے نام پیر ہے۔ جس اُستاد کے شاگرد جاہل ہوں۔ عقل تبلائے گی کہ ان کا اُستاد ہی کورا معلوم ہوتا ہے۔ سچا پیر اپنے مُریدوں کو اپنی نظر پاک ہی سے متبع شریعت بنا دیتا ہے اور ان کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ ؎

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اور قابل اُستاد اپنی قابلیت سے جہلاء کو فضلاء کی فہرست میں لے آتا ہے۔ یہ ایک مثال ہے۔ آپ اسے پیشِ نظر رکھ کر حضور سیّدالانبیاء صلے اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم وتربیت کو دیکھیں اور خدا تعالےٰ کے اس اعلان کو ملاحظہ فرمائیں کہ:۔

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ اور پھر خود ہی فیصلہ کرلیں کہ حضور کی نگاہِ کرم سے کس قدر انقلاب پیدا ہُوا ہوگا۔

اور بقول شاعر ؏

اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہَوا کا

گم گشتگانِ راہِ ہدایت کس طرح ہادی و مہدی اور جہلائے عرب کس طرح فضلائے زمانہ و منبع علم وفضل اور دُنیا بھر کے معلّم بن گئے ہوں گے اور بقول شاعر۔ نقشہ یہ بن گیا ہوگا کہ:۔

اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
خاک کے ذرّوں کو ہمدوشِ ثریّا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے فضل و کمال پانے والے یہ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں۔

ان کے جملہ مدارج عالیہ اور کمالات حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی نظرِ رحمت کے رہینِ منت ہیں۔ حضور کی نظرِ پاک سے ابوبکر "صدیقِ اکبرؓ" بن گئے۔ عمر "فاروق اعظم" بن گئے۔ عثمان "ذوالنورین" بن گئے اور علیؓ "شیرِ خدا" بن گئے۔ کوئی "کاتبِ وحی" کوئی "اللہ کی تلوار" اور کوئی "اُمت کا امین" بن گیا۔ اور فرش و عرش والے ان پر رضوان و رحمت کے پھول نچھاور کرنے لگے۔

پس اے مسلمانو! حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ان اوّلین فیض یافتہ نفوسِ قدسیہ کی عزّت و عظمت کو اپنے دلوں میں جگہ دو اور ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرو۔ اس لیے کہ ان کے فضل و کمال کا اعتراف حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے فضل و کمال کا اعتراف ہے اور اُن کے فضل و کمال کا انکار حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فضل و کمال کا انکار ہے۔ اس لیے کہ صاحبِ کمال پیر اور اُستاد اپنے مریدوں اور شاگردوں میں فضل و کمال ضرور پیدا کر دیتا ہے اور حضور سے بڑھ کر تو صاحبِ فضل و کمال اور کوئی ہے ہی نہیں۔ پھر آپ نے اپنے مریدوں اور شاگردوں کو کیوں صاحبِ فضل و کمال نہ بنایا ہوگا۔

رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ ط

آخری نبی

(صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم)

خدا تعالےٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاء کرام علیہم السّلام

کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔ سب کو اپنے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق معجزات عطا فرمائے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا تو موسیٰ علیہ السّلام کو ایک ایسا معجزہ عطا فرمایا جس نے جادوگروں کے تمام طلسم کو نیست و نابود کر دیا۔ یعنی آپ کو عصائے مبارک کا سانپ بن جانا" یہ اعجاز عطا فرمایا جس نے جادوگروں کو شکست دے دی۔ اِسی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں علم حکمت وطب کا زور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مُردوں کو زندہ کر دینے اور مادر زاد اندھوں کو بینا کر دینے کا معجزہ عطا فرمایا۔ جس کے سامنے بڑے بڑے حکیم وطبیب عاجز آ گئے اور اِسی طرح ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت وبلاغت کا زور تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اعجاز قرآن عطا ہوا جس کے سامنے بڑے بڑے فصحاء وبلغاء عرب عاجز آ گئے اور مبہوت ہو گئے۔ یہ سلسلہ نبوت ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے۔ اب قیامت تک کوئی نبی پیدا نہ ہو گا۔ اور اگر اس بابِ ختمِ نبوت کو کھول کر کسی اور کو بھی نبی تسلیم کیا جائے۔ (معاذ اللہ) تو پھر اِسی قاعدہ کے مطابق سائنس کے اس دَور میں ضروری ہے کہ وہ متبنیٔ اپنا کوئی ایسا اعجاز دکھلائے۔ جس کے سامنے امریکہ و روس کے سارے سائنسدان عاجز آ جائیں۔ مثلاً کچھ عرصہ پہلے وہ اہلِ یورپ سے یوں مخاطب ہوتا کہ اے ہوائی جہاز بنانے والو! میرا اعجاز دیکھو۔ میں اپنے پلنگ پر بیٹھ کر ہوائی جہازوں سے بھی کہیں اُوپر چاند تک جا سکتا ہوں۔ اور آجکل کوئی متبنیٔ ہو تو وہ روس و امریکہ کو مخاطب کر کے یوں کہے کہ راکٹ بنانے کے مدعیو! میں اپنی کرسی پر بیٹھ کر تمہارے راکٹ سے بھی پرے سورج تک بھی جا سکتا ہوں اور یہ دیکھو میں جا بھی رہا ہوں۔ یہ باتیں محض مثال کے طور پر ہیں۔ ورنہ ہمارے حضور کے بعد تو کوئی نبی پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ میرا مطلب

یہ ہے کہ بقول زید اگر کسی کو آج بھی اس منصب پر فائز مانا جائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ آج کل کے سائنسدان کو عاجز کر دے اور جو ان سائنسدانوں کو عاجز کر دینے کے بجائے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دے۔ بلکہ پہلے نبیوں کے معجزات کو (معاذ اللہ) شعبدہ بازی بتانے لگے تو خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ وہ کہاں تک سچا ہے۔

پس اے مسلمانو! اپنا عقیدہ رکھو کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑے اور سب سے آخری نبی ہیں۔ آپ سے نہ کوئی بڑا ہے اور نہ ہی آپ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی پیدا ہونے والا ہے۔

اِنسانیّت

اِنسانیت نام ہے شرعی و اخلاقی قواعد و قیود کی پابندی کا۔ حیوان کسی قاعدہ و قانون کا پابند نہیں ہوتا۔ یہ قواعد و ضوابط انسان کے لیے ہیں۔ دیکھئے شہر کے بازاروں میں دیواروں پر لکھا ہوتا ہے "یہاں پیشاب کرنے والا حوالہ پولیس کیا جائے گا"۔ اب اس جگہ اگر کوئی انسان پیشاب کرنے لگے تو وُہ گرفتار ہو جائے گا اور اگر کوئی گدھا چاہے دس آدمیوں کے برابر بھی پیشاب کر دے۔ اُسے کوئی ہتھکڑی نہیں لگاتا۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ قانون تو انسان کے لیے ہے۔ نہ کہ حیوانوں کے لیے بھی۔ آپ نے حیوانوں میں نکاح و طلاق وغیرہ اور ماں بہن کا امتیاز نہ دیکھا ہو گا۔ اس لیے کہ یہ سب قواعد و ضوابط صرف انسان کے لیے ہیں۔ کوئی گدھا لباس میں ملبوس نہیں ہوتا۔ نہ وہ اپنے لیے لباس مانگتا ہے اور نہ اپنی "اہلیہ" کے لیے "برقعہ" چاہتا ہے۔ اس لیے کہ یہ ستر و حجاب کے سارے قاعدے تو انسان کے لیے ہیں۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے تشریف لائے کہ وہ انسان کو شرعی، فطری اور اخلاقی قواعد کا پابند بنا کر اُسے انسان بنا دیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ:-

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ ۔

حضور کی اس تعلیم اخلاق پر عمل ہی کا نام انسانیت ہے اور جو اس تعلیم سے منہ پھیر لیتا ہے۔ وہ حیوانیت اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ یہ جو آج کل عریانی و فحاشی، بے حجابی اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اور کھڑے ہی ہو کر کھانا وغیرہ فیشن نکل آئے ہیں۔ یہ سب باتیں۔

اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (پ ۹ اعراف)

اور اکبر الہ آبادی کے اس شعر کے مصداق ہیں کہ ؎

ہم تو انسان سے بنے جاتے ہیں بندر اے حضور
آپ خوش قسمت تھے جو بندر سے انساں بن گئے!

پس اے مسلمانو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرو۔ حضور کی ارشاد فرمودہ پابندیوں کو اپناؤ اور انسان بنو۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی غلامی کا نام انسانیت ہے۔

جلوت میں خلوت

انسان اس دنیا سے منہ موڑ کر اور خداداد طرح طرح کی نعمتوں کو چھوڑ کر چاہے جنگلوں، پہاڑوں کی غاروں یا بنوں میں جا بیٹھے۔ وہ پھر بھی خلوت نہ پا سکے گا۔ بلکہ ہمیشہ جلوت ہی میں رہے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنے خیالات کے ہجوم کو نہیں روک سکتا۔ اپنے ارادوں اور اُمید کے

سیلاب کے آگے بند نہیں باندھ سکتا۔

انسان کہیں رہے۔ مگر وہ اس دنیا میں مختلف لڑائیاں لڑنے اور کسی سے نہ سہی اپنے نفس سے لڑائی لڑنے آیا ہے۔ خلوت کے معنے خالی ہونے کے ہیں۔ مگر سوچئے تو سہی کہ انسان کو اس قدر ہجوم خیالات و امید و رجاء کے باوجود خلوت میسّر آسکتی ہے؟ جب تک اس کے جسم میں روح ہے تب تک وہ مختلف قسم کے مخمصوں سے نجات پا ہی نہیں سکتا۔ پھر اگر کسی کو خلوت کا شوق ہو تو کیسے پورا کرے۔

آیئے میں بتاؤں! انسان اس دنیا میں اپنے خالق و مالک کی معرفت و عبادات کے لیے آیا ہے۔ یہ اس کے سر پر ایک فرض ہے جو بطور قرض اس کے ذمہ ہے۔ پس یہ انسان اپنے قرض کو اتارنے کی فکر کرے انانیت اور خودی اور خود پرستی سے الگ ہو کر خدا پرستی میں لگ جائے۔ جہاں بھی رہے اپنی ڈیوٹی پوری کرتا رہے تو پھر اس کے لیے جلوت میں بھی خلوت ہے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی درس دیا ہے کہ دنیا کی جائز رونقوں میں رہ کر بھی تم اپنے دل میں خدا کی یاد رکھو اور اپنی ڈیوٹی کو ادا کرتے رہو۔ تو تم خلوت نشین ہی ہو۔

پس اے مسلمانو! تم تجارت بھی کرو، اچھا کھاؤ بھی، اچھا پہنو بھی۔ بیوی بچوں کو بھی اپناؤ۔ اس دنیا کے فوائد سے بھی متمتع ہوتے رہو۔ مگر خبردار! اللہ کی یاد سے کسی وقت بھی غفلت نہ آنے پائے۔ تم ہر وقت اس جملہ کے مطابق رہو کہ :۔

"دِل بیار دست بکار"

اطاعتِ رسول

صلّی اللہ علیہ وسلّم!

ہمارے حضور آمر و شارع اور اصل مُطاع ہیں۔ کیونکہ ہمیں جو کچھ ملتا ہے، اطاعت رسُول ہی سے ملتا ہے۔ اصل مُطاع اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم نہ کیا جائے تو بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اطاعت رسُول کے بغیر اطاعت خدا ناممکن ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ بچّے اپنی ضروریات میں والدین کے محتاج ہوتے ہیں۔ خود والدین دوسروں کے محتاج ہوں یا نہ ہوں۔ بچّوں کو اس سے کچھ واسطہ نہیں ہوتا۔ والدین کہاں سے لیتے ہیں۔ بچّوں کو اس کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو اپنے والدین کے محتاج ہیں۔ اسی طرح ہمارے واسطے آمر و شارع اور مطاع رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہمیں جو کچھ لینا ہے رسُول سے لینا ہے۔ ہمیں اس بات سے کوئی واسطہ نہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے احکامِ عالیہ وحی متلو کے ذریعہ حضور کو ملے۔ یا غیر متلو سے۔ ہمارے لیے دونوں صورتوں میں اطاعتِ رسول واجب ہے۔ یہ فیصلہ خود قرآنِ پاک کا ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ ۔ (پ۵ النساء)

جس نے رسُول کی اطاعت کی۔ اس نے خدا کی اطاعت کی اور فرمایا۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔

فرما دیجئے کہ اگر تم خدا سے محبّت پیدا کرنا چاہتے ہو تو میری (رسولِ خدا کی) تابعداری کرو۔ تو خدا تم کو محبوب بنائے گا۔"

پس ان ارشاداتِ قرآنیہ کے پیشِ نظر ہمارے لیے آمر و شارع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہماری نجات کا ذریعہ صرف اطاعتِ رسُول ہے۔ کیونکہ اسی کے ذریعہ ہمیں اطاعتِ الٰہی نصیب ہوئی۔ اگر اطاعتِ رسُول نہ ہو تو اطاعتِ الٰہی کے لیے کوئی راستہ نہیں مل سکتا۔ گو وجود کے اعتبار سے اصل آمر و شارع خدا ہے اور دوسرے درجہ پر ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر عملی و تبلیغی رُو سے اصل آمر و شارع اُمت کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ان کے واسطہ سے آمر و شارع خدا تعالیٰ ہے۔ کیونکہ براہِ راست امرِ شرع کا تعلق ہم سے ناممکن ہے۔

پس اے مسلمانو! دل و جان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے غلام بن جاؤ اور احادیث مبارکہ پر اپنا ایمان رکھو اور یقین کر لو کہ بغیر اطاعتِ خدا اور بغیر حدیث کے عمل بالقرآن ناممکن ہے۔

تقلید

ابن ماجہ شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اُمَّتِيْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰى ضَلَالَةٍ فَاِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ۔

(ابن ماجہ صـ ۲۹۱)

"میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ آپ فرماتے تھے کہ بیشک میری اُمّت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ تو جب تم لوگ اختلاف دیکھو تو مسلمانوں کی بڑی جماعت کو اختیار کرو۔"

اس حدیثِ پاک میں صاف اِعلان ہے اس بات کا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم

کی اُمّت گمراہی پر کبھی جمع نہ ہوگی اور یہ ہو بھی کیسے جب کہ خود خدا تعالیٰ نے اس اُمّت کے حق میں کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ فرمایا ہے۔ اس ارشاد کے پیشِ نظر دنیا بھر کے مسلمانوں کی اکثریت مقلّد ہے۔ مسلمان بالعموم ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کے ضرور مقلّد ہیں اور جو مقلّد نہیں۔ وہ بہت تھوڑی مقدار میں ہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تقلید گمراہی ہو۔ اس لیے کہ اگر تقلید کو گمراہی مانا جائے تو اُمّت کی اکثریت کو جو مقلّد ہے۔ گمراہی پر جمع ماننا پڑے گا اور اس بات سے حدیث کی تکذیب لازم آئے گی۔ پس ثابت ہُوا کہ مسلمانوں کی جو اکثریت مقلّد ہے۔ حدیثِ پاک کے مطابق ہدایت اور صداقت پر جمع ہے۔

پس اے مسلمانو! اہل سنّت وجماعت کا مسلک اپناؤ اور اپنائے رکھو کہ حدیث میں سب سے بڑی جماعت کو اختیار کرنے کا حکم ہے اور اہل سنّت وجماعت ہی کی جماعت سوادِ اعظم ہے۔

مال و دولت کی اہمیّت

خدا تعالیٰ فرماتا ہے: جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیَامًا۔ یعنی مال وہ چیز ہے جس سے انسان کھڑا ہوتا ہے۔ لفظی معنی تو یہی ہیں۔ مگر ان میں جو دنیا کے معانی مضمر ہیں۔ وہ عجیب چیز ہے۔

سوچئے کہ انسان کس طرح کھڑا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ پاؤں سے کھڑا ہوتا ہے اور اگر پاؤں نہ ہوں تو انسان ایک مجبور محض ہستی ہے۔ نہ چل پھر سکتا ہے، نہ جہاد و حج کے ثواب سے متمتع ہو سکتا ہے۔ نہ محنت و مشقت کے کام سے جہاں چاہے وہاں جا کر روپیہ پیدا کر سکتا ہے۔

رفع حاجت سے بھی مجبور ہے۔ بلکہ خود پانی بھی نہیں پی سکتا اور ہر امر میں دوسرں کا محتاج ہے۔ پاؤں موجود ہیں تو اُسے کسی کی امداد کی ضرورت نہیں۔ وہ جہاں چاہے جائے۔ جہاد میں لڑے، حج کرے، دنیا میں پھرے، زمانہ کو دیکھے اور لطفِ حیات اُٹھائے۔ اب آپ قرآنی تشبیہ کے کمال پر غور کیجئے کہ اس نے مال و دولت کو پاؤں سے تشبیہ دے کر کتنے وسیع مطالب نگاہوں کے سامنے پیش کر دیئے ہیں اور بتا دیا ہے کہ دیکھو روپیہ کو ضائع نہ کرو۔ بے وقوفوں کو نہ دو فضول نہ اُڑاؤ۔ یہ وہ چیز ہے جس سے تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ جہاں چاہو آجا سکتے ہو۔ اپنی کیا دوسروں کی بھی ضروریات رفع کر سکتے ہو۔ جہاد لڑ سکتے ہو اور ہر طرح کے لطف اُٹھا سکتے ہو اور بغیر مال کے تم ایسے ہی رہ جاؤ گے جیسے کہ ایک بے پیروں کا آدمی ہوتا ہے کہ جزئیات و فرعیات تک میں دوسروں کا محتاج ہے۔ ایک بے کس ہے۔ جس کی زندگی دوسروں کے رحم پر ہے۔ ایک مجبور ہے جو آپ پانی بھی نہیں پی سکتا، ایک فلک زدہ ہے جو ہر امر میں دوسروں کا دستِ نگر ہے۔

دل کی آنکھوں سے دیکھیے کہ ایک بے زر اور ایک بے پیر ہر معاملہ میں یکساں ہیں یا نہیں۔ یہ قرآنی اعجاز نہیں تو آپ اُسے اور کیا کہیں گے۔ کہ اتنے بڑے وسیع مطالب ایک لفظ میں ادا کر دیئے اور بے زری و مفلسی کی بے چارگیوں کی ایک جیتی جاگتی تصویر سامنے پیش کر کے دولت کی اہمیت واضح کر دی۔

پس اے مسلمانو! اس مال و دولت کی بھی قدر کرو۔ اور اسے خلافِ شرع حرکتوں میں صرف کر کے اپاہج و محتاج نہ بن جاؤ۔

اللہ کے خزانوں کے مالک

صلّی اللہ علیہ وسلّم

شارع صحیح بخاری حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھتے ہیں :-

هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَزَانَةُ السِّرِّ وَمَوْضِعُ نُفُوْذِ الْأَمْرِ فَلَا يَنْفُذُ أَمْرٌ إِلَّا مِنْهُ وَلَا يُنْقَلُ خَيْرٌ إِلَّا عَنْهُ۔

"یعنی حضور علیہ السّلام رازہائے حق کے خزانہ ہیں اور امرِ الٰہی کے جائے نفوذ ہیں۔ کوئی حکم صادر نہیں ہوتا۔ مگر حضور کے دربار سے۔ اور کسی کو کوئی نعمت نہیں ملتی۔ مگر حضور ہی کی سرکار سے۔"

(مواہب لدنیہ ص۶، ج ۱)

حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات یوں ہی نہیں فرمائی بلکہ یہی حقیقت ہے اور حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے کہ :-

أُوْتِيْتُ بِمَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الْأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِيْ يَدِيْ۔

"میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور مجھے سونپ دی گئیں۔"

(مشکوٰۃ شریف ص۵۰۴)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :-

أُعْطِيْتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ (مشکوٰۃ ص۵۰۴)

"یعنی مجھے سُرخ و سفید دونوں خزانے عطا فرمائے گئے۔"

سُرخ و سفید سے مُراد سونا اور چاندی ہے۔ معلوم ہُوا کہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں۔ پھر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے قرآنِ پاک میں یوں کہلوایا گیا ہے کہ :۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ (الآیۃ)

فرمایا دو کہ میں تم سے نہیں کہتا۔ کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں ۔"

تو یہ صرف کہنے اور دعوےٰ کرنے کی نفی ہے۔ مالک ہونے کا انکار نہیں۔ یعنی آپ اُن سے یُوں کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ بات کہتا نہیں ہوں۔ یہ نہیں کہلوایا گیا۔ کہ اُن سے یُوں کہہ دو۔ کہ میں خزانوں کا مالک ہی نہیں ہوں۔ بلکہ یہ کہلوایا گیا ہے کہ میں تم سے نہیں کہتا اور اگر یہ کہا جاتے کہ نہیں صاحب! اس آیت میں حضور کی ملکیت ہی کی نفی ہے تو پھر اُوپر کی حدیثوں میں جو حضور علیہ السّلام زمین کے خزانوں اور سُرخ و سفید خزانوں کے ملنے کا ذکر فرمارہے ہیں۔ اس کی تکذیب لازم آئے گی۔ گویا ملکیّتِ مصطفےٰ کی نفی سے منکرینِ حدیث میں شامل ہونا پڑتا ہے۔

علاوہ ازیں یہ خطاب کفّار اور مُنکرینِ نبوّت سے ہے۔ مسلمانوں سے یہ خطاب ہے ہی نہیں۔ مسلمانوں سے خطاب تو وہ ہے جو اُوپر کی حدیثوں میں مذکور ہے۔ کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور مجھے سونپ دی گئیں اور سُرخ و سفید خزانے مجھے عطا فرمائے گئے۔ یہ اپنے غلاموں سے اور اپنے ماننے والوں سے فرمایا جا رہا ہے اور جو منکرین ہیں اور ہر فضل و کمال میں حیل و حجت ہی کرنے کے عادی ہیں۔ ان سے یوں فرمایا کہ مَیں تم سے کب کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ یعنی تم جبکہ اللہ کی عطا فرمودہ میری نبوت ہی کو نہیں مانتے تو میرے مالک ہونے کا تم اقرار کب کرو گے۔؟

کیوں صاحب! کسی چور اُچکّے اور ڈاکو سے کون کہتا ہے کہ میرے پاس لاکھوں روپے موجود ہیں۔ ہاں ہر باپ اپنی اولاد سے یوں کہتا ہے کہ میرے بچّو! خدا کے فضل سے میرے پاس کافی دولت ہے جو تمھارے کام

آئے گی تو قُلْ لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ میں خطاب منکرین سے ہے اور اُتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ کا اعلان اپنے غلاموں کے لیے ہے۔

پس اے مسلمانو! قُلْ لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ کے مخاطب تم نہ بنو۔ اس لیے کہ یہ خطاب غلامانِ مصطفٰے سے نہیں ہے۔ بلکہ منکرین نبوت سے ہے پس اس اعلان کے مطابق تم بھی حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمنوا ہو کر یہی یقین رکھو اور یہی کہو۔ کہ :-

هُوَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَزَانَةُ السِّرِّ وَمَوْضِعُ نُفُوْذِ الْاَمْرِ فَلَا يَنْفُذُ اَمْرٌ اِلَّا مِنْهُ وَلَا يَنْقُلُ خَيْرٌ اِلَّا عَنْهُ ۔ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ ؎

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مَفَر مَقَر!
جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

اصحابِ ثلٰثہ

رضی اللہ عنہم

خدا تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے :-

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا (پ ۲۲ ع ۴)

"یعنی یہ منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے۔ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو ہم ان پر تجھے ضرور شہ دیں گے اور مسلّط کریں گے۔ پھر وہ مدینہ میں تمھارے نزدیک نہ رہ سکیں گے۔ مگر تھوڑے دن لعنت کی زندگی سے "

اسی ارشاد قرآنی میں صاف اعلان ہے کہ منافق قیامت تک مدینہ منوّرہ کے شہر پاک میں عزّت اور شان کی زندگی حاصل نہیں کرسکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین اسی شہر پاک میں نہایت شان و شوکت اور عزّت و وجاہت کے ساتھ سلطنت و حکومت فرماتے رہے۔ ہزاروں ان کے غلام، لاکھوں جانثار اور قیامت تک کروڑوں ان کے مداح تھے اور رہیں گے۔ پھر کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ان پاک ہستیوں کے متعلق کچھ بدگمانی پیدا ہوسکے۔ خوب یاد رکھیئے کہ ان پاک ہستیوں کے متعلق ادھر دل میں کوئی بدگمانی پیدا ہوئی اور اُدھر قرآن پاک کی تکذیب لازم آئی۔ کیونکہ قرآن پاک میں ان کی جابجا تعریف ہے۔

پس اے مسلمانوں! صحابہ کرام بالخصوص خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کامل و اکمل مومن یقین کر کے اپنے ایمانوں کو بھی کامل و مضبوط بنالو اور ان پاک لوگوں کے متعلق کسی بدگمانی کا وہم تک بھی نہ لاؤ۔ ورنہ قرآن و ایمان دونوں ناراض ہوجائیں گے۔

ظاہر و باطن

خدا تعالیٰ قرآن پاک میں منافقوں کے متعلق فرماتا ہے کہ:-

يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ (پ۴ ع ۷) "یعنی منافقوں کے دلوں میں کچھ اور رہوتا ہے اور زبان پر کچھ اور؟

منافق چونکہ مغلوب ہوتا ہے اس لیے دل کی بات زبان پر نہیں لاسکتا اور مومن کا ظاہر و باطن ایک ہوتا ہے۔ جو کچھ دل میں ہے۔ وہی زبان پر

ہے۔ اور جو زبان پر ہے وہی دل میں ہے۔ مومن کا ظاہر و باطن اور اس کی سیرت وصورت اسلامی ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ ظاہر کچھ اور ہو اور باطن کچھ اور۔ اندر اگر مدینہ منوّرہ کا جلوہ ہے تو باہر لندن کا نظارہ نہ ہو زبان پر اگر نعرہ تکبیر ہے تو دل میں "بندے ماترم" نہ ہو۔ زبان پر اگر پاکستان زندہ باد ہے تو دل میں "جے ہند" نہ ہو۔ زبان اگر دعوئے حبِ اہل بیت عظام ہے تو دل میں اُن سے بغض نہ ہو۔ زبان سے اگر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو صحابہ کرام اور رضی اللہ عنہم کہا جائے تو دل میں ان سے کینہ نہ ہو۔

پس اے مسلمانو! تم اپنے دل وجان اور ذہن و زبان سے اپنے خدا، اپنے مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام اور اہل بیت عظام اور اولیاء کرام کے محبّ و تابع اور مدّاح رہو اور اپنے وطنِ عزیز کے خیر خواہ رہو۔

تکبُّر

تکبّر اور بڑائی ذاتِ باری کے لیے مختص ہے اور خدا تعالےٰ کے سوا کسی دُوسرے کو تکبّر کرنے کا حق حاصل نہیں۔ اِس لیے تکبّر وہ کر سکتا ہے جس سے اور کوئی بڑا نہ ہو اور دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا بھی ایسا بڑا نہیں جس کے اُوپر کوئی دوسرا بڑا نہ ہو۔ حتیٰ کہ ساری کائنات میں حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں مگر تکبّر حضور نے بھی نہیں فرمایا اس لیے کہ اگرچہ آپ ساری کائنات سے بڑے ہیں۔ مگر حضور سے بھی بڑی اللہ کی ذات ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی ہی وہ ذات ہے جس کے اُوپر اور کوئی بڑا نہیں۔ اس لیے تکبّر خدا تعالیٰ کے شایانِ شان ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنے لیے خود فرمایا ہے کہ:۔

اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ۔
(پ۲۸۔ الحشر)

اور حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ :-

اَلْكِبْرُ رِدَائِيْ وَالْعَظَمَةُ اِزَارِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ فِيْهِمَا اَدْخَلْتُهُ النَّارَ۔

"یعنی تکبّر میری اُوپر کی اور عظمت کمر کی چادر ہے یعنی یہ دونوں صفتیں میری ہی ذات کے لئے مختص ہیں جو شخص ان دونوں میں میرے ساتھ لڑے گا" یعنی جو شخص بڑائی اختیار کرے گا تو میں اُسے آگ میں ڈال دوں گا۔"

چنانچہ فرعون، نمرود اور شدّاد وغیرہ نے تکبّر اختیار کیا اور ذلیل ہو کر ہلاک ہوئے۔ شیطان نے بمطابق اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ کے تکبّر اختیار کیا تو

"تکبّر عزازیل را خوار کرد"

کے مطابق ذلیل و خوار ہو گیا۔ اور یہی حشر ہر متکبّر کے لیے ہے۔ جو اپنے آپ ہی کو بڑا سمجھے اور دوسروں کو حقیر۔ اور یہ مرض دنیا بھر میں آجکل عام ہے بقول مولانا رومی ؎

نفس ہر یک کمتر از فرعون نیست
لیک او را عون ما را عون نیست

یعنی آج بھی ہر ایک کا نفس فرعون سے کچھ کم نہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ فرعون کے پاس اسباب شاہی کافی تھے اور ہمارے پاس اتنا سامان نہیں۔ اگر ہمیں بھی اتنا سامان میسّر آجائے تو خدائی دعوٰی کرنے سے ہم بھی باز نہ آئیں (العیاذ باللہ) یہ اشارہ اُن لوگوں کی طرف ہے جو دنیوی اور فانی جاہ و جلال کو پاکر اپنے خالق و مالک کو بھول چکے ہیں، اور اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اسی تکبّر کے باعث ماں باپ کی تعظیم نہیں کی جاتی۔ اسی تکبّر کی وجہ سے بزرگانِ دین اور علمائے کرام کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ حتٰی کہ اسی تکبّر کی وجہ سے اولیاء کرام اور انبیاءِ عظام

کو اپنی مثل سمجھا جانے لگتا ہے اور یہ بہت بُری بات ہے۔ تکبّر سے آدمی اُٹھتا نہیں گرتا ہے اور تواضع سے پست نہیں بلکہ بلند ہوتا ہے۔

مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَ اللّٰهُ۔ "جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے۔ خدا اُسے بلندی عطا فرماتا ہے۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے باوجود ساری کائنات سے افضل و اعلیٰ اور برتر و بالا ہونے کے تواضع اختیار فرماتے ہو۔ فرمایا: اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ۔ اور اللہ تعالےٰ نے آپ کو اتنا بلند فرما دیا کہ ساری بلندیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے قدم چوُمنے لگیں اور عرش بھی پابوس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم ہو گیا۔

خوب یاد رکھیے اللہ تعالےٰ کا جلال و غضب ہمیشہ متکبّر اور اکڑنے والے ہی پر بھڑکتا ہے اور اللہ کے آگے جھک جانے والے پر ہمیشہ اس کا عفو و کرم اور اس کی رحمت ہی نازل ہوئی ہے۔ شیطان اپنے گناہ پر اکڑا۔ اور مارا گیا اور حضرت آدم علیہ السّلام بغیر ارادہ و عزم کے اپنی معمولی لغزش پر بھی۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ کہہ کر جھک گئے تو اللہ کی رحمت نے اپنی آغوش میں لے لیا۔

ایک عام فہم اور سادہ مثال حقّہ کی سُن لیجیے کہ حُقّہ کی دو شاخیں ہوتی ہیں۔ ایک اکڑی ہوئی اور ایک جُھکی ہوئی۔ دیکھ لیجیے جُھکی ہوئی شاخ کو سب مُنہ لگاتے ہیں۔ گویا چُومتے ہیں اور اکڑی ہوئی شاخ کے سر پر آگ رکھی جاتی ہے۔ گویا اکڑنے کا نتیجہ آگ ہے۔

پس اے مسلمانو! تم چاہے کتنے بڑے بھی کیوں نہ ہو جاؤ۔ خبردار! تکبّر اختیار نہ کرنا۔ اور اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر دوسروں کو حقیر نہ جاننا اور اپنے خالق کو جو سب بڑوں سے بڑا ہے۔ کبھی نہ بھولنا۔ اس کے احکام کے آگے جُھک جانے کی عادت اختیار کرو۔ اس کے پیارے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے بھی اپنے آپ کو جھکا دو۔ اور کبھی اُن کے مثل ہونے کا وہم تک بھی نہ لاؤ۔ یہی طریق فلاح کا ہے اور اسی میں دین و دنیا کی بہتری مُضمر ہے۔

بدنصیب انسان

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ایک مرتبہ وعظ فرمانے کے لیے منبر پر چڑھ رہے تھے تو ہر سیڑھی پر آمین فرمانے کی آواز حاضرین نے سُنی۔ وعظ کے بعد آمین فرمانے کا سبب پوچھا گیا تو حضور علیہ السّلام نے من جملہ تین آمینوں کے ایک آمین کے متعلق فرمایا کہ جبریل امین نے دُعا کی تھی کہ:

بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ۔

"یعنی وہ شخص رحمت حق سے دُور ہوا۔ جو ماہِ رمضان کو پائے اور (روزے نہ رکھنے کی وجہ سے) اس کی مغفرت نہ ہو"

تو میں نے جبریل کی اس دُعا پر آمین کہی تھی" مسلمانوں کے لیے اس حدیث پاک میں بہت بڑا درسِ عبرت ہے۔ رمضان شریف کا مہینہ آتے اور کوئی مسلمان بغیر کسی عذرِ شرعی کے روزہ نہ رکھے تو ایسے بدنصیب انسان کے لیے جبریل امین بد دُعا کرتے ہیں کہ وہ بدنصیب انسان اللہ کی رحمت سے دُور ہو جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دُعا پر آمین فرماتے ہیں۔ جس کے لیے بد دُعا کریں حضرت جبریل علیہ السلام اس پر آمین فرمائیں سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے شخص کی بد قسمتی و بدنصیبی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ یقیناً ایسا شخص بڑا ہی بدنصیب ہے۔

پس اے مسلمانو! رمضان شریف کا مہینہ پاؤ تو روزے رکھ کر اللہ کی رحمت و مغفرت حاصل کر لو۔ بغیر کسی عذرِ شرعی کے روزے نہ رکھ

کر بدنصیبوں کی لسٹ میں اپنا نام نہ لکھواؤ۔

رمضان اور قرآن

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ۔ "یعنی قرآن پاک ماہِ رمضان میں نازل ہوا ہے۔"

انبیاء سابقہ علیہم السّلام پر جو کتابیں اتریں اور جو صحیفے نازل ہوئے وہ بھی اِسی مہینے میں اُترے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر جو صحیفے نازل ہوئے وہ رمضان شریف ہی کی پہلی یا تیسری کو اُترے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السّلام پر زبور شریف اِسی مہینے کی بارہ کو اُتری تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو تورات شریف رمضان کی سولھویں کو ملی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل بھی اسی مہینے میں مِلی۔ اِسی طرح آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ عظمت والی اور قیامت تک کے لیے مشعلِ ہدایت کتاب قرآن پاک بھی اِسی مہینے میں نازل ہوئی۔

رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔ اور قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں:۔

اَلصِّیَامُ وَالْقُرْاٰنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ۔

روزے اور قرآن دونوں بندے کی شفاعت کریں گے۔ رمضان کہے گا۔ اے اللہ! میں نے اس بندے کو دن میں کھانے پینے اور شہوت سے روکے رکھا۔ اب میں اس کی شفاعت کرتا ہوں۔ اِسے بخش دے۔ قرآن فرمائے گا۔ اے اللہ! میں نے اِسے رات کو سونے سے روکے رکھا۔

اب میں اس کی شفاعت کرتا ہوں ۔ اسے بخش دے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔

فَیُشَفَّعَانِ ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۵)

"پس دونوں کی شفاعت قبول فرمالی جائے گی"

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف سے قرآن پاک کو ایک خاص تعلق ہے ۔ روزے دار دن میں روزے سے ہوتا ہے اور رات کو نماز تراویح میں قرآن پڑھتا پڑھاتا ، سنتا اور سناتا ہے اور یہ دونوں باتیں اس کے لیے موجب نجات بن جاتی ہیں ۔

پس اے مسلمانو! روزہ بھی رکھو اور تراویح بھی پڑھو ۔ یہ نہیں کہ روزہ تو رکھ لیا اور تراویح نہ پڑھی یا تراویح پڑھ لی اور روزہ نہ رکھا ۔ اوّل تو کوشش کرو کہ تلاوتِ قرآن دن میں بھی ہو ۔ ورنہ رات کو تراویح تو ضرور پڑھو ۔ اور چونکہ رمضان و قرآن کا آپس میں گہرا تعلق ہے اس لیے اس ماہِ مبارک میں قرآن اور اس کے احکام کو مدِّ نظر رکھو ۔ یہ نہیں کہ روزہ بھی رکھو اور شطرنج بھی کھیلا جا رہا ہو ۔ روزہ بھی ہو اور سینما کا شو بھی دیکھا جا رہا ہو ۔ روزہ بھی ہو اور غبن ، خیانت اور کم تولنے کا سلسلہ بھی جاری ہو ۔ اس ماہِ مبارک میں قرآن کے احکام کو مدِّ نظر رکھ کر اپنی زندگی کو پاک صاف اور ستھرا کر کے مستقل طور پر نیک بن جاؤ اور لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ کا سنہری تمغہ حاصل کر لو ۔

تراویح اور تہجّد

نمازِ عشاء کے بعد سونے سے پہلے رمضان شریف میں جو نماز پڑھی

جائے اُسے تراویح کہتے ہیں اور جو سونے کے بعد نفل پڑھے جائیں اُسے تہجّد کہتے ہیں۔ رمضان کا مہینہ ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نماز تہجّد اخیر شب میں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

کَانَ یَنَامُ اَوَّلَہٗ وَیَقُوْمُ اٰخِرَہٗ۔ یعنی حضور اوّل شب آرام فرماتے اور آخر شب تہجد پڑھتے۔"

اسی لیے سردار اہلِ حدیث مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی لکھا ہے کہ:۔

اوّل شب میں تہجّد نہیں ہوتی (اخبار اہلحدیث ۷ شوال ۳۹ھ ہجری)

اور امام اہل حدیث جناب وحید الزمان صاحب نزول الابرار ص۱۲۶ پر لکھتے ہیں کہ:

وَالتَّھَجُّدُ مَاکَانَ بَعْدَ النَّوْمِ

"یعنی تہجّد کی نماز وہ ہے۔ جو سونے کے بعد پڑھی جائے"۔

معلوم ہُوا کہ نماز تراویح دوسری نماز ہے۔ جو رمضان شریف کے ساتھ مخصوص ہے اور سونے سے پہلے پڑھی جائے۔

یہ حقیقت معلوم کرنے کے بعد اس حدیث کا مطلب واضح ہو گیا جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رمضان و "غیر رمضان" میں گیارہ رکعت (مع وتر کے) پڑھا کرتے تھے۔ "غیر رمضان" کا مطلب بتا رہا ہے کہ یہ حضور کی نماز تہجد تھی۔ جو رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی پڑھی جاتی تھی اور اگر نمازِ تہجّد کو نماز تراویح بتایا جائے تو پھر یہ نماز تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی پڑھی جانی چاہیئے۔ حالانکہ ایسا کوئی نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ نماز تہجد اور ہے اور نماز تراویح اور۔

پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ رمضان شریف میں عبادت کی کثرت اختیار

کریں۔ تراویح بھی پڑھیں۔ تہجد بھی پڑھیں۔ یہ نہیں کہ تہجد اور تراویح کو ایک ہی قرار دے کر عبادت کو کم کر دینے کی کوشش کی جائے۔

لفظِ تراویح

تراویح عربی لفظ ہے اور جمع کا صیغہ ہے۔ جیسے مصباح کی جمع ہے، مصابیح۔ تراویح جمع ہے ترویحہ کی اور ترویحہ کا معنیٰ ہے۔ ایک دفعہ آرام کرنا۔ چونکہ صحابہ کرام و تابعین کرام تراویح پڑھتے ہوئے ہر چار رکعات کے بعد آرام کیا کرتے تھے۔ اس لیے اس نماز کو تراویح کہتے ہیں۔ چنانچہ محدثین کرام لکھتے ہیں کہ:۔

اِنَّمَا سُمِّیَ بِهَا لِاَنَّ الصَّحَابَةَ کَانُوْا یَسْتَرِیْحُوْنَ بَیْنَ کُلِّ اَرْبَعِ رَکْعَاتٍ مِنْ اَجْلِ طُوْلِ قِیَامِهِمْ فِی الصَّلٰوةِ۔ (مجالس الابرار۔ صد ۱۹۸)۔ "یعنی اس نماز کا نام تراویح اس لیے ہے کہ صحابہ کرام ہر چار رکعت کے بعد بسبب طول قیام آرام کیا کرتے تھے۔"

یہ حقیقت معلوم کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ تراویح کی آٹھ رکعات نہیں ہو سکتیں۔ کہ ایک دفعہ آرام کرنے کا نام ہے "ترویحہ" اور دو دفعہ آرام کرنے کا نام ہے "ترویحتان" اور تین یا تین دفعہ سے زیادہ دفعہ آرام کرنے کا نام ہے "تراویح" اب اگر تراویح کی آٹھ رکعات مانی جائیں تو وہ تراویح بن ہی نہیں سکتیں۔ اس لیے کہ آٹھ رکعات میں چار رکعت کے بعد صرف ایک ہی دفعہ آرام کرنے کا موقعہ آتا ہے اور ایک ہی "ترویحہ" ثابت ہوتا ہے اور اگر آٹھ رکعت کے بعد بھی ایک ترویحہ شمار

کرلیا جائے تو ترویحہ نہ سہی ترویحتان ہو گئے۔ تراویح پھر بھی نہ ہوئے۔ ہاں اگر بیس ۲۰ رکعات پڑھی جائیں تو درمیان میں چار دفعہ ترویحہ کا موقع آئے گا اور جمع کی تعداد صحیح ہو جائے گی اور چار ترویحے مل کر تراویح بن جائیں گے معلوم ہُوا کہ لفظ تراویح بھی اس امر پر شاہد ہے کہ تراویح کی رکعات بیس ہیں۔ اور آٹھ رکعات کو تراویح کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ :-

"ایک مستورات آرہی ہے"

پس اے مسلمانو! تراویح پڑھنا ہے تو بیس رکعات پڑھو۔ اس لیے کہ تراویح نام ہی تین چار ترویحوں کا ہے۔

بیس ۲۰ رکعات

تراویح کی بیس ۲۰ رکعات حدیث سے ثابت ہیں۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ کے مصنّف کی یہ حدیث بیہقی نے اپنے سنن میں روایت کی ہے۔

عَنْ ابن عباس اَن رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصلّی فی رمضان عشرین رکعۃً والوتر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم رمضان میں بیس رکعات تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک کے متعلق یہ روایت ہے کہ :-

کَانُوْا یَقُوْمُوْنَ عَلٰی عَھْدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِیْنَ رَکْعَۃً (بیہقی سنن کبریٰ ج ۲ ص ۴۹۶)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے عہد مبارک میں ماہِ رمضان میں لوگ بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ تراویح کی رکعات بیس ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس نہ پڑھی ہوتیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے علمبردار حق اور حق و باطل میں فرق کر دینے والے عظیم الشان صحابی بیس رکعات کیوں پڑھتے اور پڑھنے دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا بھر میں اور چاروں مذاہب میں کسی کے نزدیک بھی تراویح بیس رکعات سے کم نہیں ہیں۔ آج مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بھی بیس رکعات ہی پڑھی جاتی ہیں۔ خوب یاد رہے کہ آج کل مکہؔ معظمہ و مدینہ منورہ میں نجدی حکومت قائم ہے اور ہمارے یہاں کے اہل حدیث حضرات اس حکومت کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ اور اُسے کتاب و سنت پر چلنے والی اور بدعت کو مٹانے والی حکومت بتاتے ہیں۔ یہ حکومت بھی تراویح کی رکعات بیس ہی بتاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں بیس رکعات ہی پڑھائی جاتی ہیں اور اگر نجدی حکومت بیس رکعات کو حدیث و سنّت سے ثابت نہ سمجھتی تو جس حکومت نے مزاراتِ مقدسہ کو بزعم خویش حدیث و سنّت کے خلاف سمجھ کر گرا دیا ہے۔ وہ بیس رکعات کو کب چھوڑنے والی تھی۔ اب یہ اللہ ہی بہتر جانے کہ حضرات اہل حدیث نجدی حکومت کے اس فعل کو کتاب و سنّت کے موافق کیوں نہیں سمجھتے۔؟ اگر سمجھتے ہیں تو بیس رکعات کو خلاف سنت کیوں کہتے ہیں اور اگر نہیں سمجھتے تو اسے کتاب و سنت پر چلنے والی حکومت کیوں بتاتے ہیں۔؟

پس اے مسلمانو! نماز تراویح متفق طور پر بیس رکعات سے ہرگز کم نہیں ہے۔ عبادت میں کمی کی بے سُود تلاش نہ کرو اور تراویح بیس ۲۰ رکعات ہی پڑھو۔

احتیاط

آپ نے مثلاً ایک ضروری چیز خریدنی ہے جو لاہور سے ملتی ہے اور آپ وہ چیز خریدنے کے لیے گھر سے لاہور روانہ ہونے والے ہیں۔ دور دراز کا سفر ہے اور آپ وہ چیز خریدنے کے لیے لاہور جا رہے ہیں۔ ہر ایک شخص نے آپ کو بتایا کہ وہ چیز بیس روپے کو ملے گی۔ مگر کسی نے یہ کہہ کر آپ کو شبہ میں ڈال دیا کہ نہیں صاحب وہ چیز آٹھ روپے میں مل سکتی ہے۔ تو فرمائیے اور خوب سوچ سمجھ کر بتائیے کہ آپ گھر سے اس چیز کے لیے آٹھ روپے لے کر نکلیں گے یا بیس؟

ہر صاحب عقل و فہم اس موقعہ پر اس چیز کے لیے گھر سے بیس روپے ہی لے کر نکلے گا۔ اس لیے کہ اس کے پیش نظر یہ بات ہو گی کہ اگر وہ چیز بیس روپے کو ملی تو میرے پاس بھی بیس روپے موجود ہوں گے اور اگر بالفرض آٹھ کو ملی تو بھی میرے پاس بیس روپے تو ہوں گے ہی۔ اور آٹھ بھی بیس میں ہوتے ہی ہیں، تو بھی وہ چیز ضرور لے لوں گا۔ اور اگر میں گھر سے آٹھ روپے لے کر نکلا تو لاہور میں جا کر اگر وہ چیز آٹھ روپے کو ملی تو لے سکوں گا اور اگر وہ بیس کو ملی تو پھر کیا کروں گا۔ وہاں تو کسی سے اُدھار بھی نہیں ملے گا۔ تو خواہ مخواہ کا یہ سفر اکارت جائے گا۔

لہٰذا احتیاط یہی ہے کہ گھر سے بیس کا ہی انتظام کر کے چلو۔

بھائیو یہ ایک مثال ہے۔ اب خوب سمجھ لو کہ سب مذاہب والے تراویح کی رکعات بیس ہی بتا رہے ہیں۔ اب اگر کوئی آواز آپ کے کان میں آٹھ کی بھی پڑے تو احتیاط بھی اسی بات میں ہے کہ آپ گھر سے بیس ہی پڑھ کر اس دنیا سے سدھاریں۔ اس لیے کہ کل قیامت کے روز یہ رکعات بیس ہی ظاہر ہوں گی اور آپ کی بیس رکعات پڑھی ہوئی کام آجائیں گی اور

بالفرض اگر آٹھ رکعات نکلیں تو بھی آپ کو تکلیف نہ ہوگی کہ بیس پڑھنے والے نے آٹھ بھی یقیناً پڑھی ہیں۔ ۱۲ عدد زائد نوافل سہی۔ اور اگر یہاں آٹھ پڑھ کر نکلے تو کل قیامت کے روز بالفرض آٹھ ثابت ہوئیں۔ جب تو ٹھیک اور اگر بیس نکلیں تو پھر کیا بنے گا؟ وہاں تو کوئی اُدھار بھی نہیں دے گا۔

پس اے مسلمانو! احتیاط بھی اسی بات میں ہے کہ تراویح بیس ہی پڑھ کر دنیا سے سدھارو۔

فضول خرچی

مولانا رُومی علیہ الرحمۃ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ صاحب جو تھے تو مفلس مگر انھیں امارت ظاہر کرنے کا بڑا شوق تھا۔ انھوں نے تھوڑی سی چربی خرید رکھی تھی۔ وہ ہر روز اُسے پگھلا کر اپنی مونچھوں پر مَل کر باہر نکلتے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ خوب گھی کھا کر نکلے ہیں۔ کچھ روز تو وہ اس نمائش میں رہے مگر ایک روز وہ ساری چربی بلّی کھا گئی۔ اب ان میں اتنی سکت بھی نہ تھی کہ اور چربی خرید لائیں۔ آخر وہی خشک مونچھیں منہ پر نظر آنے لگیں۔

اِسی طرح جو لوگ عید کے روز نمائش کے لیے اپنی توفیق سے زیادہ خرچ کر کے جیب خالی کر لیتے ہیں اور روزِ عید کے بعد بھوکے مرنے لگتے ہیں، وہ بہت بڑے بے وقوف اور ناعاقبت اندیش ہیں۔

پس اے مسلمانو! عید کے روز فضول خرچی سے بچو اور شریعت کے دائرہ میں رہ کر خرچ کرو۔

عید کے روز

مسلمان اپنے ہر کام میں اپنے اللہ و رسول کو پیش نظر رکھتا ہے۔ اس کا کوئی کام دین و شرع سے باہر نہیں ہوتا۔ عید کا روز خوشی کا روز ہے۔ مگر یہ خوشی بھی بہر حال خوشی بخشنے والے کی مرضی کے مطابق کی جائے گی۔ شریعت نے اس روز پانچ نمازوں کے علاوہ ایک چھٹی نماز بھی پڑھنے کا ارشاد فرمایا ہے اور مسلمان عید کے روز عید کی خوشی میں چھ نمازیں پڑھتے ہیں۔ مگر نئی تہذیب کا کرشمہ دیکھئے کہ سینما والے اس روز اس قسم کا اشتہار چھاپتے ہیں کہ:۔

"عید کی خوشی میں چار شو"

گویا عید کا روزِ سعید بخشنے والے اللہ کی مرضی کے خلاف اس روز اور بھی زیادہ سرگرمی دکھائی جائے گی۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ؕ

کس قدر اندھیر ہے کہ اس نئی روشنی کا کہ انجام و عاقبت نظروں سے بالکل ہی اوجھل ہو گئی۔

پس اے مسلمانو! ناعاقبت اندیش نہ بنو اور عید کے روز کو عید کا روز ہی رہنے دو۔ اُسے عید کی بجائے وعید کا روز مت بناؤ۔

ستائیسویں شب

لیلۃ القدر میں اختلاف ہے کہ وہ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں کونسی رات ہے۔ بعض کے نزدیک ۲۱ ویں رات ہے۔ بعض کے نزدیک ۲۹ ویں۔ بعض کے نزدیک ۲۵ ویں رات ہے۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ

نے غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرمایا ہے کہ

وَاٰکِدُھَا لَیلَۃُ سَبعٍ وَعِشرِینَ ۝

یعنی قوی تران میں سے یہ ہے کہ وہ ۲۷ ویں رات ہے۔ پھر حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ عددِ طاق میں سے جو فضیلت سات کے عدد کو ہے وہ کسی اور عدد میں نظر نہیں آتی۔ دیکھئے آسمان سات ہیں، زمینیں سات ہیں۔ راتیں سات ہیں۔ سمندر سات ہیں۔ صفا مروہ کے درمیان سعی کی تعداد سات ہے۔ کعبۃ اللہ کے طواف کے چکروں کی تعداد سات ہے۔ الحمد شریف کی آیات سات ہیں۔ جہنم کے دروازے سات ہیں۔ اصحاب کہف سات ہیں۔ قوم عاد پر جو آندھی آئی۔ وہ سات راتوں تک رہی۔ حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں سات سال رہے اور خواب دیکھنے والے نے سات گائیں دیکھیں۔ پانچ نمازوں کی کل فرض رکعات ۱۷ ہیں نسب کی جانب سے حرام عورتوں کی تعداد سات ہے۔ صہریت کے باعث حرام عورتوں کی تعداد بھی سات ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جب نکاح ہوا تھا تو آپ کی عمر شریف سات برس کی تھی۔ وغیر ذالک۔ پس لیلۃ القدر بھی ستائیسویں رات کو ہے۔

بعض علماء نے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ سورۃ اِنَّآ اَنزَلنٰہُ الخ میں لفظ "لَیلَۃُ القَدر" تین مرتبہ آیا ہے اور "لَیلَۃُ القَدرِ" کے حروف نو ہیں اور عدد نو کو تین مرتبہ جمع کیا جائے تو ۲۷ بنتے ہیں۔ اس میں بھی اشارہ ہے اس طرف کہ "لَیلَۃُ القَدر" ۲۷ رات کو ہے۔

بہر حال لیلۃ القدر رمضان شریف کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔

پس مسلمانوں کو چاہئیے کہ وہ اوّل تو اس آخری عشرہ کی ساری راتوں کو غنیمت جانیں اور شب بیداری و عبادات و استغفار میں مشغول رہیں ورنہ کم از کم ۲۷ویں رات کو تو ضرور ہی جاگیں، عبادت کریں، روئیں اور

گناہوں کی معافی چاہیں۔

ہمیں پیچھے ہٹنا چاہیئے

۳۱۳ مقدس انسانوں کی چھوٹی سی جماعت نے جن کے پاس ساز و سامان نام خدا و دامنِ مصطفےٰؐ کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک ہزار مسلح افواج کو بدر کے میدان میں نیچا دکھادیا۔ یعنی اس نور ایمان کی تیز مشعل نے ظلمتِ تیرہ و تار کو آناً فاناً کافور کر دیا۔ اگر وہی ماضی ہمارے ہاتھ پھر لگ جائے اور اگر وہی جذبہ اور وہی تڑپ آج پھر پیدا ہو جاتے تو ہم اس کلیہ کو کہ "ماضی وحال کے ڈانڈے نہیں ملائے جاسکتے" غلط ثابت کرسکتے ہیں۔

پس ہمارے لیے ضروری ہے کہ بجائے اندھا دھند آگے بڑھنے کے ہم اپنے ماضی کی طرف پیچھے ہٹیں اور پھر اسی دائرہ میں جمع ہو جائیں جس میں ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کھڑا کیا تھا اور جس کی حدود کو پھاند کر ہم اِدھر اُدھر منتشر ہو چکے ہیں۔

فضول خرچی

اسلام نے ہمیں فضول خرچی سے روکا ہے۔ حتیٰ کہ وضو کرتے وقت نہر کے کنارے پر بھی کوئی بیٹھا وضو کر رہا ہو تو پانی زیادہ خرچ کرنے کی ممانعت ہے۔ قرآن پاک نے فضول خرچوں کو شیطان کا بھائی بتایا ہے۔ باوجود اس کے آج ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ ہم عید کے روز اندھا دھند

خرچ کرتے ہیں فضول خرچی کا ریکارڈ توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ جو دن عبادت میں گزارنا تھا۔ اُسے لہو ولعب، سینما اور تھیٹروں کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ اس روش کو دیکھ کر سینما والے بھی عید کی خوشی میں "چار شو" کے اعلان کر کے فضول خرچوں کی فضول خرچیوں سے فائدہ اُٹھانے کی فکر کرنے لگتے ہیں۔ ان فضول خرچیوں کا وقتی لطف اور عارضی سرور انجام کار بڑا بھیانک اور مہلک ہوتا ہے۔ جس طرح کسی کھجلی کے مریض کو کھجانے میں بڑا لطف ومزہ ملتا ہے۔ مگر انجام کار وہ برباد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے۔؎

اے عیش وطرب تو نے جہاں راج کیا\
سلطان کو گدا غنی کو محتاج کیا!\
ویران کیئے تو نے نینوا و بابل!\
بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا!

پس ہر مسلمان بھائی کو چاہیے کہ وہ بالخصوص عید کے روز عیش وعشرت میں پڑ کر فضول خرچیوں کے قریب تک نہ جائے۔ اور لہو ولعب میں مشغول ہو کر دین کے علاوہ اپنی دنیا بھی برباد نہ کرے۔

اتباعِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم

جو لوگ صرف قرآن ہی کو واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ قرآن ہی کا ارشاد سُنیں کہ قرآن پاک خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کا درس دے رہا ہے۔ چنانچہ قرآنِ پاک فرماتا ہے:۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ — اے نبی! لوگوں سے فرما دو کہ اگر تم اللہ سے

فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ پ۳۔ آل عمران) محبّت چاہتے ہو تو میری (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کرو۔"

اور دوسری جگہ فرمایا :۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ فرما دیجئے! اللہ کا حکم مانو۔ اور رسول کا فرمان بجالاؤ۔

دیکھئے ان دو آیتوں میں دو لفظ فرمائے گئے ہیں۔ پہلی آیت میں "اتباع" ہے اور دوسری میں "اطاعت"۔

"اتباع" کہتے ہیں فعل کی پیروی کو۔ اور "اطاعت" نام ہے۔ قول و حکم کی تعمیل کا۔ اور اس فرق پر قرآنِ پاک شاہد ہے۔ چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق مذکور ہے کہ آپ نے اپنی قوم سے ارشاد فرمایا کہ :۔

وَاِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحْمٰنُ "تمہارا رب رحمٰن ہے۔ پس تم میری فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْا اَمْرِیْ۔ پیروی کرو اور میرا حکم مانو"۔

اس آیت میں "اتباع" و "اطاعت" دونوں کا حکم ہے۔ اگر دونوں ایک چیز ہوتیں تو لفظ "اَطِیْعُوْا" فرمانے کی حاجت نہ تھی۔

"فَاتَّبِعُوْنِیْ" کہنا کافی تھا معلوم ہوا کہ فعل کی پیروی کا نام "اتباع" ہے اور حکم کی تعمیل کا نام "اطاعت" پس قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ میں اس بات کا حکم ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی پیروی کریں۔ اور اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ میں اس بات کا حکم ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کریں۔ گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جملہ اقوال و افعال واجب الاطاعت والعمل ہیں اور اسی لیے خدا تعالیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔

پس ہر مسلمان کو لازم ہے کہ وہ قرآن پاک کے ارشاد کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر زمانہ و ہر قرن کے لیے لائق اقتداء و اتباع سمجھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل و قول کو حجت سمجھے اور آپ کے اتباع اور آپ کے احکام کی تعمیل کو لازم جانے اور حدیث پاک سے بے نیاز ہو کر خدائے بے نیاز کو ناراض نہ کرے۔

خلافِ پیمبر

اکبر الٰہ آبادی نے "اتباعِ رسولؐ" ہی کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :-

کوئی کہتا ہے رکھو صاحب سے میل
کہ آخر کی گھر میں رہے ریل پیل!
کسی سمت کونسل کی دل میں ہے چوٹ
عوض لٹھ کے آپس میں چلتے ہیں ووٹ
کسی سر میں ہے لیڈری کی ہوس
کوئی شہداء سپیچ کی ہے مگس
کسی کو ہے مضمون نگاری کی دُھن
کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پُن
کسی کو عمارت بنانے کا شوق
کسی کو نمود و نمائش کا ذوق!
کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں!
سٹرک کو کوئی روک سکتا نہیں!

جدھر بحر ہستی بہائے بہیں!
خدا سے دُعا ہے کہ سب خوش رہیں
مگر شیخ سعدی کی ہے ایک بات
مسلماں کو ہے فرض ادھر التفات
خلافِ پیمبر کسے رہ گزید!!
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پس ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت اپنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ کو پیشِ نظر رکھے۔

صحابہ کرام علیہم الرّضوان

خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ۔ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔	"جب اللہ کی مدد اور فتح آئی۔ اور لوگوں کو تم نے دیکھا کہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہوتے ہیں"

دیکھیے اِس آیت کے مطابق اللہ کی مدد اور فتح آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی غلامی یعنی اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہوئے اور اگر یوں سمجھا جائے کہ یہ لوگ واقعی اللہ کے دین میں داخل ہوئے اور یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں۔ جنھیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک کے اس ارشاد کے مطابق یہ لوگ واقعی اللہ کے دین میں داخل ہوئے اور اگر یوں سمجھا جائے کہ یہ لوگ دین اللہ میں بصدق دل داخل نہیں ہوئے تھے تو خدا کا یَدْخُلُوْنَ فرمانا غلط ٹھہرتا

ہے (العیاذ باللہ) اگر یوں سمجھا جائے کہ صرف ایک دو ہی شخص دین میں داخل ہوئے تو خدا کا "افواجاً" فرمانا غلط ٹھہرتا ہے۔ (معاذ اللہ)

پس ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جملہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے جانباز اور کامل الایمان سمجھے اور ان نفوس قدسیہ کی تعداد ہزاروں تک سمجھے۔

لہو الحدیث

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشرکین مکہ میں سے ایک شخص نضر بن حارث عراق کی طرف سوداگری کو جایا کرتا تھا اور وہاں سے کبھی گانے والی لونڈیاں خرید لاتا، کبھی رستم و اسفندیار کے قصے کی کتابیں۔ مکہ معظمہ میں واپس آکر مجالس فسانہ گوئی اور رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرتا اس سے اس کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کو قرآن حکیم کے مواعظ و حکم سننے سے باز رکھے۔ اور ناچ گانوں کی طرف مشغول رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقعہ پر ارشاد فرمایا:-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ	اور ایک وہ لوگ ہیں جو خریدار ہیں۔
لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ	کھیل کی باتوں کے تاکہ بھٹکائیں اللہ کی
اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا	راہ سے بے سمجھے اور اُسے ہنسی بنالیں۔
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ٥	ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔"

(پ ۲۱۔ لقمان)

یہاں "لہو الحدیث" سے مراد وہ چیز ہے جو انسان کو اس کے نیک مقاصد اور کام کی باتوں سے روک دے۔ جیسے رقص و سرود، ناچ، گانے، جھوٹے قصے

ڈرامے، افسانے اور کھیل تماشے اور دوراز کار باتیں جو یادِ خدا سے غافل کر دیں اور حکمت و موعظت کی باتوں سے دُور ڈال دیں۔

پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْھَا کَاَنَّ فِیْۤ اُذُنَیْہِ وَقْرًا ۔

"اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں۔ تو تکبّر کرتا ہوا پھرے۔ جیسے اُنھیں سُنا ہی نہیں۔ جیسے اس کے کانوں میں ٹھینٹ ہے۔"

ان آیاتِ شریفہ کے مطابق رقص و سرود، ناچ گانوں، کھیل تماشے وغیرہ کی جملہ مجلسیں ناجائز اور حرام ہیں۔ اس لیے کہ ایسی مجلسوں میں شرکت کرنے والا یادِ خدا سے غافل ہو جاتا ہے اور ناچ گانوں میں کچھ ایسا محو ہو جاتا ہے کہ قرآن پاک کی آیات پڑھی جائیں تو سُنتا ہی نہیں۔ گویا اس کے نزدیک رقص و سرود ہی اسلام ہے۔ (معاذ اللہ)

پس ہر مسلمان کو لازم ہے کہ قرآن و حدیث سے محبّت و پیار رکھے اور ایسی ایسی مجلسیں قائم کرے جن میں قرآن و حدیث کا ذکر ہو اور حمد و نعت کے نغمات کی آواز سُنائی دے۔

شرعی کرفیو

خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ذٰلِکَ اَزْکٰی لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ

مسلمان مردوں کو حکم دو۔ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے بہت سُتھرا ہے۔ بیشک اللہ کو

بِمَا يَصْنَعُوْنَ - وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ
يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ
يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ
اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ
بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ اِلَّا
لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ (الآیۃ)

(پ۱۸ - سورہ نور)

ان کاموں کی خبر ہے اور مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگار نہ دکھائیں۔ مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں۔ مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا شوہر کے باپ یا اپنے بیٹے یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں۔ یا وہ بچے جنھیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں۔ کہ جانا جائے اُن کا چھپا ہوا سنگھار۔

مسئلہ مرد کا بدن زیرِ ناف سے گھٹنے کے نیچے تک عورت ہے۔ اُس کا دیکھنا جائز نہیں[1]

اور آزاد اجنبی عورت کا تمام بدن دیکھنا ممنوع ہے۔

اِنْ لَّمْ يَاْمَنْ مِنَ الشَّهْوَةِ وَاِنْ اٰمِنَ مِنْهَا فَالْمَمْنُوْعُ
النَّظَرُ اِلٰى مَاسِوَى الْوَجْهِ وَالْكَفِّ وَالْقَدَمِ - وَمَنْ يَّاْمَنُ فِيْ
الزَّمَانِ زَمَانُ الْفَسَادِ فَلَا يَحِلُّ النَّظَرُ اِلَى الْحُرَّةِ الْاَجْنَبِيَّةِ
مُطْلَقًا مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ -

---

[1] لہٰذا ایسا لنگوٹ پہن کر نکلنا جس سے زیرِ ناف اور رانیں ننگی نظر آئیں جائز نہیں۔ اسی طرح نیکر میں بھی چونکہ رانیں ننگی نظر آتی ہیں۔ اس لیے وہ بھی جائز نہیں۔ ۱۲۔

یعنی اگر اندیشہ شہوت نہ ہو اور کوئی خاص ضرورت نہ ہو تو چہرہ اور ہاتھ پیر کی کی طرف نظر جائز ہے اور یہ زمانہ تو فساد کا زمانہ ہے۔ اس لیے اجنبی عورت کو بغیر کسی خاص ضرورت کے دیکھنا جائز نہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنے شوہر کے سامنے کسی اجنبی عورت کا حال بیان کرنے سے بھی کہ وہ ایسی ہے اور ایسی ہے۔ منع فرمایا ہے۔ اس لیے کہ اس طرح خاوند خیالی طور پر ہی اس اجنبی عورت کو دیکھے گا۔

(خزائن العرفان)

میرے بھائیو! یہ ہے۔ قرآن حدیث کی تعلیم اور اسلامی درس شرم وحیا اس تعلیم کے مطابق ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت کو اپنی اپنی نظریں نیچی رکھنا ضروری ہیں اور کسی مسلمان عورت کو بے احتیاطی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں اور کسی مسلمان عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ بن ٹھن کر بازاروں میں نکلے اور اپنی زیب و زینت کو غیر محرموں، بیگانوں اور غیر مردوں کے سامنے ظاہر کرتی پھرے اور مسلمان مرد کا یہ حق نہیں کہ وہ اجنبی عورت کے کسی حصہ بدن کو دیکھے۔ خالق کائنات جس نے مرد کو بھی اور عورت کو بھی اور ان کے جذبات کو بھی پیدا فرمایا ہے۔ یہ اسی کا اور اس کے رسول برحق کا ارشاد ہے کہ اجنبی مرد و عورت کا اختلاط جائز نہیں۔ اس میں کئی برائیوں کا خطرہ ہے۔

ناعاقبت اندیش اور بے باک قسم کے کسی شاعر کا ایک شعر ہے۔

؎ چشم را گفتم نظر از خوبرویاں دور دار!
چشم گفتہ کار ما ایں است تو معذور دار!

یعنی میں نے اپنی آنکھ سے کہا کہ حسینوں کو نہ دیکھا کرو۔ تو آنکھ نے جواب دیا۔ میرا تو کام ہی یہی ہے اور میں دیکھنے کے لیے ہی بنائی گئی ہوں۔ اس لیے مجھے اس معاملہ میں معذور سمجھو۔"

آج کل بہت سے آزاد منش افراد اس شعر پہ عمل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور یہی کہتے ہیں کہ صاحب! آنکھ تو ہے ہی دیکھنے کے لیے۔ ایسے افراد میں سے اگر کسی کو کوئی ماں، بہن کی گالی دے اور وہ بُرا منائے اور کہے میاں اپنی زبان کو لگام دو۔ تو گالی دینے والا بھی اگر یہی جواب دے کہ صاحب زبان کا کام تو بولنا ہی ہے اور میں بولا ہی تو ہوں۔ پھر آپ بولنے والی چیز پر پابندی کیوں عائد کرتے ہیں؟ تو فرمائیے یہاں کیا کہا جائے گا۔ اگر آپ یہ کہیں گے کہ بولنا ہے تو اچھا بول بولو۔ اور نیک بات کرو۔ تو آنکھ کے لیے بھی اسلامی حکم یہی ہے کہ دیکھنا ہے تو جائز موقعہ پہ دیکھو۔ پرائی عورت کو دیکھنا ایسا ہی منع ہے، جیسے کسی کو گالی دینا۔

دنیوی حکومتیں بعض اوقات کرفیو اور دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دیتی ہیں اور چار پانچ آدمیوں کا ایک جگہ اکٹھے ہونا ممنوع قرار دے دیتی ہیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ کوئی فتنہ فساد کھڑا نہ ہو جائے۔ پس اسی طرح اجنبی مرد و عورت کے اختلاط کو ممنوع قرار دینا گویا شرعی کرفیو ہے تاکہ کوئی فتنہ نہ اُٹھ سکے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جہاں شرعی کرفیو کی پابندی نہیں ہوتی وہاں کئی قسم کے فتنے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

پس اے مسلمان بھائیو! اپنے اللہ اور اپنے رسولِ برحق کے ارشادات پر عمل کرو اور اپنی نظریں نیچی کر کے چلا کرو اور پرائی عورتوں کی طرف دیکھنا چھوڑ دو۔ اور اے مسلمان بہنو! تم بھی بن سنور کر باہر نہ نکلا کرو اور اگر نکلو، تو پردے کے ساتھ نکلا کرو۔ تاکہ تمہارا سنگھار اجنبیوں پر ظاہر نہ ہو۔ اور اے مسلمان بھائیو! اور بہنو! آپس کے غیر شرعی اختلاط سے باز رہو۔ تاکہ کوئی بُرائی اور شرارت پیدا نہ ہو۔

عورت

عورت کا معنیٰ سنئیے کیا ہے ؟

ہر چہ از دیدن و نمودنِ آں شرم آید

(غیاث اللغات صد ۵۲۳)

"جس چیز کے دیکھنے اور دکھانے سے شرم آئے وہ عورت ہے۔"

عورت کو عورت اسی لیے کہا جاتا ہے کہ پرائی عورت کو دیکھنا اور پرائے مرد کو عورت کا دکھانا موجب شرم ہے۔ گویا "عورت" کے لفظ ہی میں پردہ موجود ہے اور عورت ہوتی ہی وہ ہے جو پردے میں رہنے والی چیز ہو۔ اور پردے میں رہے اور عورت کے لیئے یوں کہنا کہ اُسے پردے میں نہیں رکھنا چاہیے۔ بالکل اسی طرح ہے۔ جیسے یوں کہا جائے کہ کھانے والی چیز کو کھانا نہیں چاہیئے۔ یہ ہے عورت کا معنیٰ اور لفظ عورت کا اقتضاء۔

پس جو عورت اپنے آپ کو دکھاتی پھرے اور اس میں کچھ شرم محسوس نہ کرے۔ بلکہ اس پر فخر کرے تو وہ برائے نام عورت ، عورت ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی عورتیں مردوں کی سی حرکتیں کرتی ہیں۔ جانگیہ پہنتی ہیں، سائیکلوں پر دوڑتی پھرتی ہیں۔ سکوٹر چلاتی ہیں اور اکھاڑوں میں آ کر مردوں سے کشتی بھی لڑتی ہیں اور مردوں کے دوش بدوش چلنے کے ادعا میں مردوں کو پچھاڑنے کی بھی فکر میں ہیں۔

عورت کو عورت نہ رہنے دینے کی ذمہ داری ان ترقی پسند مردوں پر عائد ہوتی ہے جو علماء کرام سے بے حجابی کے موضوع پر جھگڑتے رہے اور عورتوں کو بے حجابی سے پھرنے پھرانے پر زور دیتے رہے ہیں۔ اب ان کو پتہ چل رہا ہے کہ عورت کو پردے سے باہر لا کر ان کی خود اپنی بھی کس طرح بے پردگی ہونے لگی ہے۔ ایسے افراد کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ

شرع میں خود مرد کا بھی زیرِ ناف سے گھٹنے تک کا حصّۂ بدن عورت کہلاتا ہے۔ تو ان کا عورت کو بے حجاب کر دینا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی شلوار یا پتلون اُتار کر اپنے لائقِ ستر حصّہ کو ننگا کر دے۔ اور آج کل ایسے لوگ بھی دُنیا میں پیدا ہو چکے ہیں جو ہر عورت کو بے حجاب رکھنے کے حامی بلکہ اُس پر عامل بھی ہیں۔ یعنی امریکہ میں ایسے ننگے کلب بھی موجود ہیں جس سے یہ مخالفین حجاب ناف سے لے کر زانو تک کے مقام عورت کو بھی بے حجاب کر چکے ہیں۔ اور بالکل ننگے رہتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ہمارے یہاں کے بعض ترقی پسند افراد بھی اس قسم کی بے حجابی یعنی بالکل ننگا ہو جانے کو پسند نہ کرتے ہوں مگر جب کہ وہ "عورت" کو بے حجاب رکھنے کے حامی ہیں تو پھر مرد کے مقام عورت کے لیے حجاب کی پسندیدگی کا کیا مطلب؟ اگر وہ عورت قابلِ حجاب ہے تو یہ عورت بھی قابلِ حجاب ہے اور اگر اس کا زیرِ حجاب رہنا بقول ان کے مضرِ صحت ہے۔

تو اُس کا بھی زیرِ حجاب رہنا مضرِ صحت ہونا چاہیئے اور امریکہ کے ننگے کہتے بھی یہی ہیں کہ لباس پہننے سے سُورج کی شعاعوں سے جسم مستفید نہیں ہو سکتا۔ اور صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

پس اے مسلمان بھائیو! عورت کو عورت رہنے دو۔ اُسے پردے ہی میں رکھو۔ اس لیے کہ یہ ہے ہی عورت۔ اور اے مسلمان بہنو! تم عورت ہو۔ عورت ہی رہو۔ اور اپنے آپ کو یوں بے حجاب و عریاں کر کے سب کی نظروں میں مت آؤ۔ کہ یہ خدا و رسُول کی مرضی کے بھی خلاف ہے۔ شرم و غیرت کے بھی خلاف ہے۔ اور خود تمھارے نام لفظ "عورت" کے معنی کے بھی خلاف ہے۔

شرعی لباس

شرعی لباس کا یہ معنی نہیں کہ وہ عربی وضع کا ہو۔ یا جبہ عمامہ وغیرہ ہو۔ اور کوٹ پتلون نہ ہو۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ شرعی اقتضائے کے مطابق ہو مثلاً جو کپڑا مرد کے لیے جائز نہیں۔ وہ مرد استعمال نہ کرے اور جس کپڑے سے جسم کے قابل ستر حصے ننگے ہوتے ہوں یا نمایاں نظر آئیں۔ وہ مرد و عورت دونوں ہی استعمال نہ کریں۔

پس ریشمی لباس اگرچہ عربی وضع ہی کا ہو۔ شرعی لباس نہیں۔ اسی طرح جس لباس سے مرد کا زیر ناف سے زانو تک کا کوئی حصہ ننگا ہو اور عورت کے بازو، پنڈلیاں، یا پیٹھ اور سینہ وغیرہ ننگا یا نمایاں ہو۔ وہ غیر شرعی لباس ہے۔ چاہے وہ پنجابی یا عربی وضع کا ہو۔ اور اگر لباس ایسا ہو جس سے واقعی لباس کا فائدہ ہو اور جسم کے تمام لائق ستر حصے چھپ سکیں تو وہ چاہے کسی وضع کا ہو۔ شرعی لباس ہے۔

پس اے میرے مسلمان بھائیو! اور بہنو! تم اپنے اپنے لباس پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالو کہ کیا آپ کا لباس واقعی لباس ہے نا! یا برائے نام لباس ایسا لباس ہے۔ جس سے جسم ننگا نظر آتا ہو۔ اور رنگی تہذیب کا لباس ہے اور اسلامی و شرعی لباس نہیں مثلاً یہی تنگ و چست پتلونیں اور جانگیا شرٹ وغیرہ جیسے زنانہ لباس کے کپڑے۔ انصاف سے کہیے۔ کیا یہ مقصدِ لباس پورا کرتے ہیں۔

بھائیو! اور بہنو! تم مسلمان ہو اور اسلام ہمیں شرم و حیا کا درس دیتا ہے۔ لہٰذا تم شرم و حیا کو اپنا کر کوئی ایسا لباس نہ پہنو۔ جس کے باعث شرم و حیا رخصت ہو جائے۔ تم اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی

کرو۔ یورپ کی نہیں۔ یہ یورپ جس کی آجکل یہ نقلیں اُتاری جا رہی ہیں۔ اپنی اِس ننگی تہذیب کے ہاتھوں خود ہی نالاں ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہٹلر و مسولینی کے زمانہ میں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ مسولینی نے عورتوں کے چھوٹے اور نیم برہنہ لباس بند کر دیئے ہیں۔ تھیٹروں میں اُن کا جانا بند کر دیا ہے۔ اسی طرح یورپ کے ایک بہت بڑے اخلاقی فلاسفر ٹالسٹائی کا بیان بھی پڑھا تھا کہ اُس نے یورپین ننگی تہذیب کی دھجیاں اُڑا دی ہیں اور وہ یورپ کی اس فیشن آفرینی اور عورتوں کی بے جا آزادی کو ایک رنڈی سے تشبیہ دیتا ہے۔

پس اے مسلمان بھائیو! اور بہنو! تم اس ننگی تہذیب سے کنارہ کرو اور ننگے لباس پہن کر ننگِ قوم نہ بنو۔

حدیث

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ۔	"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسُول کی اطاعت کرو۔"
مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔	"اور یہ کسی مومن مرد یا مومن عورت کو شایاں نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسُول کسی بات کا فیصلہ کر دے تو وہ اس معاملہ میں اپنا کچھ اختیار سمجھیں۔"
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔	"یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسُول میں نیک نمونہ ہے۔"
وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ	اور جو شخص رسُول کی مخالفت کرے، اس کے بعد کہ اس کے لیے حق کھل چکا اور مسلمانوں کے راستے کے سوا اور راستے

سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَہَنَّمَ ؕ وَسَاءَتْ مَصِیْرًا۔ کی پیروی کی۔ ہم اُسے پھیر دیں گے۔ جدھر وہ پھرتا ہے۔ اور اُسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔

اِس قسم کی کئی آیات قرآنیہ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کی سخت تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بتایا گیا ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اور رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کو اچھا نمونہ فرمایا گیا ہے۔ پھر اگر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور اعمال مبارکہ محفوظ تسلیم نہ کئے جائیں تو آیاتِ مذکورہ بے کار و غیر مفید ٹھہرتی ہیں۔ مگر ایسا نہیں۔

اُنھیں آیات کے پیشِ نظر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال مبارکہ منضبط اور محفوظ کیے گئے اور لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فرما کر اللہ تعالےٰ نے اپنے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے ہر قول و فعل کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال مبارکہ کو ان کے غلاموں کا محفوظ کر لینا ایک ایسا کارنامہ ہے، جس پر غیر مسلم انگشت بدنداں ہیں۔

قرآن پاک کے اجمالات تشریح طلب ہیں اور حدیث پاک ان کی تشریح۔ اگر تشریح کو غیر محفوظ قرار دیا جائے تو اصل کی بھی خیر نہیں۔

پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ دل و جان سے ایمان لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد کو قیامت تک کے لیے مشعلِ ہدایت اور موجبِ نجات سمجھے اور ارشادِ رسُول سے منہ پھیر کر جہنّم کی بُری جگہ مول نہ لے۔

پرہیز از پرویز

"پرویز" ایک کافر اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بادشاہ کا نام تھا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ایسے قبیح ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔ اس لیے کہ نام کا اثر طبیعت و اخلاق پر پڑتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ایک شخص سے پوچھا کہ تمھارا کیا نام ہے۔ تو اس نے کہا۔ جمرہ (چنگاری) آپ نے پوچھا باپ کا کیا نام ہے۔ تو اُس نے کہا۔ شہاب (شعلہ) آپ نے قبیلہ کا نام پوچھا تو کہا حرقہ (آگ) آپ نے پوچھا کس جگہ رہتے ہو بولا حرّہ (گرمی) آپ نے پوچھا۔ وہ کہاں واقع ہے۔ تو کہا۔ نظی (شعلہ) میں۔ آپ نے فرمایا۔ اپنے اہل و عیال کی خبر گیری کر۔ وہ تو جل مرے۔ وہ شخص اپنے گھر گیا تو دیکھا کہ واقعی گھر کو آگ لگی ہے اور سب جل گئے ہیں۔

(تاریخ الخلفاء صـ ۹۰)

اس سے معلوم ہُوا کہ نام کا طبیعت و اخلاق پر اثر پڑتا ہے۔ اِسی لیے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم بھی قبیح نام بدل دیا کرتے تھے۔ "پرویز" مجوسی اور آتش پرست بادشاہ کا نام تھا۔ جو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بدترین دشمن تھا۔

پس اے مسلمانو! اس نام سے بچو اور پرویز سے پرہیز رکھو اور جس طرح کوئی مسلمان ابوجہل، ابولہب یا فرعون اپنے بچے کا نام نہیں رکھتا اسی طرح پرویز کے نام سے بھی پرہیز کرو۔

فحش گالی

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فحاشی و دشنام طرازی سے منع فرمایا ہے۔ حیا کی

دو قسمیں ہیں، قولی، دوسری فعلی۔ جب کسی فحش لفظ کو انسان زبان سے ادا کرنے میں حیا محسوس نہ کرے تو آہستہ آہستہ پھر وہ عمل میں بھی اس فعل میں شرم محسوس نہیں کرتا۔ فحش الفاظ جب بچوں کے کانوں میں بار بار پڑتے ہیں۔ تو ان کے لیے چونکہ یہ الفاظ انوکھے ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ ان کے متعلق تجسس کرنے اور خیال دوڑانے لگتے ہیں اور ذہن میں بُری باتوں کا نقشہ جمانے لگتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کو بُری عادتیں پڑ جاتی ہیں۔

پس اے مسلمانو! اپنی زبان سے کبھی کوئی فحش کلمہ یا گالی نہ نکالو۔ بلکہ اس زبان سے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کرو کیونکہ خدا تعالیٰ نے زبان اپنے ذکر کے لیے بنائی ہے۔ گالی دینے کے لیے نہیں۔

سونے سے قبل ذکرِ الٰہی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے آیت الکرسی اور تینوں قُل شریف کی تلاوت فرما کر آرام فرماتے تھے۔

اس میں بھی عظیم الشان حکمتیں اور فوائد مضمر ہیں۔ علم النفس کا یہ مسئلہ ہے کہ سونے سے قبل جو خیال انسان کے دل میں موجود ہو وہ خیال ساری رات دل میں محفوظ رہتا ہے۔ اس میں نشوونما پاتا ہے اور مخفی طور پر دماغ پر اثر ڈالتا رہتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی مشکل مسئلہ رات کو ذہن میں لے کر انسان سو جائے تو دن کو وہی مسئلہ بہت جلد حل ہو جاتا ہے۔ نیز کئی لوگوں نے آزمایا ہو گا کہ صبح کو اگر چار بجے اُٹھنا ہو اور چار بجے اُٹھنے کا خیال انسان دل میں رکھ کر سو جائے تو اُس کو ٹھیک چار بجے جاگ آ جائے گی۔ جو لوگ سونے سے قبل عشق و محبت کی داستانیں سُنتے ہیں یا گندے ناول پڑھنے

ہیں اور برہنہ تصاویر دیکھتے ہیں۔ اُن کو رات عموماً شیطان سے واسطہ پڑتا ہے،
نیز اکثر دیکھا گیا ہے کہ اگر کوئی رات کو غم کی حالت میں سوئے تو پہلو بدلنے
پر وُہ نیند میں سرد آہیں بھرتا رہتا ہے۔ کوئی بچہ رات کو روتا روتا سو جائے تو
آنکھ کھلنے پر بھی وُہ چیخنے لگ جاتا ہے اور اگر وہ خوشی کی حالت میں سو جائے
تو صبح کو ہنستا ہوا اُٹھتا ہے۔ اگر دُودھ پیتا پیتا سو جائے تو رات کو بھی ہونٹوں
کو ہلاتا رہتا ہے اور یہ سب امور ثابت کرتے ہیں کہ سونے سے قبل انسان کی جو دماغی
یا جسمانی حالت ہوتی ہے وہی ساری رات قائم رہتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ
خدا کے پیارے بندے رات کو ذکرِ الٰہی کر کے سوتے ہیں۔ کروٹ بدلنے پر بھی
ان کی زبان پر سبحان اللہ والحمد للہ کے کلمات ہی ہوتے ہیں۔ اسی لیے قرآن
پاک میں فرمایا گیا ہے:۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا
وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔

یعنی خدا کے بندے بستر پر بھی اللہ کا ذکر کرتے
رہتے ہیں۔

پس اگر انسان ان مسنون آیات کو پڑھ کر ان کے معانی و مطالب پر غور
کر کے سو جائے تو وہ بے شمار روحانی فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ لہٰذا مسلمان کو
چاہیے کہ روزانہ اپنے بچوں کو بھی ساتھ شامل کر کے سونے سے قبل ذکرِ الٰہی
کر کے سوئیں۔ انسان کی اخلاقی اصلاح کے لیے یہ بھی ایک زریں علاج ہے۔
جو متمم اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔

مَآ اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ ط

خدا تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ۔

اس نے یہی تم پر حرام کیے ہیں مردار، اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔

اس آیت شریفہ میں چار چیزوں کے حرام ہونے کا بیان ہے۔ مردار خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔

مشرکین مکہ کا دستور تھا کہ وہ جانور ذبح کرتے وقت اپنے بتوں کا نام لیتے تھے۔ چنانچہ جلالین میں ہے:۔

وَکَانُوْا یَرْفَعُوْنَہٗ عِنْدَ الذَّبْحِ لِاٰلِہَتِہِمْ۔ (جلالین صـ۲۴)

یعنی مشرکین جانور کو ذبح کرتے وقت اپنے بتوں کے ناموں کی آواز بلند کرتے تھے۔

خداتعالیٰ نے ایسے جانور کو حرام قرار دیا ہے۔ جسے ذبح کرتے وقت خدا کا نام نہ لیا گیا ہو۔ بلکہ غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔

اس ارشاد کے مطابق ہر وہ جانور یقیناً حرام ہے جس پر ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ذبح کرتے وقت باسم رسول اللہ کہہ کر ذبح کرے تو وہ بھی حرام ہے۔

معلوم ہوا کہ "اہلال" سے مراد ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لینا ہے۔ اور ذبح سے پہلے یا بعد اُسے غیر خدا کی طرف منسوب کرنے سے وہ جانور ہرگز حرام نہیں ہوتا بلکہ اگر کسی مشرک نے کوئی جانور کسی بت کے نام سے منسوب کر رکھا ہو، اور اُسے بھی اللہ کا نام لے کر ذبح کر دیا جائے تو وہ بھی حلال ہے چنانچہ مشرکین مکہ بعض جانوروں کا دودھ اپنے بتوں کے لیے روک رکھتے تھے اور کوئی شخص وہ دودھ دوہتا نہیں تھا۔ ایسے جانور کو وہ "بحیرا" کہتے تھے۔ اور بعض جانوروں کو اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ ایسے جانور کو وہ "سائبہ" کہتے تھے اور اس سے کوئی شخص کوئی کام نہیں لیتا تھا۔ اور اسی طرح بعض جانوروں کو بھی اپنی مخصوص شرکیہ رسموں کی بناء پر آزاد چھوڑ دیتے

تھے اور اُنھیں وہ "وصیلہ وحام" کہتے تھے۔ (دیکھیے جلالین صنا۱۰۶)

اب آیئے قرآن پاک کی طرف کہ مذکورہ بالا جانور جن کا دُودھ اور وجود بتوں کے لیے مخصوص اور اُن کی طرف منسوب کرکے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ کیا ان نسبتوں سے حرام ہو گئے؟ سُنیئے قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ:۔

مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیْلَۃٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰکِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَاَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ (پ۷ ع ۳)

یعنی "بحیرہ" "سائبہ" و "وصیلہ و حام" کو اللہ تعالٰی نے مقرر نہیں کیا (کہ ان سے کام لینا یا ان کا دُودھ پینا و گوشت کھانا حرام ہے) ہاں کافر لوگ اللہ پر افترا باندھتے ہیں۔"

ایسے جانوروں سے کام لینا اور اُن کا گوشت وغیرہ کھانا کافروں کے نزدیک حرام تھا۔ اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ:۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا۔

"یعنی جب اُن سے کہا جائے کہ آؤ اس طرف جو اللہ نے اُتارا اور رسُول کی طرف تو کہیں کہ ہمیں وُہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔"

تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ کی تفسیر میں جلالین میں ہے کہ اِلٰی حُکْمِہٖ مِنْ تَحْلِیْلِ مَا حَرَّمْتُمْ (صنا۱۰۶)

"یعنی جانوروں کو خواہ مخواہ حرام سمجھنے والو۔ اللہ اور اس کے رسُول کی طرف آؤ۔ جن کا یہ حکم ہے کہ یہ جانور حرام نہیں ہیں بلکہ حلال ہیں۔ اور خدا کا حکم یہ ہے کہ

فَکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ۔ (پ۸ ع ۱)

"کھاؤ اس میں جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔"

یعنی ایسے تمام جانور جب اللہ کا نام لے کر ذبح کر لیے جائیں تو پھر وُہ حلال ہیں۔ انھیں بے شک کھاؤ اور اگر پھر بھی اُنھیں حرام سمجھتے رہو گے۔ تو خدا کا

ارشاد ہے کہ :۔

وَحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ۔ اور حرام ٹھہراتے ہیں وہ جو اللہ نے انھیں روزی دی۔ (پ ۸ ع ۳)

ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا صحیح مطلب یہی ہے کہ جانور کو ذبح کرتے وقت اگر غیر خدا کا نام لیا جائے تو وہ یقیناً حرام ہے اور اگر کوئی جانور محض ایصال ثواب کے لیے کسی بزرگ کی طرف منسوب ہو تو اس نسبت سے وہ حرام ہرگز نہیں ہو جاتا۔ چنانچہ حضرت ملّا جیون رحمۃ اللہ علیہ تفسیر احمدیہ میں فرماتے ہیں کہ

وَمَا اهل به لغير الله معناه ذبح به لاسم غير الله یعنی وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کا معنیٰ ہے کہ جو جانور غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے وہ حرام ہے۔ اور پھر ارشاد فرمایا کہ :۔

وَمِنْ هٰهُنَا عُلِمَ اَنَّ الْبَقَرَةَ الْمَنْذُوْرَةَ لِلْاَوْلِيَاءِ كَمَا هُوَ الرَّسْمُ فِيْ زَمَانِنَا حَلَالٌ طَيِّبٌ (تفسیر احمدیہ ص ۲۶)

"یعنی یہاں سے معلوم ہوا کہ جو گائے اولیائے کرام کے نام نذر کی گئی ہو، جیسے کہ ہمارے زمانے میں دستور ہے۔ وہ حلال و طیّب ہے۔"

ثابت ہوا کہ کوئی جانور اگر ذبح سے پہلے اللہ کی طرف بھی منسوب رہا ہو مگر ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہے۔ اور اگر کوئی جانور ذبح سے پہلے کسی غیر خدا کی طرف منسوب رہا ہو۔ مگر ذبح کرتے وقت اس پر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو تو وہ بلا شبہ حلال ہے۔

پس اے مسلمانو! جو بکرا حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہِ اقدس میں ایصال ثواب کے لیے خریدا گیا ہو۔ اور وہ منسوب بھی حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف رہا ہو مگر ذبح کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر ذبح کیا جاتے تو وہ یقیناً حلال ہے۔ طیب و طاہر ہے۔ اسے حرام

سمجھنا سخت نادانی اور قرآنِ پاک سے بے خبری ہے مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ و رسول کی حلال کردہ چیزوں کو کبھی حرام نہ سمجھے اور مسلمانوں کو مشرکین کے ساتھ ملا دینے کی بُری حرکت سے ہمیشہ اجتناب رکھے۔

حضورِ غوثِ اعظم

رضی اللہ عنہ کی نیاز

ایک حدیثِ پاک سُنیئے:۔ حجاز مقدس میں ایک قریہ کی مسجد کا نام مسجد عشار ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے اِس مسجد کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مسجد عشار سے ایسے شہیدوں کو اُٹھائے گا۔ جو شہداء بدر کے ساتھ اُٹھیں گے۔ حضرت صالح بن درہم فرماتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حج کے لیے جا رہے تھے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہم سے فرمایا کہ:۔

مَنْ یَّضْمَنُ لِیْ مِنْکُمْ اَنْ یُّصَلِّیَ لِیْ فِیْ مَسْجِدِ الْعِشَارِ رَکْعَتَیْنِ اَوْ اَرْبَعًا وَّیَقُوْلُ ھٰذِہٖ لِاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ (مشکوٰۃ شریف ۴۶۹)

یعنی کون تم میں سے مجھے ضمانت دیتا ہے۔ اس امر کی کہ وہ مسجد عشار میں دو یا چار رکعات پڑھے اور پھر یوں کہے کہ یہ نماز ابو ہریرہ کے لیے ہے۔

مسلمانو! نماز تو اللہ کے لیے ہی ہوتی ہے۔ مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد عشار میں نماز کر یوں کہنا کہ یہ نماز ابو ہریرہ کے لیئے ہے۔ گویا نماز کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی جا رہی ہے۔ مگر اس نسبت کا مطلب کیا ہے۔ سنیئے:۔

مَعْنَاہُ ثَوَابُ ھٰذِہِ الصَّلٰوۃِ لِاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ۔ (حاشیہ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۷۰)

"یعنی معنی اس کا یہ ہے کہ اس نماز کا ثواب ابو ہریرہ کے لیئے ہے۔"

معلوم ہوا ہے کہ نماز اللہ ہی کے لیے ہے مگر اس کی نسبت جو غیر اللہ کی طرف مشکوٰۃ شریف سے ثابت ہے۔ اس سے مراد اس نماز کا ثواب غیر اللہ کے لیے ہے۔ اسی طرح گیارھویں شریف کی نیاز ہے تو اللہ ہی کے لیے مگر اس کا ثواب حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔

پس جس طرح ابوہریرہ کے لیے نماز کہنا جائز ہے اسی طرح غوث اعظم کے لیے نیاز کہنا بھی جائز ہے ور امسلمان کے لیے لازم ہے کہ پاک حلال چیزوں کو خواہ مخواہ ناجائز و حرام قرار دے دینے کی عادت اختیار نہ کرے۔

اللہ والوں سے محبّت

ایک شخص نے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں عرض کی۔

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ تَقُوْلُ فِیْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْمًا وَّلَمْ یَلْحَقْ بِھِمْ فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ (مشکوٰۃ شریف صد ۴۱۸)

یارسول اللہ آپ اُس شخص کے لیے کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ جو ایک قوم (یعنی علماء وصلحاء) سے محبّت رکھتا ہو اور اُن کی صحبت اُسے میسّر نہ آئی ہو۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ وہ شخص اُسی کے ساتھ ہے جس سے اس کی محبّت ہو گی (یعنی ایسے شخص کا حشر انہی نیک لوگوں کے ساتھ ہو گا جن سے اُسے محبّت ہو گی۔)

صاحب مظاہر الحق اس حدیث پاک کے ماتحت ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

" اس میں بشارت ہے دوست داروں، صلحاء، اولیاء، علماء اور اتقیاء کو اُمید ہے کہ وہ قیامت کے دن ان کے زمرے میں اُٹھیں گے اور اُن کے ساتھ ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایک شاعر نے بھی لکھا ہے کہ ؎

محبّت آدمی رکھتا ہے جس سے
قیامت میں وہ ہو گا ساتھ اُس کے

اِس حدیث پاک کے پیشِ نظر جو لوگ گیارہویں شریف دیتے ہیں وہ حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ سے محبّت کی وجہ سے دیتے ہیں اور اللہ والوں کی محبّت کا مبارک انجام یہ ہے کہ محبّت کرنے والا انھیں کے ساتھ اُٹھے گا۔

پس حضور غوث پاک کی گیارہویں دینے والوں کو حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی قیامت کے روز رفاقت میّسر آئے گی اور وہ کامیاب ہوں گے انشاءاللہ۔

لہٰذا اے مسلمانو! گیارھویں شریف بڑی اچھی چیز ہے۔ خدا توفیق دے تو اس کے عامل رہو اور اُسے اچھا سمجھو۔ اور اُسے بُرا نہ سمجھو۔ اس لیے کہ اُسے بُرا سمجھنے کا یہ معنی ہے کہ خدا ہمیں نیکوں سے نہ اُٹھائے۔ خدا تعالیٰ ایسے خیال سے محفوظ رکھے۔

تیسرا باب

علم و عرفان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کی

برکت!

حضرت امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ قیصر روم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا۔ کہ میرے سر میں ہمیشہ درد رہتی ہے جو کسی وقت نہیں جاتی۔ میرے لیے کوئی دوا بھیجئے۔ جس سے میری یہ تکلیف جاتی رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک ٹوپی بھیج دی اور فرمایا کہ اسے سر پر پہن لو۔ قیصر روم نے وہ ٹوپی سر پر رکھی تو درد فوراً جاتی رہی۔ پھر جو اس نے وہ ٹوپی اُتاری تو درد پھر شروع ہو گئی۔ اسی طرح جب وہ ٹوپی سر پر رکھتا تو آرام آ جاتا۔ اُتارتا تو درد شروع ہو جاتی۔ قیصر بڑا حیران ہوا۔ اُس نے ٹوپی کے اندر غور سے دیکھا تو اندر ایک کاغذ تھا جس پر لکھا تھا۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ (تفسیر کبیر صـ۹۳ جلد ۱)

معلوم ہُوا کہ قرآن پاک جو ایک نسخہ شفاء و رحمت ہے۔ اس کی ایک ایک سطر رحمت و شفاء ہے مگر شرط یہ ہے کہ اللہ کے کسی مقبول بندے کا واسطہ درمیان میں ہو تو پھر اس کے اثرات کا ظہور ہوتا ہے۔

صداقت

ایک مجوسی نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ کا دین اسلام سچا دین ہے تو کوئی نشانی دکھلائیے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے پاس اگر زہر قاتل ہو تو لے آؤ۔ مجوسی کہیں سے ایک بیحد قاتل و مہلک

زہر لے آیا۔ حضرت خالد بن ولید نے وہ زہر لیا اور "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ کر کھا لیا۔ مجوسی نے دیکھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ یہ کرشمہ دیکھ کر مجوسی پکار اُٹھا کہ واقعی یہ دین اسلام کی صداقت ہے اور مسلمان ہو گیا۔ (تفسیر کبیر صفحہ مذکور)

رحمت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبر پر گذرے۔ تو آپ نے دیکھا کہ صاحب قبر عذاب میں ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو دیکھا کہ اس شخص سے عذاب ٹل گیا ہے اور اس پر خدا کی رحمتوں کی بارش ہو رہی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خدا سے اس کی وجہ پوچھی تو خدا نے فرمایا۔ اے عیسیٰ! اس شخص کا ایک بچہ ہے۔ اس کی ماں نے اس بچے کو مدرسہ میں بھیجا تو معلم نے اس بچے کو پڑھایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بچے نے جب بسم اللہ پڑھی تو ہم نے اس بات سے شرم فرمائی۔ کہ جس کا بچہ ہمیں "رحمٰن و رحیم" کہے۔ اس کے باپ کو ہم عذاب دیں۔ پس ہم نے اس کا عذاب دُور کر دیا۔ (حوالہ مذکور)

معلوم ہوا کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" میں رحمت ہی رحمت ہے۔ اور یہ کہ دینی تعلیم میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی اس سے نفع پہنچتا ہے اور یہ بات دنیوی تعلیم میں ہرگز نہیں۔

نورِ محمدی

صلی اللہ علیہ وسلم

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا جَابِرُ — اے جابر! اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے تمہارے نبی

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّكَ مِنْ نُّوْرِہٖ ۔ (مواہب لدنیہ ص۹ ج۱) کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔"

شارحِ بخاری حضرت امام قسطلانی علیہ الرحمۃ اس حدیث پاک کو درج فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جب اپنے نور سے نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا تو اس وقت نہ لوح تھی، نہ قلم، نہ جنّت تھی، نہ دوزخ، نہ کوئی فرشتہ تھا۔ نہ آسمان اور نہ زمین۔ نہ سورج تھا نہ چاند، نہ کوئی جن تھا، نہ انسان۔ پھر جب اللہ تعالےٰ نے مخلوق کے پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو

نورِ محمدی علے اللہ علیہ وسلم کو چار حصّوں میں تقسیم فرمایا:
پہلے حصّہ سے قلم قدرت کو پیدا فرمایا اور
دوسرے حصّہ سے لوحِ محفوظ کو۔ اور
تیسرے حصّہ سے عرش کو پیدا فرمایا۔ اور
چوتھے حصّہ کو پھر چار حصّوں میں تقسیم فرمایا۔ اور
پہلے حصّہ سے حاملین عرش کو پیدا فرمایا۔ اور
دوسرے حصّہ سے کرسی کو۔ اور
تیسرے حصّہ سے باقی تمام فرشتوں کو پیدا فرمایا۔ اور
چوتھے حصّہ کو پھر چار حصّوں میں تقسیم فرمایا۔ اور
پہلے حصّہ سے آسمانوں کو پیدا فرمایا۔ اور
دوسرے حصّہ سے زمینوں کو۔ اور
تیسرے حصّہ سے جنّت و دوزخ کو پیدا فرمایا۔ اور
چوتھے حصّہ کو پھر چار حصّوں میں تقسیم فرمایا۔ اور
پہلے حصّہ سے مومنوں کی آنکھوں کا نور پیدا فرمایا۔ اور
دوسرے حصّہ سے مومنوں کے دلوں کا نور یعنی معرفت، اور
تیسرے حصّہ سے ساری کائنات کو پیدا فرمایا۔ (مواہب لدنیہ ص۹ ج۱)

معلوم ہُوا کہ ہر جمال و کمال اسی نُورِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلّم کی بدولت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ؎

زِ قدرت سَروِ بستاں آفریدند — زِ رُویت مہر تاباں آفریدند
زِ چشمت نرگس و از روئے تو گل! — زِ زلفت سنبلستان آفریدند
زِ دندان و لب جاں بخش عالم
دُر و لعل بدخشاں آفریدند
نقاب از چہرۂ زیبا کشادند — کہ از روئے ماہِ تاباں آفریدند
برائے سجدۂ محراب ابرو — بدلہا ذوق ایماں آفریدند

دینے والا ہے سچّا ہمارا نبی

خدا تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۔

اور انھیں کیا بُرا لگا۔ یہی نا! کہ اللہ و رسول نے انھیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

(سُورۃ توبہ رکوع ۱۰)

دوسری جگہ یُوں فرماتا ہے :۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ (پ۱۰ ع ۱۳)

"اور کیا اچّھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ و رسول نے ان کو دیا۔ اور کہتے اللہ ہمیں کافی ہے۔ ابھی دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول"

"ان آیات میں" اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم کا ذکر اپنے ذکر کے ساتھ واؤ عاطفہ کے ساتھ فرمایا ہے اور صاف ظاہر فرما دیا ہے کہ

میرا رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنے فضل سے غنی فرما دیتا ہے۔
لیجئے اب حدیثِ پاک بھی سُن لیجئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں :۔

مَا یَنْقِمُ اِبْنُ جَمِیْلٍ اِلَّا اَنَّہٗ کَانَ فَقِیْرًا اَغْنَاہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ۔ (بخاری شریف ج ۲ صہ ۱۹۸)

"یعنی ابن جمیل کو ناگوار گزرا ناکہ فقیر تھا اور اللہ و رسول نے اُسے غنی کر دیا۔"

دوسری جگہ آپ نے یوں ارشاد فرمایا :۔

اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مَوْلٰی مَنْ لَا مَوْلٰی لَہٗ (ترمذی شریف ج ۲ صہ ۳۱)

"جس کا کوئی نگہبان نہیں۔ اللہ و رسول اس کے نگہبان ہیں۔"

معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم کو فضل فرمانے والا اور غنی فرما دینے والا فرمایا ہے۔ اور خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے آپ کو غنی فرمانے والا، اور جس کا کوئی نہ ہو۔ اس کی نگہبانی فرمانے والا فرمایا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے فضل و کرم کا محتاج بن کر ان سے کچھ طلب کرے تو غور فرمالیجئے، کہ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہُوا یا نہیں ؟ اور جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے کچھ طلب کرنے کو شرک بتائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے حافظ و نگہبان ہونے کا انکار کرے۔ وہ قرآن و حدیث کا صریح مخالف ہُوا یا نہیں ؟ اور جو کوئی حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے لیے یوں لکھ دے کہ جس کا نام محمّد ہے وُہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں ؟ "وہ گمراہ ہُوا یا نہیں ؟"

پس اے مسلمانو! اپنا ایمان رکھو کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم باذن اللہ مالک و مختار ہیں اور منعم و مغنی اور ہمارے حافظ و نگہبان ہیں اور ہم سب ان کے فضل و کرم کے محتاج ہیں۔ اسی لیے مولانا رُومی فرماتے ہیں کہ ؎

چونکہ ذاتش بود محتاج الیہ!
زیں سبب فرمود حق صلوا علیہ

زمین کے مالک و حاکم

صلی اللہ علیہ وسلم

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ:۔
فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا الْاَرْضُ لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۳۷)
"جان لو کہ زمین اللہ اور اُس کے رسُول کی ہے۔

اِس حدیث سے ثابت ہُوا کہ ساری زمین کا حقیقی مالک اللہ ہے اور اس کی عطا سے ساری زمین کا مالک اس کا رسُول بھی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہ بات ظاہر ہے کہ مالک کو اپنی چیز میں تصرّف و اختیار حاصل ہوتا ہے۔ پس ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم روئے زمین کے مالک و مختار ہیں اور زمین پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت بھی جاری ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مظمہ سے جب ہجرت فرمائی اور غار میں تشریف فرما ہوئے تو سراقہ نے آپ کا تعاقب کیا اور غار کے قریب پہنچ کر حضور سے کہنے لگا کہ

مَنْ یَّمْنَعُکَ مِنِّیْ الْیَوْمَ؟
"مجھ سے آج تجھے کون بچائے گا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔
یَمْنَعُنِیَ الْجَبَّارُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ
"مجھے جبّار قہار خدا بچائے گا۔"

اتنے میں جبریل امین حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

جَعَلْتُ الْاَرْضَ مُطِیْعَۃً لَکَ فَأْمُرْهَا مَاشِئْتَ۔ "ہم نے زمین کو آپ کا مطیع کر دیا ہے۔ آپ اُسے جو چاہیں حکم دیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے زمین کو حکم دیا۔

یَا اَرْضُ خُذِیْہِ۔ اے زمین سراقہ کو پکڑ لے

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کا حکم سُننا تھا کہ اُسی وقت:۔

اَخَذَتْ اَرْجُلَ جَوَادِہٖ اِلَی الرُّکَبِ۔ زمین نے سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں پکڑ لیے اور وہ گھٹنوں تک دھنس گیا۔

سراقہ نے یہ جو ماجرا دیکھا تو اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ مگر گھوڑا ہِل تک نہ سکا۔ آخر مجبور ہو کر سراقہ پکار اُٹھا۔

یَا مُحَمَّدُ اَلْاَمَانُ۔ اے محمدّ مجھے امان دیجیے۔

اور پھر منّت کرنے لگا۔ اور وعدہ کیا کہ میں واپس چلا جاؤں گا اور کسی کو آپ کی خبر نہ دوں گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین سے فرمایا:۔

یَا اَرْضُ اَطْلِقِیْہِ فَاَطْلَقَتْ جَوَادَہٗ۔ اے زمین! چھوڑ دے اسے۔

تو زمین نے سراقہ کے گھوڑے کو رہا کر دیا۔ (حجۃ اللہ علے العالمین صد ۵۸۶)

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم اللہ کی عطا سے ساری زمین کے مالک و حاکم ہیں۔ اور آپ کا حکم زمین پر بھی چلتا ہے۔ اسی لیے اعلیٰحضرت نے بھی لکھا ہے کہ:؎

وہی نورِ حق وہی ظلِّ ربّ ہے انھیں سے سب ہے اُنھیں کا سب
نہیں اس کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں!

اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ "یَا مُحَمَّدُ اَلْاَمَان" کا وظیفہ دشمن کو بھی پڑھنا ہی پڑا۔ اور اگر

حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے امان طلب کرنا شرک ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت اور بھی جلال میں آجاتے اور اُسے کبھی نہ چھوڑتے۔ مگر اس وظیفہ نے ایک دشمن کو بھی نجات دے دی۔ پھر اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی غلام مشکل میں "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ الْاَمَان" کا نعرہ لگائے گا تو مشکلات سے کیوں نجات نہ پائے گا؟

آسمان کے مالک وحاکم

صلّی اللہ علیہ وسلّم

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے حضرت شیث علیہ السلام سے فرمایا کہ:۔

اِنِّیْ رَاَیْتُ اِسْمَہٗ مَکْتُوْبًا عَلٰی سَاقِ الْعَرْشِ وَاَنَا بَیْنَ الرُّوْحِ وَالطِّیْنِ۔ ثُمَّ اِنِّیْ طُفْتُ السَّمٰوٰتِ فَلَمْ اَرَ فِی السَّمٰوٰتِ مَوْضِعًا اِلَّا رَاَیْتُ اِسْمَ مُحَمَّدٍ مَکْتُوْبًا عَلَیْہِ۔

"میں نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا نام ساقِ عرش پر لکھا دیکھا، دراں حالیکہ میں ابھی رُوح اور مٹی میں تھا، پھر میں سارے آسمانوں پر پھرا اور دیکھا کہ آسمانوں پر ہر جگہ نامِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہُوا ہے۔

(خصائص کبریٰ ج ۱ صـ ۷)

اِس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم کا نامِ نامی ساقِ عرش پر اور سارے آسمانوں پر لکھ دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز پر نام اس کے مالک ہی کا لکھا جاتا ہے۔ تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عطاء سے آسمانوں کے بھی مالک ہیں، اور آسمانوں

پر حضور کا حکم بھی جاری ہے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ آسمان پر میرے دو وزیر ہیں اور وہ جبریل و میکائیل ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف صہ ۵۵۲)
اور ظاہر ہے کہ وزیر حاکم و بادشاہ ہی کے ہُوا کرتے ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ سلطانِ دارین صلی اللہ علیہ وسلّم کا اشارہ پاکر اُدھر آسمان پر چاند شق ہو رہا ہے اور اِدھر ڈوبا ہُوا سورج پلٹ رہا ہے اور شبِ معراج ساری آسمانی مخلوق اپنے حاکم صلے اللہ علیہ وسلّم کے استقبال کے لیے چشم براہ ہے۔
معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم زمین و آسمان کے مالک ہیں اور زمین و آسمان حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی سلطنت کے دو صوبے ہیں۔
اسی لیے اعلیحضرت نے بھی لکھا ہے کہ ؎

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خُسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

اور مولانا حسن علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ؎

اللہ اللہ شاہِ کونین جلالت تیری
فرش کیا عرش پہ جاری ہے حکومت تیری

اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ جن کی حکومت اپنی بیوی پر بھی نہیں چلتی۔ وہ اگر شہنشاہِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلّم کی مثل ہونے کا دعوےٰ کرنے لگیں تو اُن سے بڑھ کر اور نادان کون ہو سکتا ہے؟

بے مثل

صلّی اللہ علیہ وسلّم

علّامہ زرقانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :۔

اعلم انّ من تمام الایمان بہ صلی اللہ علیہ وسلّم الایمان والتصدیق بانّ اللہ تعالیٰ جعل خلق بدنہ الشریف علی اوجہ ای حال وھیئۃ لم یظھر قبلہ وَلَا بعدہ خلق آدمی مثلہ (زرقانی ص۲ ج۴)

جان لو۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانے کی تکمیل یہ ہے کہ :۔

آدمی اس بات پر ایمان لائے اور تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم شریف کو اس شان سے پیدا فرمایا ہے کہ کوئی آدمی آپ سے پہلے اور نہ ہی آپ کے بعد آپ کی مثل پیدا ہوا "

اسی لیے ایک عربی شاعر نے بھی لکھا ہے کہ :۔ ؎

مثل النبی محمّدٍ لایمکن

من قال بالامکانِ فھو کافر

یعنی یہ بات ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مثل ہو۔ جو یوں کہے کہ حضور کی مثل ممکن ہے ۔ وہ کافر ہے۔

معلوم ہوا کہ ایمان کی بات یہ ہے کہ حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کو بے مثل مانا جائے۔ نہ صرف کمالاتِ رفیعہ کے لحاظ سے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم ظاہری لحاظ سے بھی بے مثل ہیں۔ اور آپ کا جسم شریف بھی بے مثل

ہے۔ پس مرزا غلام احمد قادیانی نے جو یہ دعوے کیا ہے کہ:۔

"میں مثیل محمد رسول اللہ ہوں" (ازالہ اوہام ص۲۵۳)

یہ دعویٰ بالکل غلط ہے اور اسے کوئی مسلمان تسلیم نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کو اپنی مثل کہتے ہیں۔ وہ گویا مرزا صاحب سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ اس لیے کہ اُس نے تو صرف اپنی ہی ذات کو مثیل محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کہا تھا اور یہ ساری دنیا میں کروڑوں کو ان کی مثل بتاتے ہیں۔ (والعیاذ باللہ العلی العظیم)

دافع البلاء

صلّے اللہ علیہ وسلّم

حضرت ام امین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم نے ایک پیالہ میں پیشاب مبارک فرمایا۔ میں پیاسی تھی۔ میں اُسے پانی سمجھ کر پی گئی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کو جب اس بات کی خبر دی گئی تو حضور نے فرمایا:۔

اِنَّكِ لَنْ تَشْتَكِي بَطْنَكِ بَعْدَ يَوْمِكِ هٰذَا اَبَدًا۔ "آج سے تیرے پیٹ میں کبھی کوئی تکلیف نہ ہوگی"

(خصائص کبریٰ جلد ا صفحہ ۷۱)

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پیشاب مبارک میں بھی بیماریوں کے لیے شفاء ہے اور اگر کوئی اس حقیقت پر چیں بجبیں ہو تو ہم اُسے کہیں گے کہ شہد جو ایک مکھی کا گوہ ہے۔ اس کے متعلق قرآن

فرماتا ہے۔ فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔ اور تم بھی اس میں شفاء مانتے ہو۔ تو بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک مکھّی کے گوہ میں تو شفاء مان لو اور حضور دافع البلاء (صلے اللہ علیہ وسلّم) کے پیشاب مبارک میں شفاء نہ مانو۔ خدا تمہیں اس مرضِ انکار سے شفاء دے۔ پس جن کا پیشاب مبارک تکالیف کو دُور فرما دیتا ہے۔ وہ کیوں دافع البلاء نہ ہوں گے۔ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم)

انگوٹھے چُومنا

بنی اسرائیل میں ایک بدکار شخص تھا جس نے عمر بھر خدا کی نافرمانی کی۔ جب وہ مرگیا تو بنی اسرائیل نے اُسے اُٹھا کر ایک گندی جگہ ڈال دیا۔

فَاَوْحَی اللّٰہُ عَلٰی مُوْسٰی اَنْ اَخْرِجْ وَصَلِّ عَلَیْہِ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اُسے وہاں سے نکال کر اس کا جنازہ پڑھیئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کی۔ الٰہی! یہ تو بڑا بدکار تھا۔ خدا نے فرمایا:۔

ھٰکَذَا کَانَ اِلَّا اِنَّہٗ کُلَّمَا نَشَرَ التَّوْرَاتَ وَنَظَرَ عَلٰی اِسْمِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبَّلَہٗ وَوَضَعَہٗ عَلٰی عَیْنَیْہِ وَصَلّٰی عَلَیْہِ۔

ہاں ایسا ہی تھا۔ مگر جب یہ تورات کھولتا تھا۔ تو نام محمد صلے اللہ علیہ وسلم دیکھ کر اُسے چُوم لیا کرتا تھا۔ اور اپنی آنکھوں پر رکھ لیا کرتا تھا اور درود شریف پڑھا کرتا تھا۔

(خصائص کبریٰ صفحہ ۱۶ جلد ۱)

معلوم ہُوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی تعظیم و محبّت سے گناہ معاف

ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوش ہوجاتا ہے۔ بنی اسرائیل کے گنہ گار نے نام محمد صلے اللہ علیہ وسلّم اگر دیکھ کر چوما۔ آنکھوں سے لگایا اور درود شریف پڑھا تو بخشا گیا۔ تو اس اُمّت کے گنہ گار نے نامِ محمد صلے اللہ علیہ وسلّم اذان میں سُن کر اگر چوما۔ آنکھوں سے لگایا اور دُرود شریف پڑھا۔ تو یہ کیوں نہ بخشا جائے گا۔ پھر جو لوگ اذان میں یہ نامِ پاک سُن کر انگوٹھے چومنے کو بدعت بتاتے ہیں۔ وہ کس قدر محروم اور خدا کی مغفرت سے دُور ہیں۔

خزانوں کے مالک

صلے اللہ علیہ وسلّم!

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ:

بینما انا نائمٌ اذ جیئَ بمفاتیح خزائن الارض فوُضِعَت فِی یَدَیَّ۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۲)

میں سورہا تھا کہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

معلوم ہُوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کی عطاء سے زمین بھر کے خزانوں کے مالک ہیں۔

اور اگر کوئی صاحب کہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو ہم ان کے سامنے اہلِ حدیث عالم مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کی یہ عبارت پیش کریں گے۔ جو انہوں نے سردار اہلِ حدیث مولوی ثناء اللہ امرتسری کی تعریف میں لکھی ہے کہ "اگر میں عاجز شاہ جہان بادشاہ کے خزانہ کا مالک ہوں۔ تو حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب کو سونے کی بجائے موتیوں اور جواہرات

سے تولوں۔"

اور سردارِ اہلحدیث مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی تعریف پڑھ کر یوں لکھا کہ:۔

"آپ کی اس آرزو کا پورا ہونا اور آپ کا اس پر عمل کرنا بھی تحت قدرتِ الٰہیہ ہے۔"

(اخبار اہلِ حدیث - ۱۴ر جنوری ۱۹۲۲ء)

توجب بقول مولوی ثناء اللہ صاحب کے مولوی ابراہیم صاحب کا شاہجہان کے خزانوں کا مالک ہونا ممکن ہے تو حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا سارے جہان کے خزانوں کا مالک ہوجانا کیوں ممکن نہیں؟ پس حدیثِ پاک کے مطابق ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے زمین بھر کے خزانوں کی کنجیاں دے کر سارے خزانوں کا مالک بنا دیا۔

اختیار

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وَعَدَنِیْ رَبِّیْ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يُّدْخِلَ مِنْ اُمَّتِی الْجَنَّةَ مِائَةَ اَلْفٍ۔

"اللہ عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری اُمّت میں سے لاکھ اُمتیوں کو جنّت میں داخل کرے گا۔"

یہ ارشاد سن کر حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یَارَسُوْلَ اللہِ زِدْنَا۔ یارسول اللہ اور زیادہ کیجئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے پھر اپنے ہاتھ مُبارک کی لپ بنا کر فرمایا

کہ دھکذا۔ اور اتنے۔

صدیق اکبر نے عرض کی۔

یَا رَسُوْلَ اللہ زِدْنَا۔ حضور اور زیادہ کیجیے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے۔ اے ابوبکر! اب رہنے بھی دو۔" حضرت صدیق اکبر بولے۔ اس میں ہمارا تمہارا کیا بگڑتا ہے۔ اور بڑھا لینے دو"۔ حضرت عمر نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ اَنْ یُّدْخِلَ النَّاسَ الْجَنَّۃَ کُلَّھُمْ بِحَفْنَۃٍ وَّاحِدَۃٍ۔ "اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ ایک ہی لپ سے ساری دُنیا کو جنت میں داخل کر دے"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

صَدَقَ عُمَرُ۔ عمر نے سچ کہا۔

(مسند امام احمد صـ ۱۹۳ ـ جلد ۳)

معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ ایمان تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جتنا زیادہ کر دیں گے اتنی ہی زیادہ ہو جائے گی۔ یعنی اللہ کا رسول یہاں جو فرما دے گا۔ رسول کا اللہ وہاں وہی کچھ کر دے گا۔ اسی لیے تو حضرت صدیق اکبر وعدۂ ربی سن کر یوں نہیں کہتے کہ اے اللہ! اور زیادہ کر دیجیے۔ بلکہ حضور سے عرض کرتے ہیں۔ کہ یا رسول اللہ! آپ اور زیادہ کر دیجئے۔ گویا رسول اللہ کا کرنا اللہ ہی کا کرنا ہے۔ اور رسول اللہ جو کچھ کر دیں گے۔ وہی کچھ ہو جائے گا۔ پھر جو لوگ یوں کہتے ہیں کہ رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ان کا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیا تعلق؟

ایمان کی بات

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

اِعْلَمْ اِنَّ کُلَّ مَا مَالَ اِلٰی تَعْظِیْمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَلْبَحْثُ فِیْہِ وَلَا اَلْمُطَالَبَۃُ بِدَلِیْلٍ خَاصٍّ فِیْہِ فَاِنَّ ذٰلِکَ سُوْءُ اَدَبٍ ۔ (جواہر البحار ج ۱ صـ ۴۲۲)

”جان لے کہ ہر وہ بات جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی تعظیم نکلتی ہو۔ کسی مسلمان کو نہیں چاہیئے۔ کہ اس کے متعلق بحث کرے۔ یا کوئی دلیل طلب کرے۔ کیونکہ اس میں بے ادبی پائی جاتی ہے۔“

معلوم ہوا کہ ایمان کی بات یہ ہے کہ ایسی باتیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعظیم ظاہر ہوتی ہو۔ مثلاً عید میلاد النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔ جلوس میلاد شریف۔ نام پاک سُن کر انگوٹھے چُوم کر آنکھوں سے لگا لینا یا قیام وسلام وغیرہ امورِ مستحسنہ ان کے متعلق بحث کرنا اور دلیلیں طلب کرنا ادب کے خلاف ہے اور مسلمان کے لیے یہ ایمان کی بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی تعظیم والے کاموں پر کبھی جھگڑا نہ کریں۔ اور اُن سے روکا نہ کریں۔

حروفِ محمّد

صلّی اللہ علیہ وسلّم

حضرت شیخ شہاب الدین احمد بن العماد الافقہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے نامِ نامیؐ "محمد" صلے اللہ علیہ وسلّم کے چاروں حروف میں اسرار و رموز ہیں۔ جن میں سے کچھ یہ ہیں:۔

"م" مَحْوُ الْکُفْرِ بِالْاِسْلَامِ اَوْ مَحْوُ سَیِّئَاتِ مَنِ اتَّبَعَہٗ۔
"یعنی "م" سے مراد ہے مٹانا کفر کا دین اسلام کے ساتھ یا مٹانا حضور کے غلاموں کے گناہوں کا۔ وَقِیْلَ مَلِکُ اُمَّتِہٖ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس "م" سے مراد یہ ہے کہ آپ اپنی اُمّت کے مالک ہیں۔

"ح" حُکْمُہٗ بَیْنَ الْخَلْقِ باحکام اللہ تعالیٰ یعنی "ح" سے مُراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے احکام کے ساتھ مخلوق میں حکم فرماتے ہیں وَقِیْلَ حَیَاۃُ اُمَّتِہٖ۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ "ح" حضور کی اُمّت کیلیے پیغامِ حیات ہے۔

دوسری "م" فَمَغْفِرَۃُ اللہِ تَعَالیٰ لِاُمَّتِہٖ۔ یعنی دوسری میم حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت کے لیے اللہ تعالیٰ کی مغفرت ساتھ لائی ہے۔

"د" وَاَمَّا الدَّالُ فَھُوَ الدَّاعِیْ اِلَی اللہِ اور "د" یہ اللہ کی طرف دعوت دینے والی ہے۔ فصلی اللہ علیہ وسلّم"

معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے نام مبارک کا ایک ایک حرف مبارک بھی ہمارے لئے موجب صد خیر و برکت اور سراپا رحمت ہے۔ پھر خود اس نام والے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم میں کیا کیا برکتیں اور رحمتیں نہ ہوں گی؟

ابو القاسم

صلی اللہ علیہ وسلّم

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی کُنیت شریفہ ابو القاسم ہے۔ اس کے بڑے

صاحبزادے کا نام قاسم تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ :۔

لِاَنَّهٗ يَقْسِمُ الْجَنَّةَ بَيْنَ اَهْلِهَا ۔ (طحطاوی علی المراقی ص۶)

اس لیے کہ آپ جنتیوں میں جنت تقسیم فرماتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے مالک و مختار ہیں اسی لیے اعلیحضرت نے لکھا ہے کہ :۔

تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب اے منکر دور ہو
ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

نور

مسند امام احمد میں ہے :۔

اِنَّ اُمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَتْ حِيْنَ وَضَعَتْهُ نُوْرًا اَضَاءَتْ مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ ۔

(مسند امام احمد ص۱۲۷ جلد۴)

"حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے ہاں جب حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ کو ایک ایسا نور نظر آیا جس کی روشنی میں اُنھوں نے شام کے محلات کو دیکھ لیا۔"

معلوم ہوا کہ ہمارے حضور پرنور صلے اللہ علیہ وسلم سراپا نور اور نورٌ علےٰ نور ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس نور کی بدولت والدۂ نور کی نظروں سے حجابات اُٹھ گئے اور اُنھیں محلاتِ شام نظر آنے لگے۔ خود اس نورِ پاک کی نظرِ نور سے کوئی چیز غائب کیسے رہ سکتی ہے؟

نوری

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :-

تَقُوْلُ النَّارُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَقَدْ اَطْفَاءَ نُوْرُکَ لَھَبِیْ۔

" قیامت کے دن دوزخ کہے گی۔ اے مومن! جلدی گزر جا۔ کہ تیرے نُور نے میرا شعلہ بُجھا دیا ہے۔"

(میزان الاعتدال صہ ۷۰ جلد ۲)

معلوم ھوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بھی اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلّم کے صدقہ میں نوری ہیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور انھیں نور ماننے والے "نوری" اور یہ نوری ہی ہوں گے جو جہنّم کے شعلے بُجھا دیں گے۔ پس جنھیں جہنّم سے بچنا ہے وہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت پر ایمان لا کر نوری بن جائیں۔

قلم و چادر

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک قلم ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر وہ قلم مجھے دیا اور فرمایا :- ھٰذَا قَلَمُ جَدِّیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :" یہ قلم میرے نانا جان رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا ہے۔"

اِس کے بعد ایک چادر لائی گئی جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اُٹھائی اور ہاتھ بڑھا کر مجھے اوڑھا دی اور فرمایا:۔

هٰذَا رِدَاءُ جَدِّيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

"یہ چادر میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے"

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

فَمِنْ يَّوْمَئِذٍ انْشَرَحَ صَدْرِيْ لِلتَّصْنِيْفِ فِي الْعُلُوْمِ الشَّرْعِيَّةِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ اِسی روز سے میرا سینہ علومِ شریعت کی تصنیف کے لیے کھل گیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ (الدر ثمین ص۳۱)

معلوم ہوا کہ جس چیز کی نسبت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو جائے وہ چیز بیحد مفید و مبارک ہو جاتی ہے۔ تو ان سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث علیہ الرحمۃ نے ایسا فیض پایا کہ علومِ شریعت کے لیے سینہ کھل گیا۔ پھر جس ذاتِ گرامی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کے باعث قلم و چادر ایسی فیض بخش اور قاسم العلوم بن گئیں تو وہ ذاتِ والا صلی اللہ علیہ وسلم خود سب کچھ عطا فرمانے والی کیوں نہ ہو گی؟ اور کیوں نہ دین و دنیا کی نعمتیں ان کے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال شریف کے بعد آج بھی جسے چاہیں۔ اپنے انعام و اکرام سے اُسے مشرف فرماتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل میں آپ کے پیارے نواسے حسنین رضی اللہ عنہما بھی زندہ ہیں اور یہ پاک لوگ جنھیں خواب میں بھی مل جائیں۔ اُن کے نصیب بیدار ہو جاتے ہیں۔

دُودھ

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

عَطِشْتُ لَیْلَۃً مِنَ اللَّیَالِی فَأُلْھِمَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا اَنْ یَّھْدِیَ اِلَیَّ اِنَاءً مِنْ لَّبَنٍ فَشَرِبْتُہٗ ثُمَّ نِمْتُ عَلَی الْوُضُوْءِ فَرَاَیْتُ رُوْحَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَوْمَئَتْ اِلَیَّ اِنِّیْ اَنَا الَّذِیْ اَرْسَلْتُ اللَّبَنَ وَاَلْقَیْتُ الْخَاطِرَ فِیْ قَلْبِ الرَّجُلِ۔ (الدر الثمین ص۵)

ترجمہ:۔ ایک رات میں پیاسا تھا تو ہمارے دوستوں میں سے ایک کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ میرے لیے ایک برتن میں دُودھ لائے۔ چنانچہ وُہ دُودھ لایا اور میں نے پیا۔ پھر میں با وضو ہو کر سویا۔ تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی رُوحِ مکرم کو دیکھا۔ حضور نے اشارہ فرمایا۔ کہ میں نے ہی وہ دُودھ بھیجا تھا اور میں نے ہی اس شخص کے دل میں یہ بات ڈالی تھی۔

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم زندہ ہیں۔ اور اب بھی وُہ اُمّت کے حالات سے باخبر ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ بھوکوں پیاسوں کو اللہ کی عطا سے حضور کھلاتے بھی ہیں۔ پلاتے بھی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کو اُمّت کے دلوں پر بھی اختیار حاصل ہے۔ فَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ۔

بال شریف

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے

والد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بتایا کہ وہ ایک دفعہ بیمار ہو گئے تو خواب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی زیارت نصیب ہوئی تو حضور نے فرمایا۔ بیٹا! تیرا کیا حال ہے؟ پھر حضور نے شفا ہو جانے کی خوشخبری سُنائی۔

فَاَعْطَا شَعْرَتَیْنِ مِنْ شُعُوْرِ لِحْیَتِہٖ فَتَعَافٰی مِنَ الْمَرَضِ فِی الْحَالِ وَبَقِیَتِ الشَّعْرَتَانِ عِنْدَہٗ فِی الْیَقْضَۃِ فَعْطَانِیْ اَحَدَھُمَا فَھِیَ عِنْدِیْ۔ (الدر الثمین ص۶)

اور اپنی ریش مبارک کے دو بال شریف عطا فرمائے۔ میرے والد جب جاگے تو وہ دونوں بال شریف اُن کے پاس موجود تھے۔ ان میں سے ایک بال شریف اُنھوں نے مجھے دیا۔ جو میرے پاس موجود ہے۔

معلوم ہُوا کہ حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم اُمّت کے حالات سے باخبر ہیں اور مشکل کے وقت آپ مدد فرماتے ہیں اور رحمت فرمانے پر آجائیں تو اپنے غلاموں کے پاس خود تشریف لاتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اگر خواب میں ملیں تو واقعی حضور ہی ملتے ہیں اور خواب میں بھی اُن کی عطا واقعی عطا ہوتی ہے۔ فَصَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

قاری

یہی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

اَخْبَرَنِیْ سَیِّدِیَ الْوَالِدُ قَالَ اَخْبَرَنِیْ شَیْخِیَ السَّیِّدُ عَبْدُ اللّٰہِ۔ الْقَارِیْ قَالَ حَفِظْتُ الْقُرْاٰنَ عَلٰی قَارِیْ

زَاهِدٍ كَانَ يَسْكُنُ فِي الْبَرِيَّةِ بَيْنَنَا نَحْنُ نَتَدَارَسُ الْقُرْآنَ إِذَا جَاءَ قَوْمٌ مِنَ الْعَرَبِ يَقْدُمُهُمْ سَيِّدُهُمْ فَاسْتَمَعَ قِرَاءَةَ الْقَارِي وَقَالَ بَارَكَ اللهُ أَدَّيْتَ حَقَّ الْقُرْآنِ ثُمَّ رَجَعَ وَجَاءَ رَجُلٌ آخَرُ بِذَالِكَ الَّذِي فَأَخْبَرَهُمُ الْبَارِحَةَ أَنَّهُ سَيَذْهَبُ إِلَى الْبَرِيَّةِ الْفُلَانِيَّةِ لِإِسْمَاعِ قِرَاءَةِ الْقَارِي هُنَاكَ فَعَلِمْنَا أَنَّ السَّيِّدَ الَّذِي كَانَ يَقْدُمُهُمْ هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَقَدْ رَأَيْتُهُ بِعَيْنَيَّ هَاتَيْنِ۔ (الدر الثمین ص۶)

ترجمہ:۔"مجھ سے میرے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ) نے بیان کیا۔ فرمایا۔ کہ مجھ سے میر شیخ سید عبداللہ قاری نے بیان کیا کہ میں نے ایک قاری سے جو زاہد تھے اور ایک بیابان میں رہتے تھے۔ قرآن حفظ کیا۔ ایک دفعہ ہم قرآن کا دور کر رہے تھے کہ چند عربی حضرات آئے جن کا سرداران سب کے آگے تھا۔ انہوں نے قاری صاحب کی قرأت سنی اور اس سردار نے فرمایا۔ بارک اللہ۔ قرآن شریف کا تم نے حق ادا کر دیا۔ پھر وہ تشریف لے گئے اور ایک اور عربی شخص اسی صورت میں آیا اور کہا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے کل رات فرمایا تھا کہ فلاں بیابان میں قاری صاحب کا قرآن سننے تشریف لے جائیں گے۔ یہ بات سن کر ہم نے معلوم کیا کہ جو سردار عربی حضرات کے آگے آگے تھا۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم تھے۔ اور سیّد عبداللہ قاریؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنی ان دونوں آنکھوں سے اُنھیں دیکھا تھا۔"

(صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ)

معلوم ھوا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم حیات النبیؐ ہیں اور دُنیا کے کسی

گوشہ میں کوئی بات ہونے والی ہو حضور کو آج بھی اس کا علم ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم مالک و مختار ہیں۔ جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ خوش قسمت حضرات آج بھی اپنی سر کی آنکھوں سے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کرتے ہیں۔ اور جو کوئی یہ کہے کہ "حضور مر کر مٹّی میں مل گئے ہیں" اُس کی اپنی ہی بصیرت و قسمت مٹی میں مل چکی ہے۔

سیّد

یہی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ :-

اَخْبَرَنِیْ سَیِّدِ الْوَالِدُ قَالَ شَکَکْتُ فِیْ نَسَبِ رَجُلٍ یَدَّعِیْ السِّیَادَۃَ فَرَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِیًا عَلٰی سَرِیْرٍ وَّرَأَیْتُ الرَّجُلَ مُسْتَلْقِیًا تَحْتَ السَّرِیْرِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ لَا نَسَبُہٗ لَمْ یَکُنْ ھٰھُنَا (الدار الثمین ص۹)

والد محترم (حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ) نے بیان کیا کہ ایک شخص اپنے آپ کو سیّد بتاتا تھا۔ مگر مجھے اس کے سیّد ہونے میں شک تھا۔ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ آپ ایک سریر (نورانی تخت) پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اور وہ شخص سریر کے نیچے لیٹا ہُوا ہے، حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اگر یہ سیّد نہ ہوتا تو یہاں نہ ہوتا۔"

معلوم ہُوا کہ ہمارے صلی اللہ علیہ وسلّم دلوں کے شک و شبہات کو بھی جانتے ہیں اور ان سے کوئی بات مخفی نہیں اور یہ بھی معلوم ہُوا، کہ

صحیح العقیدہ سید کی بہت بڑی شان ہے۔

بارگاہِ عالی سے اِذن

یہی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ :-

اَخْبَرَنِي الشَّيْخ البُوطَاهِر قَالَ اَخْبَرَنَا الشَّيْخ احمد النخلی قَالَ اَخْبَرَنَا السَّيِّد احمد بن عبد القادر قَالَ مَشِيْنَا مَعَ شَيْخِنَا العَارِف بالله تعالى الشيخ عبد المعطى لِزِيَارَةِ النَّبِى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَرُبْنَا مِنَ الرَّوْضَةِ الشَّرِيْفَةِ تَرَجَّلْنَا فَجَعَلَ الشَّيْخ عبد المعطى يَمْشِىْ خُطُوَاتٍ وَيَقِفُ حَتّٰى وَقفَ عند القبر الشريف يَتَكَلَّمُ بكلام لم نَفْهَمْهُ فَلَمَّا انْصَرَفْنَا سَأَلْنَاهُ عَنْ وقفاتِهٖ فَقَالَ كُنْتُ اَطْلُبُ الاِذْنَ مِنْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي القُدُوْمِ عَلَيْهِ فَاِذَا قَالَ لِيْ اِقْدِمْ قَدِمْتُ سَاعَةً ثُمَّ وَقَفْتُ وَهٰكَذَا حَتّٰى وَصَلْتُ اِلَيْهِ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ كُلَّمَا رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ عَنْكَ صَحِيْحٌ فَقَالَ صَحِيْحٌ فَقُلْتُ اَرْوِيْهِ عَنْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ قَالَ اَرْوِهٖ عَنِّي۔ (الدر الثمین صہ ۱۲)

ترجمہ :- شیخ ابو طاہر نے بیان فرمایا۔ انھوں نے شیخ احمد نخلی سے اور انھوں نے سید احمد بن عبد القادر سے سُنا کہ ہم اپنے پیر و مرشد حضرت عارف

باللہ شیخ عبدالمعطی تونسی کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کے لیے مدینہ منوّرہ کو روانہ ہوئے تو جب ہم روضہ منوّرہ کے قریب پہنچے تو سواریوں سے اُتر کر پیادہ چلنے لگے۔ حضرت شیخ عبدالمعطی کا یہ حال دیکھا کہ چند قدم چلتے اور ٹھہر جاتے۔ پھر چند قدم چلتے اور ٹھہر جاتے۔ یہاں تک کہ روضہ مقدّسہ کے رُوبرو پہنچے تو کچھ اس طرح کا کلام کیا کہ ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ پھر ہم وہاں سے جب پھر آئے تو ہم نے اُن کے رُک رُک کر چلنے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلّم سے بارگاہِ عالی میں حاضری کا اذن چاہتا تھا۔ جب اُدھر سے اذن ہوتا تھا۔ تو میں چلتا تھا۔ یہاں تک کہ بارگاہِ عالی میں حاضر ہو گیا۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بخاری نے جو آپ سے روایت کیا ہے۔ صحیح ہے؟ فرمایا! صحیح ہے! میں نے عرض کیا حضور! یہ بات میں آپ سے روایت کروں؟ فرمایا روایت کرو۔“

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم زندہ ہیں اور خوش نصیب افراد سے آج بھی گفتگو فرماتے ہیں۔ پھر جو شخص حضور علیہ السّلام کو مر کر مٹی میں مل جانے والا لکھے وہ خود ہی مُردہ اور انتہائی بدنصیب شخص کیوں نہ ہو؟

نُورانی حجاب

اَخْبَرَنِیْ سَیِّدِی الْوَالِدُ قَالَ بَلَغَنِیْ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا اَمْلَحُ وَاَخِیْ یُوْسُفُ اَصْبَحُ فَتَحَیَّرْتُ فِیْ مَعْنَاہُ لِاَنَّ الْمَلَاحَۃَ

تُوْجِبُ قَلَقَ الْعُشَّاقِ اَكْثَرَ مِنَ الصَّبَاحَةِ وَقَدْ رُوِیَ فِیْ قِصَّةِ سَیِّدِنَا یُوْسُفَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّ النِّسَاءَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ حِیْنَ رَأَیْتَهُ وَاِنَّ النَّاسَ مَاتُوْا عِنْدَ رُؤْیَتِهٖ۔ وَلَمْ یُرْوَ عَنْ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ ھٰذَا الْبَابِ شَیْئٌ فَرَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ ذَالِكَ فَقَالَ جَمَالِیْ مَسْتُوْرٌ عَنْ اَعْیُنِ النَّاسِ غَیْرَةً مِنَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ۔ وَلَوْ ظَهَرَ لَفَعَلَ النَّاسُ اَکْثَرَ مِمَّا فَعَلُوْا حِیْنَ رَأَوْا یُوْسُفَ۔

(الدر الثمین ص۷)

ترجمہ:۔ "میرے والد نے بیان فرمایا کہ میں نے جب حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد سنا کہ حضور نے فرمایا ہے۔ کہ میرے حسن میں ملاحت زیادہ ہے اور میرے بھائی یوسف میں صباحت زیادہ تھی تو اس کے معنی میں مجھے حیرت ہوئی۔ اس لیے کہ ملاحت تو عاشقوں کو اور زیادہ بیقرار کرتی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ زنانِ مصر نے جب آپ کو دیکھا تو اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور کئی لوگ انھیں دیکھ کر مر گئے۔ اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حسن کے متعلق تو ایسی کوئی بات مروی نہیں۔ تو میں نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور یہی سوال کیا تو حضور نے فرمایا کہ میرا جمال لوگوں کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے چھپا رکھا ہے۔ اگر آشکار اور جلوہ گر ہو جائے تو اس سے زیادہ حال لوگوں کا ہو۔ جو یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ہوا تھا"

معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے اصلی حسن و جمال کو اللہ ہی جانتا ہے۔ اور بشریت مقدّسہ ایک نورانی حجاب ہے۔

لذیذ کھانا

اَخْبَرَنِیْ سَیِّدِیْ الْوَالِدُ اِنَّہٗ رَکِبَ فِیْ رَمَضَانَ اِلٰی مَکَانٍ فَاَصَابَہُ الْحَرُّ وَالتَّعَبُ فَنَعَسَ فِیْ تِلْکَ الْحَالَۃِ فَرَأَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاہُ طَعَامًا لَذِیْذًا مُتَّخِذًا مِنَ الْاُرْزِ وَالْحَلَاوَۃِ وَالزَّعْفَرَانِ وَالسَّمْنِ۔ فَاَکَلَ حَتّٰی شَبِعَ وَاَعْطَاہُ مَاءً بَارِدًا فَشَرِبَ حَتّٰی رَوِیَ ثُمَّ اسْتَیْقَظَ وَلَا جُوْعَ لَہٗ وَلَا عَطَشَ وَفِیْ یَدِہٖ رِیْحُ الزَّعْفَرَانِ۔ (الدر الثمین ص۶)

ترجمہ :۔ میرے والد حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب علیہ الرحمۃ نے بیان کیا۔ کہ میں رمضان شریف کے مہینے میں کہیں جانے کو سوار ہوا تو مجھے گرمی سے بڑی تکلیف ہوئی۔ میں سو گیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضور علیہ السّلام نے لذیذ کھانا عطا فرمایا۔ جو چاول، قند اور زعفران و گھی سے تیار ہوا تھا۔ میں نے وہ لذیذ کھانا کھایا اور سیر ہو گیا۔ اور حضور علیہ السّلام نے ٹھنڈا پانی بھی عطا فرمایا۔ اُسے پی کر پیاس دُور ہوئی۔ پھر جب جاگا تو مجھے نہ بھوک تھی اور نہ پیاس۔ اور ہاتھوں سے زعفران کی خوشبو آ رہی تھی۔"

معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم آج بھی زندہ ہیں اور اُمّت کے حالات سے باخبر ہیں۔ اور بھوکوں پیاسوں کی تکلیف آج بھی اگر کرم فرمائیں

تو دُور فرماتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کا خواب میں تشریف لانا حقیقت ہوتا ہے اور حضور کی عطا خواب میں بھی ہو تو واقعی عطا ہوتی ہے، اور جن لوگوں کو یہ نعمت حاصل ہو جائے۔ تو وہ پھر نہ بھُوکے رہتے۔ نہ پیاسے، فصلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم۔

مُوئے مُبارک

ہمارے حضور پُر نُور صلے اللہ علیہ وسلّم کا بال شریف نورانی و بے مثل ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایک بال شریف کی بھی ہمسری کوئی نہیں کر سکتا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی فتوحات ضرب المثل ہیں۔ اسلام کے اس جلیل القدر جرنیل رضی اللہ عنہ کی یہ فتوحات حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے بال شریف ہی کی بدولت تھیں۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک عمرہ میں اپنے سرِ انور کے بال اُتروائے اور ہم اس وقت جو حضور کی خدمت میں حاضر تھے۔ بال اُٹھانے کے لیے آپ پر جھکے پڑتے تھے اور ہر ایک دوسرے سے آگے ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ میری خوش نصیبی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیشانی مبارک کے بال میرے ہاتھ آ گئے۔

فَجَعَلْتُهَا فِي مُقَدَّمِ قَلَنْسُوَةٍ فَمَا تَوَجَّهْتُ فِي قِتَالٍ إِلَّا وَفُتِحَ لِي۔ (حجۃ اللہ علے العالمین صد ۳۶۵)

"میں نے ان مبارک بالوں کو اپنی ٹوپی میں آگے کی طرف سی رکھا ہے، ان بالوں کی برکت سے میں عمر بھر جس جہاد میں بھی گیا۔ مجھے فتح حاصل ہوتی رہی۔"

معلوم ہُوا کہ موئے مبارک کی برکتوں سے مشکلیں آسان ہوئیں۔ اور فتوحات نے قدم چُومے۔ یہ بھی معلوم ہُوا کہ جس ذات بابرکات کے بال شریف مشکل کُشا اور دافع البلاء ہیں۔ وہ ذات بابرکات خود کیوں مشکل کُشا اور دافع البلاء نہ ہوگی۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا عشق و پیار تھا کہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے بال مبارک بطور تبرک لینے کو پروانہ وار جُھکے پڑتے تھے۔

بال مُبارک

ایک روز حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے اپنی ریش مبارک میں شانہ مبارک فرمایا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ریش مبارک کے دو بال مل گئے۔ صدیق اکبر خوشی خوشی ان کو گھر لے آئے اور برکت کے لیے انھیں بڑے ادب سے اندر رکھ دیا۔ رات کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سُنا کہ گھر کے اندر بڑی اچھی آواز سے کوئی قرآن پڑھ رہا ہے۔ صدیق اکبر اُٹھے اور اندر آ گئے تاکہ قاری کو دیکھیں کہ کون ہے؟ مگر کوئی شخص نظر نہ آیا۔ بڑے حیران ہوئے کہ یہ پڑھنے والا کون ہے؟ پھر جہاں سے آواز آرہی تھی۔ وہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ اسی جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ریش مبارک کے بال رکھے ہوئے ہیں اور قرآن پڑھنے کی آواز بھی یہیں سے آرہی ہے۔ صدیق اکبر نے صبح یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اما علمت یا ابا بکر ان الملائکۃ یجتمعون علے شعری ویقرأن القرآن۔ (جامع المعجزات فی سیر خیر البریات صد ۶۶)	اے ابوبکر تم نہیں جانتے؟ کہ فرشتے میرے بال کے پاس جمع ہو کر قرآن پڑھتے ہیں۔

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا بال بال شریف معجزہ ہے اور آپ کا بال مبارک بھی وہ شان، برکت اور عظمت رکھتا ہے کہ فرشتے زیارت کو حاضر ہوتے ہیں اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ ایک بال آجکل کے بھی ہیں۔ جنھیں مونڈھ کر نالی میں پھینک دیا جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دلوں میں حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی بے پناہ محبت تھی اور وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے بال مبارک کو بھی صدہا برکتوں کا خزانہ سمجھتے تھے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی پیشانی مبارک کے چند بال شریف اپنی ٹوپی میں رکھے ہوئے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔ ماتوجھت فی وجھۃ الا وفتح لی۔ یعنی ان بالوں کی برکت سے میں عمر بھر جس جہاد میں بھی گیا۔ مجھے فتح حاصل ہوتی رہی۔

چادرِ مُبارک

ایک مرتبہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم ایک انصاری کا جنازہ پڑھ کر گھر تشریف لاتے تو حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور کے عمامہ شریف کو ہاتھ لگا کر کچھ دیکھنے لگیں۔ حضور نے دریافت فرمایا۔ عائشہ! کیا دیکھتی ہو؟ عرض کیا۔ حضور اتنی بارش ہو رہی تھی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ آپ بھیگ تو نہیں گئے؟ مگر آپ کے کپڑے تو بالکل خشک ہیں۔ یہ کیا بات کہ اتنی بارش ہوئی اور آپ کے کپڑے نہیں بھیگے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اے عائشہ! تم نے آج سر پر کیا اوڑھ رکھا تھا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آج میں نے آپ کی چادر مبارک اوڑھی تھی۔ حضور نے فرمایا۔

یَا عَائِشَۃُ بِذٰلِکَ الرِّدَاءِ   اے عائشہ! اس چادر کی بدولت

قَدْ اِرْتَفَعَ عَنْ بَصَرِكَ الْغِطَاءُ — تمہاری آنکھ سے پردہ ہٹ گیا۔ اور تم نے
وَرَأَيْتَ مَطَرَ عَالَمِ الْغَيْبِ۔ — عالم غیب کی بارش دیکھی ہے۔

(جامع المعجزات صد ۲۱)

معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے بدن انور سے مس کرنے والی چادر مبارک میں بھی یہ برکت تھی کہ اس کے صدقہ میں دوسری دنیا کی چیزیں نظر آنے لگتی تھیں۔ پھر خود حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کی نظر مبارک سے بھلا اس جہان کی یا اس جہان کی کوئی چیز کس طرح غائب رہ سکتی ہے اور پھر یوں کہنا۔ کس قدر بے خبری کی بات ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔ معاذ اللہ۔

دو کتابیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ يَدِهٖ كِتَابَانِ۔ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَاهٰذَانِ الْكِتَابَانِ۔ قَالَ قُلْنَا۔ لَا اِلَّا اَنْ تُخْبِرَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ قَالَ لِلَّذِيْ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى هٰذَا كِتَابٌ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِاَسْمَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ لَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا۔ ثُمَّ لِلَّذِيْ فِيْ يَسَارِهٖ هٰذَا الْكِتَابُ اَهْلِ النَّارِ بِاَسْمَاءِ اٰبَائِهِمْ وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰى اٰخِرِهِمْ لَا يُزَادُ فِيْهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ

اُبَداً۔ (مسند امام احمد صفحہ ۱۶۷ جلد ۲)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ مبارک میں دو کتابیں تھیں۔ حضور نے فرمایا۔ جانتے ہو۔ یہ دو کتابیں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا۔ نہیں یارسول اللہ ہم نہیں جانتے۔ ہاں آپ ہی فرما دیں۔ کہ یہ کتابیں کیسی ہیں؟ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ یہ جو میرے دائیں ہاتھ میں کتاب ہے۔ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ اس میں تمام جنّتیوں کے نام۔ ان کے باپوں کے اور ان کے قبیلوں کے نام درج ہیں۔ ان میں سے نہ کوئی کم ہوگا۔ اور نہ کوئی بڑھے گا اور یہ جو میرے بائیں ہاتھ میں کتاب ہے۔ اس میں جہنّمیوں کے نام، اُن کے باپوں کے اور قبیلوں کے نام درج ہیں۔ ان میں سے بھی نہ کوئی کم ہوگا، اور نہ بڑھے گا۔"

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم تمام جہنمیوں کو اور اُن کے باپوں اور قبیلوں کو جانتے ہیں۔ دنیا بھر میں دو ہی فریق ہیں۔ جنّتی اور جہنّمی۔ اور یہ دونوں فریق حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے علم میں ہیں۔ گویا ساری دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں۔ جو حضور کے علم میں نہ ہو۔

لطیفہ والدی المعظم حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا۔ کہ میرے پاس ایک منکر علم آیا۔ اور کہنے لگا کہ حضور کو کیا میرا علم بھی تھا۔ والد ماجد علیہ الرحمۃ فرماتے تھے۔ کہ میں نے کہا کہ نہ صرف تمہارا، بلکہ تمہارے باپ کا بھی حضور علیہ السلام کو علم تھا۔ اس نے کہا۔ وہ کیسے؟ فرمایا کہ میں نے یہی حدیث اُسے دکھلا کر کہا۔ کہ دائیں ہاتھ والی کتاب میں اگر تمہارا نام نہ ہوگا تو بائیں ہاتھ والی کتاب میں تو یقیناً ہوگا"۔ پس ہمیں لازم ہے کہ ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے عِلم کا اقرار کریں۔ تاکہ ہمارا نام دائیں ہاتھ والی کتاب میں نکلے۔

دُور و نزدیک کے سُننے والے وُہ کان

پہلی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہم سے دریافت فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمھارے اور اس آسمانِ دُنیا کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ صحابہ نے عرض کیا۔

اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ — اللہ اور اس کا رسُول بہتر جاننے والے ہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهَا خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ۔ — تمھارے اور آسمان کے درمیان کا فاصلہ پانچ سو برس کی راہ کا ہے۔

پھر فرمایا۔ اور کیا تم جانتے ہو کہ اس آسمان کے اُوپر کیا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یہ بھی اللہ اور اس کا رسُول ہی جانے، تو فرمایا۔

سَمَاءَانِ بُعْدُ مَا بَیْنَهُمَا خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ۔ — دو آسمان ہیں۔ یعنی اس آسمان کے اوپر جو دوسرا آسمان ہے۔ ان دونوں آسمانوں کے درمیان بھی پانچ سو برس کی راہ کا فاصلہ ہے۔

پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے ساتویں آسمان تک گنتی فرماتے ہوئے یہی فرمایا کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ پانچ سو برس کی راہ کا فاصلہ ہے اور فرمایا۔ کہ کیا تم جانتے ہو کہ ساتویں آسمان کے اُوپر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا۔ یہ بھی اللہ اور اس کا رسُول ہی جانتے ہیں؟ تو فرمایا۔ اُوپر عرش ہے۔ اور ساتویں آسمان سے عرش تک کا راستہ بھی پانچ سو برس کا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۰۲)

دوسری حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَھَا اَنْ تَئِطَّ لَیْسَ فِیْھَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَکٌ وَاضِعٌ جَبْھَتَہٗ سَاجِدًا لِلّٰہِ۔

(خصائص کبریٰ ص۶۷ ج۱ حجۃ اللہ علی العالمین ص۶۸۴)

"میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں سُنتا ہوں۔ جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چرچرکتا ہے اور اس کا حق ہے۔ کہ وہ چرچرکے۔ کیونکہ آسمان پر ایک چپہ جگہ بھی خالی نہیں۔ جس پر کوئی فرشتہ اپنا ماتھا رکھ کر اللہ کو سجدہ نہ کر رہا ہو۔

معلوم ہُوا کہ آسمان تک کی راہ سو برس کی ہے اور دوسری حدیث سے یہ معلوم ہُوا کہ آسمان کی حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے زمین پر سُن لی۔ گویا پانچ سو برس کی راہ تک کی دُور کی بھی آواز سُن سکتے ہیں۔ وہ مدینہ منورہ میں ہماری یہیں کی آواز جو صرف بارہ تیرہ سو میل کی آواز ہے۔ کیوں نہیں سُن سکتے؟ اسی لیے اعلیحضرت نے فرمایا کہ ؎

دُور و نزدیک کے سُننے والے وُہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

اور فرمایا کہ ؎

فریاد اُمتّی جو کرے حالِ زار کی!
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو!

محبّت کے کرشمے

حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے۔ ان کا یہ دستور تھا کہ مدینہ منوّرہ میں جب بھی کوئی تحفہ آتا تو وہ اُسے اُدھار خرید لیتے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کرتے حضور! میری طرف سے یہ ہدیہ ہے اسے قبول فرمایئے۔

اور جب بیچنے والا اُن سے قیمت طلب کرتا تو اُسے حضور علیہ السّلام کے پاس لے آتے اور عرض کرتے حضور! اسے قیمت دے دیجئے۔ حضور فرماتے وہ چیز تو تم نے مجھے ہدیۃً دی تھی (میں نے کب فرمایا تھا کہ میرے لیے خرید لاؤ) تو وہ عرض کرتے۔

يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَمْ يَكُنْ وَاللّٰهِ عِنْدِي ثَمَنُهُ وَاَحْبَبْتُ اَنْ تَاكُلَهُ فَيَضْحَكُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَامُرُ لِصَاحِبِهِ ثَمَنَهُ۔ (شرح الشفا ص۴۵ جلد ۲)	یا رسول اللہ! خدا کی قسم میرے پاس پیسے نہ تھے۔ اور مجھے اس بات کی محبّت پیدا ہوئی کہ آپ یہ چیز تناول فرمائیں۔ (اس لیے اُدھار ہی خرید لایا۔ اور حضور کو کھلا کر اپنا دل خوش کر لیا۔ اور پیسے بھی حضور ہی سے دلا دیئے۔) حضور علیہ السلام یہ بات سُن کر ہنستے اور چیز والے کو قیمت دے دیتے۔"

اس حدیث پاک سے ظاہر ہے کہ حضرت نعیمان رضی اللہ عنہٗ اپنی طرف سے ایک ایسا نیا کام کرتے جس کا حکم حضور علیہ السّلام نے نہیں فرمایا تھا اور حضور جب پوچھتے کہ ایسا کیوں کرتے ہو۔ تو جواب میں یہ فرماتے کہ حضور! محبّت کی وجہ سے ایسا کرتا ہوں۔ اور حضور علیہ السّلام خوش ہو کر ہنس پڑتے اور قیمت بھی خود ہی ادا فرما دیتے۔

معلوم ہُوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی محبّت میں کوئی ایسا نیا کام کرنا جس کی شرع میں ممانعت نہ ہو۔ صرف اس لیے بدعت نہیں ہو جاتا کہ حضور نے اس کا حکم نہیں فرمایا۔ بلکہ ایسا نیا کام جو حضور کی محبّت میں کیا جائے اگرچہ حضور علیہ السلام نے اس کا حکم نہ بھی فرمایا ہو۔ کرنا سنّتِ صحابہ کرام علیہم الرضوان اور حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خوشنودی کا باعث ہے۔

مثلاً ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کا نام پاک اذان میں سُن کر انگوٹھے چُوم کر آنکھوں پر مل لیتے ہیں۔ بالفرض اگر حضور علیہ السّلام نے ہم سے دریافت فرمایا کہ میں نے تم سے ایسا کرنے کو کب فرمایا تھا۔ تو ہم عرض کریں گے۔ یا رسول اللہ! حضرت نعیمان رضی اللہ عنہ سے آپ نے کب فرمایا تھا۔ کہ کوئی تحفہ اُدھار خریدلاؤ اور مجھے کھلا کر پیسے بھی مجھی سے دلا دو۔ تو حضور علیہ السلام فرمائیں گے کہ نعیمان تو میری محبّت کے باعث ایسا کرتے تھے۔ تو ہم عرض کریں گے یا رسول اللہ! ہم بھی حضور کی محبّت ہی کے باعث ایسا کرتے تھے۔ کیوں صاحب انصاف کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے جس طرح نعیمان رضی اللہ عنہ کے جواب پر خوش ہو کر تبسّم فرمایا تھا۔ ہمارے اس جواب پر بھی حضور کیا خوش نہ ہوں گے؟ یقیناً خوش ہوں گے۔

حدیث مذکور میں "اَحْبَبْتُ" کا لفظ ہے۔ گویا یہ سب کرشمے محبّت کے ہیں اور ایسی باتوں کی لذت اہل محبّت ہی کے لیے مخصوص ہے۔ جو لوگ نا آشنائے محبّت ہیں۔ اُن کو ایسے کام انوکھے، نئے اور بدعت ہی نظر آتے ہیں اور ان سے ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں۔ ؏

"ہائے ظالم تُو نے پی ہی نہیں"

نُورانی ہاتھ

اَحْرَقَ الْمُشْرِكُوْنَ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ بِالنَّارِ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُرُّبِهٖ وَيُمِرُّ يَدَهٗ عَلٰى رَأْسِهٖ فَيَقُوْلُ يَانَارُ كُوْنِىْ	مشرکین مکّہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو آگ میں جلانا چاہا، اتنے میں حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم تشریف لے آئے اور اپنا رحمت کا ہاتھ عمار کے سر پر پھیر کر فرمایا۔ اے آگ تو

بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ کَمَا کُنْتِ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ۔ | عمار پر ٹھنڈی ہو جا۔ جیسے کہ تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

(کنز العمال ص۱۸۵ ج۲)

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی ہاتھ نار کو بجھا دینے والے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہر چیز پر جاری ہے اور آپ جس بات کے لیے "کن" فرما دیں۔ یعنی "ہو جا" تو وہ بات ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ آگ کو "کُوْنِیْ بَرْدًا" فرمایا تو آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اسی لیے اعلیحضرت نے لکھا ہے کہ ؎

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اُس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

پھر وہ جس کی زبان سے ایک گدھا بھی اپنی جگہ سے نہ ہل سکے۔ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مثل بننے لگے تو کس قدر ظلم ہے۔

قُوّتِ فیصلہ

عَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْیَمَنِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تَبْعَثُنِیْ وَاَنَا شَابٌّ اَقْضِیْ بَیْنَھُمْ وَلَا اَدْرِیْ بِالْقَضَاءِ قَالَ فَضَرَبَ بِیَدِہٖ فِیْ صَدْرِیْ ثُمَّ قَالَ اللّٰھُمَّ اھْدِ قَلْبَہٗ وَثَبِّتْ لِسَانَہٗ فَمَا شَکَکْتُ بَعْدُ فِیْ قَضَاءٍ بَیْنَ اثْنَیْنِ۔ (ابن ماجہ ص۱۶۸۔ ج۲)

ترجمہ :- حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی بنا کر مجھے یمن میں بھیجنا چاہا۔ تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ناتجربکار ہوں۔ اور مقدمات کے فیصلے کرنا نہیں جانتا۔ یہ سن کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک میرے سینہ پر مارا۔ اور دعا کی کہ اے اللہ! اس کے دل کو احقاقِ حق کی قوت دے اور اس کی زبان کو حق پر قائم رکھ۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس وقت سے فریقین کے فیصلہ کرنے میں مجھ سے ذرا بھی غلطی نہیں ہوئی۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ مبارک سے دم بھر میں بڑے بڑے علوم و اسرار اور رموز حاصل ہو جاتے ہیں اور جس کے سینے پر آپ کا ہاتھ مبارک لگ جائے۔ علم و عرفان کی دولت اس کے ہاتھ آجاتی ہے اور آپ کے ہاتھوں قوتِ فیصلہ بھی ہاتھ آجاتی ہے۔ پھر جس محروم ازلی کی قسمت میں یہاں بھی اور وہاں بھی ہاتھ ملنا لکھا ہو۔ وہ اگر حضور کی مثل بننے لگے تو کس قدر ظلم ہے۔

دولتِ شباب

عَنْ مَالِكِ بْنِ عُمَيْرٍ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى رَاْسِهٖ وَوَجْهِهٖ فَعُمِّرَ حَتّٰى شَابَ رَاْسُهٗ وَلِحْيَتُهٗ وَمَا شَابَ مَوْضِعُ يَدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (حجۃ اللہ علی العالمین ۷۴۳)

حضرت مالک بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر اور چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ اور انھوں نے بہت طویل عمر پائی اور بال سفید ہو گئے۔ لیکن داڑھی اور سر کے جس حصے پر حضور کا ہاتھ مبارک پھرا تھا۔ اتنے حصے کے بال سفید نہ ہوئے بلکہ وہ سیاہ ہی رہے۔

معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے مبارک ہاتھوں سے دولتِ شباب بھی تقسیم ہوتی ہے۔ پھر جو شخص اپنے بال خضاب لگا لگا کر کالے کرتا رہے۔ لیکن پھر وُہ سفید کے سفید ہی نکل آئیں وہ حضور کی مثل کیسے ہو سکتا ہے۔

قُوّتِ حافظہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت ہی حدیثیں سُنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اپنی چادر بچھاؤ۔ میں نے چادر بچھائی۔

فَغَرَفَ بِیَدِهٖ فِیْهِ ثُمَّ قَالَ ضُمَّهٗ فَضَمَمْتُهٗ فَمَا نَسِیْتُ حَدِیْثًا بَعْدَهٗ۔

(حجۃ اللہ علے العالمین صد ۴۳۶)

تو حضور علیہ السّلام نے اپنے ہاتھ سے یُونہی چلّو بھر کر میری چادر میں کچھ ڈال دیا اور پھر فرمایا۔ چادر کو لپیٹ لو۔ میں نے لپیٹ لیا۔ تو پھر اُس دن سے آج تک کبھی کوئی حدیث نہیں بھُولا۔

معلوم ہُوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے مبارک ہاتھ دولتِ حافظہ بھی تقسیم فرماتے ہیں اور اسی ہاتھ سے ہر محتاج کو سب کچھ ملتا ہے۔ پھر جس کے ہاتھ دوسروں کا بھی مال چھیننے والے ہوں۔ وہ حضور کی مثل کیسے ہو سکتا ہے؟

دولتِ عقل

حضرت وازع رضی اللہ عنہٗ کا ایک بیٹا دیوانہ ہو گیا۔ وہ اُسے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لے آئے۔

فَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَدَعَالَهٗ فَلَمْ يَكُنْ فِي الْوَفْدِ اَحَدٌ بَعْدَ دَعْوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْقَلُ مِنْهُ۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ص۴۲۹)

تو حضور علیہ السّلام نے اس کے منہ پر ہاتھ مبارک پھیرا۔ اور اس کے لیے دُعا کی۔ تو اس لڑکے میں اتنی عقل پیدا ہو گئی کہ سارے وفد میں اس سے زیادہ عقل مند کوئی نہ تھا۔

معلوم ہُوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کا مبارک ہاتھ دولتِ عقل بھی تقسیم فرماتا ہے۔ پھر جس بیوقوف نے عمر بھر کبھی کوئی عقل کی بات نہ کی ہو۔ وہ اگر حضور کی مثل بننے لگے تو یہ بھی اس کی بے عقلی ہی کا ثبوت کیوں نہ ہو؟

خُوشبُو

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مصافحہ کرتا تھا اور میرا ہاتھ حضور کے ہاتھ سے چھُو جاتا۔

فَاَعْرِفُ فِيْ يَدِيْ مُنْذُ ثَالِثَةٍ اَطْيَبَ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ۔ (حجۃ اللہ علی العالمین ص۷۳۸)

تو تین دن تک میرے ہاتھ سے کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ خوشبو آتی رہتی۔

معلوم ہُوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم سراپا نور اور سراپا خوشبو ہیں۔ پھر وُہ جن کے بدن سے بدبُو ہی آتی رہے اور جن کے ساتھ تو لگنا در کنار پاس بیٹھنے سے بھی بُو آنے لگے تو وہ اگر حضور کی مثل بننے کا خیال کرنے لگیں۔ تو یہ خیال کس قدر بدبُودار ہے۔ خدا ایسے گندے عقیدے سے بچائے۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھنا

سلطان محمود غزنوی علیہ الرحمۃ حضرت ابوالحسن خرقانی کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے تو پوچھنے لگے۔ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ وہ کیسے تھے؟ حضرت ابوالحسن فرمانے لگے۔ حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ اتنے باکمال بزرگ تھے کہ جو انہیں دیکھ لیتا۔ اور ان کی اتباع کرتا ہدایت پا جاتا تھا۔

سلطان محمود نے عرض کی۔ مگر ابوجہل نے خود رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار دیکھا۔ مگر وہ ہدایت نہ پا سکا۔ اس کی کیا وجہ؟ حضرت ابوالحسن نے جواب دیا کہ:۔

اِنَّ اَبَا جَهْلٍ مَا رَاٰی رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا رَاٰى مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ حَتّٰى لَوْ كَانَ رَاٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَخَرَجَ مِنَ الشَّقَاوَةِ وَدَخَلَ فِى السَّعَادَةِ۔

(روح البیان صد ۳۱۹ ج ۱)

ابوجہل نے رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کو نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے محمد بن عبد اللہ کو دیکھا تھا۔ اگر وہ رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا تو یقیناً بدبختی سے نکل کر ہدایت پا جاتا۔

یعنی ابوجہل نے دیکھا۔ مگر محض محمد بن عبداللہ اور ایک بشر سمجھ کر دیکھا۔ اس کی نظر سطحی تھی۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہرگز نہیں دیکھا۔ دیکھنے دیکھنے میں بھی فرق ہے۔ ابوجہل نے بھی دیکھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی دیکھا۔ مگر ابوجہل نے محمد بن عبداللہ کو دیکھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔

معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ اگر اس طرح دیکھے گا تو ہدایت ملے گی۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کے مصداق نظر آئیں گے۔ اور اگر ابوجہل کی نظر سے دیکھے گا تو گمراہی حصہ میں آئے گی اور حضور اپنی مثل ایک بشر ہی نظر آئیں گے۔

(معاذ اللہ)

تبرّک

ہمارے اسلاف کرام علیہم الرحمۃ کا عقیدہ کیا تھا؟ سنیئے:۔

لو وضع شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او عصاہ او سوطہ علی قبر عاص لنجا ذلک العاصی ببرکات تلک الذخیرۃ من العذاب وان کان فی دار انسان او بلدۃ لا یصیب سکانہا بلاء ببرکتہ وان لم یشعروا بہ ومن ہذا القبیل ماء زمزم والکفن المبلول بہ وبطان المقرآن علی القراطیس و الوضع فی ایدی الموتی۔ (روح البیان ص۹۲۳ ج۱)

* حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا بال شریف یا عصا شریف یا آپ کا درّہ

اگر کسی گنہ گار کی قبر پر رکھ دیا جائے تو ان کی برکات سے وہ گنہگار عذاب سے نجات پا جائے گا۔ اور اگر ان میں سے کوئی چیز کسی گھر یا شہر میں ہوگی، تو اس کے رہنے والے اس کی برکت سے ہر بلاء سے محفوظ رہیں گے۔ اگرچہ انہیں اس بات کا علم بھی نہ ہو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی کوئی چیز اُن کے گھر میں موجود ہے اور اسی قبیل سے ہے۔ زمزم کا پانی بھی اور زمزم کے پانی میں بھیگا ہوا کفن بھی اور اسی طرح کاغذ پر قرآن لکھ کر میّت کے ہاتھ میں رکھ دینا بھی باعثِ برکت ہے۔"

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا بال شریف بلکہ عصا اور درّہ شریف بھی موجبِ صد برکات اور دافعِ بلیّات ہے۔ پھر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دافع البلاء کہنا کیوں جائز نہ ہو۔؟ یقیناً آپ دافع البلاء والوباء ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ کفن پر کلمہ شریف لکھ کر میّت کو پہنانا جسے کفنی کہتے ہیں۔ باعثِ برکت ہے اور میّت اس کی برکت سے عذاب سے محفوظ رہتی ہے۔ پس جو لوگ ایسا کرنے سے روکیں۔ سمجھ لیجئے کہ وہ نہیں چاہتے کہ میّت عذاب سے بچے اور نہیں چاہتے کہ میّت کلمہ کی برکتوں سے مستفید ہو کر نجات کی حقدار بن جائے۔

کمالِ ایمان

حضرت امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اعلم ان من تمام الایمان بہ صلی اللہ علیہ وسلم الایمان التصدیق بان اللہ تعالیٰ جعل خلق بدنہ الشریف علی وجہ ای حال وھیئۃ لم یظھر قبلہ ولا بعدہ

خلق آدمی مثلہ ۔ (زرقانی صٗ ج ۴)

"یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی تکمیل اور کمالِ ایمان یہ ہے کہ آدمی اس پر ایمان لائے اور اس بات کی تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بدن شریف کو اس شان سے پیدا فرمایا ہے کہ کوئی انسان آپ سے پہلے اور آپ کے بعد ایسا نہیں ہوا۔"

معلوم ہوا کہ ہمارے حضور نور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اوصاف و کمالات میں تو بے مثل ہیں ہی۔ آپ اپنی صورت پاک اور اپنی ہیئت شریفہ میں بھی بے مثل ہیں اور آپ کا بدن انور بھی لاجواب و رشکِ صد آفتاب ہے۔ اسی لیے اعلیحضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ :۔ ؎

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو رب نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہُوا ہے نہ ہو گا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم

بے مثل محبوب

صلی اللہ علیہ وسلم!

حضرت امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

اِنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَبِیْتُ جَائِعًا وَّ یُصْبِحُ طَاعِمًا یُطْعِمُہٗ رَبُّہٗ وَیَسْقِیْہِ مِنَ الْجَنَّۃِ وَکَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرٰی مِنْ خَلْفِہٖ کَمَا یَرٰی مِنْ اَمَامِہٖ۔ (رواہ مسلم)

وَ یَرٰی فِی اللَّیْلِ وَفِی الظُّلْمَۃِ کَمَا یَرٰی بِالنَّھَارِ

وَالضَّوءِ (رواہ البیہقی) وَکَانَ عَرَقُهٗ اَطْیَبُ مِنَ الْمِسْکِ (رواہ ابونعیم) وَکَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَقَعُ عَلٰی ثِیَابِہٖ ذُبَابٌ قَطُّ نَقَلَهُ الْفَخْرُ الرَّازِیُّ وَلَا یَمْتَصُّ دَمَهُ الْبَعُوْضُ نَقَلَهُ الْحِجَازِیُّ۔

(جواہر البحار ص ۳۸ ج ۱)

"حضور صلی اللہ علیہ وسلّم رات کو فاقہ فرما کر سوتے اور صبح سیر ہو کر اُٹھتے، آپ کو آپ کا ربّ جنّت سے کھلا پلا دیتا تھا۔ اور آپ جس طرح آگے دیکھتے اسی طرح اپنے پیچھے بھی دیکھتے تھے۔ اور جس طرح آپ دن اور روشنی میں دیکھتے اسی طرح رات اور تاریکی میں بھی دیکھتے تھے اور آپ کا پسینہ مُبارک کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار تھا۔ اور آپ کے کپڑوں پر مکھی کبھی نہ بیٹھتی تھی۔ اور مچھّر بھی نہیں کاٹتا تھا"

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایک ایک ادا شریف بے مثل ہے۔ اور آپ کی مثل نہ کوئی ہُوا نہ ہے نہ ہوگا۔ پھر اگر کوئی شخص اُن کو اپنی مثل کہے تو اُسے سوچنا چاہیئے کہ وہ تو رات کو فاقہ فرما کر سوتے اور صبح سیر ہو کر اُٹھتے تھے اور تم رات کو پیٹ بھر کر سوتے ہو اور صبح بھوکے اُٹھتے ہو۔ اور ان کی چشمِ شریف تو پیچھے بھی دیکھتی تھی اور تمھاری آنکھ بغیر عینک کے سامنے بھی نہیں دیکھ سکتی۔ اور وُہ تو رات اور تاریکی میں بھی سب کچھ دیکھ لیتے تھے اور تم دن اور روشنی میں بھی دَھکے کھاتے پھرتے ہو۔ اور ان کے تو پسینہ مبارک میں بھی خوشبو تھی۔ اور تمھارے تو بدن سے بھی بُو آتی ہے اور اُن کے تو مبارک کپڑوں پر بھی مکّھی نہ بیٹھتی تھی اور تمھارے تو منہ کے اندر بھی گھس جاتی ہے اور اُن کے تو نزدیک بھی مچھّر نہ آتا تھا اور تمھاری مچھّر دانیوں میں بھی گھس آتا ہے۔

ے آپ ہی اب سوچ تو اور آپ ہی انصاف کر
کیا یہ ممکن ہے کہ تو مثل اُن کی ہو جائے بشر

درُود شریف

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ دَاعٍ اِلَّا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ السَّمَاءِ حِجَابٌ حَتّٰی یُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاِذَا فَعَلَ ذٰلِکَ انْخَرَقَ الْحِجَابُ وَدَخَلَ الدُّعَاءُ وَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ رَجَعَ۔ (جواہر البحار ص۳۵۶ جلد ۱)

"حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ سے دُعا مانگنے والے کے اور آسمان کے درمیان ایک پردہ رہتا ہے جب تک وہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کی آل پر درُود نہ پڑھے۔ جب وہ درُود شریف پڑھتا ہے تو یہ پردہ ہٹ جاتا ہے اور دُعا بارگاہِ حق میں داخل ہو جاتی ہے اور اگر درُود شریف نہ پڑھے تو دُعا واپس آجاتی ہے۔"

معلوم ہُوا کہ اللہ سے کچھ مانگنا ہو تو حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کا وسیلہ ضروری ہے اور حضور کے نام پاک کے صدقہ میں دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور اگر ان کا نام نہ لیا جائے تو دُعا مردود ہو جاتی ہے۔

ے بے اُن کے واسطہ کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

نبوّت کی آنکھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جب خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے لیے کوہِ طور پر تجلّی فرمائی۔ تو :۔

كَانَ يُبْصِرُ النَّمْلَةَ عَلَى الصَّفَاءِ فِي اللَّيْلَةِ الظُّلْمَاءِ۔
مَسِيْرَةَ عَشَرَةَ فَرَاسِخَ۔

بے حد تاریک رات میں پتّھر پر چلنے والی چیونٹی کو آپ تیس میل سے دیکھ لیا کرتے تھے۔ (شرح الشفا لِملّا علی قاری صث۱۷۲۔ ج ۲)

نوٹ :۔ حدیث میں دس فرسخ آتے ہیں۔ اور فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ (حوالہ مذکور)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی ایک جھلک دیکھ لینے سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی نظر مبارک جب اس قدر قوی و تیز ہو گئی، کہ رات کی تاریکیوں میں تیس میل دُور سے چیونٹی کو بھی وہ دیکھ لیتے تھے تو پھر وُہ ذاتِ گرامی جس نے شبِ معراج اللہ کی ذات کو دیکھ لیا ہو، اُس کی مبارک نظروں کی قوّت و وسعت کا اندازہ کون کر سکتا ہے اور ان مبارک نظروں سے کائنات کی کوئی چیز کیسے غائب رہ سکتی ہے ؟

سُننے اور سُنانے والا

صلّی اللہ علیہ وسلّم

حضرت ابن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :۔

خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِنیٰ فَفُتِحَتْ اَسْمَاعُنَا حَتّٰی کُنَّا نَسْمَعُ مَا یَقُوْلُ وَنَحْنُ فِیْ مَنَازِلِنَا۔

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے مقامِ منیٰ میں وعظ فرمایا تو ہمارے کان کچھ ایسے کھُل گئے کہ ہم اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے آپ کے ارشادات سُننے لگے۔ (مواہب لدنیہ صہ ۲۷۔ ج ۱)

خصائص کبریٰ کی ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مرتبہ مدینہ منوّرہ میں وعظ فرمایا تو آپ کے وعظ کی آواز پر مدینہ شریف کے ہر باشندہ نے حتّٰی کہ اپنے اپنے مکانوں کے پردوں میں بیٹھی ہوئی کنواری لڑکیوں نے بھی سُن لی۔"

معلوم ہُوا کہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلّم کا بال بال شریف اعجاز ہے۔ یہ آپ کی آواز مبارک کا اعجاز تھا کہ دُور دُور تک پہنچ گئی اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ جو آقا اپنے احکام کی آواز غلاموں کو اتنی دُور سے سُنا دیتا ہے۔ وہ اپنے غلاموں کی فریاد دُور سے سُن بھی لیتا ہے۔ ورنہ لازم یہ آئے گا کہ غلاموں نے تو دُور سے سُن لی۔ مگر آقا ہی دُور سے نہیں سُن سکتے۔ پس ہم کیوں نہ کہیں کہ ؎

دُور و نزدیک کے سُننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام!

ہر گھر میں

خدا تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے :۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ۔

"جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے نفسوں یعنی اپنے اہل پر سلام کہو"۔ اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو؟

اِس کا جواب محدثین کرام نے یہ دیا ہے۔ کہ:۔

نَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ لِاَنَّ رُوْحَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَاضِرٌ فِیْ بُیُوْتِ اَھْلِ الْاِسْلَامِ تو یوں کہو۔ "اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ"۔ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مُبارک مسلمانوں کے ہر گھر میں موجود ہے۔ (شرح الشفا ص۱۱۷ ج ۱-)

معلوم ہُوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مبارک مسلمانوں کے ہر گھر میں رونق افروز ہے۔ اور جو مسلمان ہے وہ اس بات کا قائل ہے اور جو نہیں مانتا اُسے اپنے اسلام کی خیر منانی چاہیئے"۔

زندہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

خدا تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو"۔ اور اب جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے پردہ فرما گئے ہیں۔ تو کیا اب بھی اُن کا وہی ادب و وقار ہے؟

سُنیئے محدثین کرام کیا فرماتے ہیں:۔

وَحُرْمَتُهٗ حَيًّا وَّمَيِّتًا سَوَاءٌ فَاِنَّهٗ حَیٌّ يُرْزَقُ۔
(شرح الشفاء ص۷۳ جلد ۱)

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت و حرمت اس دنیا کی زندگی میں اور آپ کے وصال شریف کے بعد دونوں حالتوں میں برابر ہے۔ اس لیے کہ آپ اب بھی زندہ ہیں اور آپ رزق دیئے جاتے ہیں۔

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم زندہ ہیں اور آپ کی عزّت و حرمت اب بھی بدستور قائم ہے۔ اور اب بھی آپ کی سطوت و عظمت اور دبدبۂ شاہی کا وہی عالم ہے اور ہمیشہ یونہی رہے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور (معاذ اللہ) مر کر مٹی میں مل گئے "، وہ جھوٹے اور بے ادب ہیں اور دل کے اندھے ہیں۔

حیاتُ النّبی صَلّی اللہ عَلیہ وَسَلّم

بزرگانِ دین اور علماء متقدمین کا ارشاد ہے کہ مدینہ منوّرہ پہنچ کر جس وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی قبرِ انور (علی صاحبہا الصّلوٰۃ) کے سامنے حاضری کا شرف حاصل ہو تو :۔

ان الزائر لیشعر نفسه بانه واقف بین یدیه علیه الصّلوٰة والسّلام کما هو فی حیاته اذ لا فرق بین موته وحیاته اعنی فی مشاهدته صلّی الله علیه وسلّم لامته ومعرفته باحوالهم ونیّاتهم وعزائمهم وخواطرهم وذلک عنده صلّی الله عَلَیهِ وسلّم

جلی لاخفاء فیہ۔ (شواہد الحق للنبہانی ص۳۸)

زیارت کرنے والا یوں سمجھے کہ جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی ظاہری زندگی میں حضور کے سامنے کھڑا ہے۔ اس لیے کہ حضور کی وفات وحیات میں کوئی فرق نہیں (یعنی حضور اب بھی زندہ ہیں) اور اپنی اُمّت کو دیکھ رہے ہیں۔ اور اُمّت کے حالات اور اس کی نیتّیں اور اس کے ارادے و خیالات کو جانتے ہیں اور یہ بات حضور علیہ السّلام کے لیے صاف ظاہر ہے۔ آپ کے لیے اس میں کوئی پردہ وخفاء نہیں۔"

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم حیات النبّی ہیں اور اُمّت کے حالات سے باخبر۔ اور اُمّت کے دلی ارادوں کو بھی جانتے ہیں۔ پس جن کے دِل زندہ ہیں۔ وہ حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کو زندہ سمجھتے ہیں اور جو زندہ نہیں سمجھتے۔ وہ خود مُردہ ہیں اور جو جاننے والے ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُمّت کے حالات جاننے والے جانتے ہیں اور جو حضور کو جاننے والے نہیں جانتے۔ وہ خود جاہل ہیں۔

اُمّتِ مرحُومہ

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

اُمَّتِیْ اُمَّۃٌ مَّرْحُوْمَۃٌ تَدْخُلُ قُبُوْرَھَا بِذُنُوْبِھَا وَتَخْرُجُ مِنْ قُبُوْرِھَا لَا ذُنُوْبَ عَلَیْھَا تُمَحَّصُ عَنْھَا بِاِسْتِغْفَارِ الْمُؤْمِنِیْنَ لَھَا۔

(شرح الصدر للامام سیوطی ص۱۲۸)

"میری اُمّت اُمّتِ مرحومہ ہے۔ وہ قبروں میں گنہگار داخل ہوگی اور

جب قبروں سے نکلے گی تو چونکہ مومن ان کے لیے دُعائے مغفرت کرتے ہوں گے ۔ اس لیے اُن کی دُعاؤں سے وہ گناہوں سے پاک ہو کر نکلے گی ۔"

معلوم ہُوا کہ ہم پر یہ اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اُس نے ہمیں حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کی اُمّتِ مرحومہ میں سے پیدا فرمایا اور حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کے صدقہ میں ہم پر یہ خصوصی مہربانی ہوئی ۔ کہ قبروں میں داخل ہوتے ہوئے اگر ہم گنہگار ہوں گے تو مسلمانوں کی دُعاؤں سے ہمارے گناہ معاف ہو جائیں گے ۔ اور ہم قبروں سے گناہوں سے پاک ہو کر اُٹھیں گے ۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زندوں کی دُعاؤں سے اموات کو فائدہ پہنچتا ہے ۔

سُورۃ سے مُحبّت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ مسجد قباء میں ایک انصاری امام تھے ۔ جو نماز پڑھاتے ہوئے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد دوسری سورت پڑھنے سے پہلے سورت اخلاص یعنی قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ضرور پڑھتے ۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھنے کے بعد پھر دوسری سورت پڑھتے ۔ یہ ان کا دستور تھا ۔ مقتدیوں نے کہا ۔ جناب ! آپ یہ کیا کرتے ہیں ؟ کہ ہر رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ضرور پڑھتے ہیں اور یہ سورت پڑھ کر پھر دوسری سورت شروع کرتے ہیں ۔ یا تو قُلْ هُوَ اللّٰهُ ہی پڑھا کیجیے ۔ یا پھر دوسری کوئی سورت ۔ یہ کیا کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ بھی ۔ اور دوسری سورت بھی ۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ میں تو اسی طرح نماز پڑھایا کروں گا جی چاہے تو

میرے پیچھے پڑھو۔ نہ چاہے تو نہ پڑھو۔ آخر یہ معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہِ عالی میں پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس انصاری امام سے پوچھا کہ تم نے ہر رکعت میں سورۂ اخلاص کا پڑھنا لازم کیوں کر لیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یارسُول اللہ! مجھے اس سورت سے محبّت ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا:۔ حُبُّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ۔ اُس کی محبت تجھے جنّت میں لے جائے گی" (بخاری شریف مع فتح الباری جلد ۳۔ صہ ۴۲۲)

معلوم ہُوا کہ جس نیک کام سے شریعت نے منع نہ فرمایا ہو، اُسے اختیار کر لینا اور اپنے اُوپر لازم کر لینا بدعت نہیں ہوتا۔ دیکھیے ہر رکعت میں سورۂ اخلاص کا التزاماً پڑھنا شریعت سے ثابت نہیں مگر ایک صحابی نے التزام کر لیا تھا۔ اور صحابہ کرام اور خود صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو۔ اگر حضور علیہ السّلام کی بھی یہ عادت ہوتی تو آپ یوں کیوں فرماتے کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ باوجود اس کے اس امام نے جو صحابی تھے۔ عرض کیا۔ کہ حضور! میں نے یہ التزام اس لیے کیا ہے۔ کہ مجھے اس سورت سے محبّت ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ایک نئی بات کو صرف محبّت کی وجہ سے موجبِ دخولِ جنّت قرار دے دیا۔ اسی طرح آج اگر کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا جشنِ میلاد شریف منائے، جلوس نکالے۔ یا کوئی اور نیک کام شروع کرے تو اس سے اگر کوئی پوچھے کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو دیگر دلائل کے علاوہ صرف یہی ایک بات کافی ہے کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبّت ہے اور ہم محبت سے ایسا کرتے ہیں۔ اور یقیناً یہ محبّت موجبِ دخولِ جنّت ہو گی۔

مُباح وجائز

بخاری مع فتح الباری کے صفحہ ۶۵۵ جلد ۱۹ پر ہے۔
اِنَّ جَمِیْعَ الْاَشْیَاءِ عَلَی الْاِبَاحَۃِ حَتّٰی یُثْبَتَ الْمَنْعُ
مِنْ قِبَلِ الشَّارِعِ۔ یعنی تمام چیزیں جائز و مباح ہیں جب تک کسی چیز
کے لیے شارع سے منع ثابت نہ ہو"

معلوم ہُوا کہ جس بات سے اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منع نہیں فرمایا وہ جائز و مباح ہے اُسے منع یا بدعت کہنا بہت بڑی زیادتی ہے۔ دیکھئے جتنی شاہراہیں اور سڑکیں ہیں سب ٹریفک کے لیے اور آمدورفت ہی کے لیے ہیں اور بعض مخصوص سڑکیں بھی ہوتی ہیں۔ جن پر عام ٹریفک اور آمدو رفت کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایسی سڑکوں پر حکومت کی طرف سے یہ بورڈ لگا دیا جاتا ہے کہ

"یہ شاہراہِ عام نہیں ہے!
اور یہاں آمدورفت ممنوع ہے"

یہ بورڈ صرف ممنوعہ سڑکوں پر لگایا جاتا ہے اور جو شاہراہیں ممنوعہ نہیں ہیں اُن پر کسی ایسے بورڈ کا نہ ہونا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ یہاں آمدورفت کی اجازت ہے۔ اسی طرح شرع مقدس میں جو باتیں منع ہیں۔ ناجائز ہیں حرام اور غیر مشروع ہیں۔ اُن کا اظہار فرما دیا گیا ہے۔ اور اُن سے روک کر بتا دیا گیا ہے کہ یہ چیزیں حرام و ناجائز یعنی ممنوع ہیں۔ اور جن باتوں کے لیے ممانعت وارد نہیں ہوئی۔ ان کے لیے ممانعت کا نہ ہونا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ وُہ باتیں مباح اور جائز ہیں اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ جس طرح عام شاہراہوں پر یہ لکھا ہونا ضروری نہیں کہ "آپ یہاں سے گزر سکتے ہیں"

اِسی طرح ہر جائز بات کے لیے شریعت کا اعلان ضروری نہیں۔ ہاں جس طرح ممنوعہ سڑک کے لیے ممانعت کے بورڈ کا ہونا ضروری ہے اسی طرح بدعت و ناجائز کہنے والے پر لازم ہے کہ وہ شریعت سے کوئی ممانعت دکھائے۔

فیضِ رسُول

صلّی اللہ علیہ وسلّم

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک روز چار صحابہ کرام کو چار بادشاہوں کسریٰ، قیصر، مقوقس اور نجاشی کی طرف چار مختلف ملکوں میں مبلغ بنا کر بھیجا۔ یہ چاروں صحابہ کرام علیہم الرضوان اپنی زبان کے سوا دوسری کوئی زبان نہ جانتے تھے۔ جب دوسرے روز صبح اُٹھے۔ تو ہر ایک ان میں سے اُس ملک و قوم کی بولی جاننے لگا۔ جس مُلک و قوم کی طرف حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُنھیں بھیجا تھا۔ (خصائص کبریٰ ص۲ جلد۲)

معلوم ہُوا کہ حضور نبی اُمّی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ بابرکات وہ منبع العلوم ذات ہے کہ محض توجہ ہی سے بغیر کسی محنت کے دوسروں کو عالم بنا دیا۔ اور یہ سب فیضِ رسول صلّے اللہ علیہ وسلّم ہے۔ پھر خود ہی فیصلہ فرمالیجئے کہ اگر یوں کہا جائے کہ حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کو زبان اُردو فلاں مدرسہ کی وجہ سے آگئی تو یہ بات کس قدر جہالت کی بات ہے۔

اختیارِ مُصطفےٰ

صلّی اللہ علیہ وسلّم

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کے درمیان فرمایا:-

وَعَدَنِیْ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ یُّدْخِلَ مِنْ اُمَّتِیْ مِائَۃَ اَلْفٍ۔

"میرے رَبّ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری اُمّت میں سے سو ہزار کو جنّت میں داخل کرے گا۔"

اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔

زِدْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔ یارسول اللہ! اور زیادہ کیجئے۔"

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرما کر فرمایا۔

وَھٰکَذَا ایسا ہی قدر اور۔ (مسند امام احمد صہ ۱۹۳ ج ۳)

معلوم ہُوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ ایمان تھا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نبیِّ مختار ہیں۔ آپ جو کچھ فرما دیں گے۔ وہی کچھ ہو جائے گا۔ اِسی لیے فرمایا کہ زِدْنَا ، یارسول اللہ! آپ اور زیادہ کر دیں" گویا آپ یہاں فرش پر جو کچھ فرما دیں گے۔ وہی کچھ وہاں عرش پر ہو جائے گا۔

ع جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں"

یہ بھی معلوم ہوا کہ اُن لوگوں کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کوئی تعلق نہیں اور صداقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ جو یوں لکھتے اور کہتے ہیں کہ جس کا نام مُحمّد ہے۔ وُہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔

(معاذ اللہ)

پنجابِ رحمت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک جنگ میں جب کہ ہم کئی سو کی تعداد میں تھے۔ لشکر میں پانی ختم ہو گیا۔ وضوء اور پینے کے لیے دقّت ہوئی تو حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی بھی ہو تو کسی برتن میں میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ سارے لشکر سے تھوڑا سا پانی بڑی مشکل سے جمع کر کے ایک پیالہ میں حضور علیہ السلام کے سامنے لایا گیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ہاتھ مبارک اس پانی میں رکھے تو۔

رَاَیْتُ الْعُیُوْنَ عُیُوْنَ الْمَاءِ یَوْمَئِذٍ تَخْرُجُ مِنْ بَیْنَ اَصَابِعِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔	میں نے اس دن حضور علیہ السّلام کی انگلیوں سے پانی کے چشمے نکلتے دیکھے۔

(مسند امام احمد صـ ۲۹۲ ج ۳)

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم ساری کائنات کے لیے دریائے رحمت بن کر تشریف لائے ہیں اور مشکلات و مصائب کو مبارک ہاتھوں سے آپ دُور فرما دینے والے ہیں۔ اور جو آپ نے تھوڑا سا پانی منگوا کر اُسے زیادہ کر دیا۔ اُس میں یہ بتانا مقصود تھا کہ نیست سے ہست کرنا خدا کا کام ہے اور تھوڑے سے زیادہ کرنا مصطفٰے کا اعجاز ہے۔ اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی اعجاز کے متعلق لکھا ہے کہ ؎

اُنگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجابِ رحمت کی ہیں جاری واہ وا

کدّو سے پیار

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کو کدّو سے پیار تھا۔ ایک شخص نے حضرت امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے سامنے صرف اتنا کہہ دیا کہ مجھے کدّو سے پیار نہیں۔ تو حضرت ابویوسف نے فرمایا:۔

جَدِّدِ الْاِسْلَامَ وَ اِلَّا لَاَقْتُلَنَّکَ - پھر سے مسلمان ہو ورنہ تجھے قتل کر دوں گا۔ (شرح الشفاء ص۴۹ جلد ۱)

معلوم ہُوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی ہر ادا مسلمان کو پیاری ہے اور جو لوگ داڑھی، مسواک اور دیگر سننِ رسُول پر مذاق اُڑاتے ہیں۔ وُہ سخت مجرم ہیں۔

توہینِ رسالت کا اثرِ بَد

میدانِ اُحد میں جس شخص نے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کا دانت مُبارک زخمی کیا تھا۔

لَمْ یُوْلَدْ مِنْ نَسْلِہٖ وَلَدٌ یَبْلُغُ الْحِنْثَ اِلَّا وَھُوَ الْجَزَادِیْ مَکْسُوْرُ الثَّنَایَا۔

اس کی نسل میں جو بچّہ بھی پیدا ہوتا تھا جب وہ بڑا ہوتا تھا۔ تو اس کے دانت ہی پیدا نہ ہوتے تھے۔

(مواہب لدنیہ ص۹۵ ج ۱)

معلوم ہُوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی توہین و ایذا کا اثرِ بد بڑی دُور تک پہنچتا ہے اور توہینِ رسالت کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا غضب و جلال

جوش میں آجاتا ہے۔ خدا کو حضور کی تعظیم و تکریم ہی پسند ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو حضور علیہ السّلام کا ادب و احترام اور حضور کی محبت اپنانا چاہیئے ورنہ ایمان کی خیر نہیں۔

حضور علیہ السّلام کا حق

قَالَ ابْنُ الْحَاجِّ اُمَّۃُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْحَقِیْقَۃِ اَوْلَادُہٗ لِاَنَّہُ السَّبَبُ لِلْاِنْعَامِ عَلَیْہِمْ بِالْحَیَاۃِ السَّرْمَدِیَّۃِ وَالْخُلُوْدِ فِیْ دَارِ النَّعِیْمِ فَحَقُّہٗ اَعْظَمُ مِنْ حُقُوْقِ الْوَالِدَیْنِ۔
(جَوَاہِرُ الْبِحَار صفحہ ۵۰۸)

حضرت ابن الحاج نے فرمایا کہ حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کی اُمّت درحقیقت حضور کی اولاد ہے۔ اس لیے کہ حضور ہی کے سبب اُسے زندگی کا انعام ملا اور حضور ہی کے صدقے وہ جنّت میں رہے گی، پس حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کا حق ماں باپ کے حق سے بھی بڑا ہے"۔

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا حق ہم پر اپنے ماں باپ کے حق سے بھی زیادہ ہے اور حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم پر ہمارے ماں باپ بھی قربان۔ پھر کس قدر ناحق ہے یہ بات کہ

"سو ان کی تعظیم بڑے بھائی کی سی کیجیے"

توبہ! توبہ!! وہ ذات بابرکات جن کے قدموں پر ہمارے ماں باپ بھی قربان ہوں۔ ان کی تعظیم صرف بڑے بھائی کی سی کرنے کی تلقین؟ فصلّ اللہ علیہ وسلّم و فداہ ابی و اُمّی۔

اللہ کے مقبولوں کی بدولت فتح

حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا جب لوگ جہاد و غزاء کے لیے نکلیں گے۔ تو اُن سے کہا جائے گا

هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ۔

"کیا تم میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی صحابی ہے ؟ تو کہیں گے ہاں ہے۔ پس اُنھیں فتح حاصل ہوگی۔

پھر ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ جہاد و غزاء کے لیے نکلیں گے تو اُن سے کہا جائے گا کہ :۔

هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ

"کیا تم میں کوئی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی کا ملنے والا بھی ہے ؟ تو کہیں گے ہاں ہے تو انھیں فتح حاصل ہوگی "

پھر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ جہاد و غزاء کے لیے نکلیں گے اور اُن سے کہا جائے گا۔

هَلْ فِيكُمْ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُونَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ۔ (بخاری شریف ص۵۱۵ جلد ۱)

"کیا تم میں رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابی کو ملنے والے کا کوئی ملنے والا بھی ہے۔ تو کہیں گے۔ ہاں ہے ! تو انھیں فتح حاصل ہوگی "

معلوم ہُوا فتح اگر ملتی ہے تو اللہ کے مقبولوں کے دم قدم سے۔ اگرچہ فتح دینے والا اللہ ہی ہے۔ مگر یہ فتح اللہ والوں کے وسیلہ ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ ساری برکتوں کا منبع حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم

کی ذاتِ بابرکات ہے کہ جس جنگ میں اُن کا دیکھنے والا موجود ہو۔ یا اُن کے دیکھنے والے کو دیکھنے والا موجود ہو۔ یا پھر ان کے صحابی کے دیکھنے والے کو دیکھنے والا موجود ہو۔ اس کی برکت سے فتح حاصل ہو جائے گی۔ گویا یہ نصرت و برکت ذاتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلّم سے چلے گی اور ان وسائل سے حاصل ہوگی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں جو ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں فتح حاصل ہوئی اللہ والوں ہی کے صدقہ و طفیل سے حاصل ہوئی اور اس جنگ میں اولیاءِ کرام کی مدد و نصرت کے مختلف واقعات جو پڑھنے سُننے میں آئے بالکل درست ہیں اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ صحابیِٔ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بہت بڑی شان ہے کہ ان کی بدولت ہمیں فتح و نصرت اور کامیابی حاصل ہوتی ہے جس گروہ میں یہ پاک لوگ نہیں۔ وہاں شکست و ہزیمت اور ندامت و ذلّت کے سوا کچھ نہیں۔

بے سایہ

حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

"در عالم شہادت سایہ ہر شخص لطیف تر است
وچوں لطیف ترے از وے در عالم نباشد او را
سایہ چہ صورت دارد۔"

یعنی اس عالم میں ہر شخص کا سایہ اُس شخص سے لطیف ہوتا ہے اور جب کہ حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم سے زیادہ لطیف کوئی چیز عالم میں ہے ہی نہیں۔ پھر ان کا سایہ کس طرح ہو سکتا تھا ؟ (مکتوبات شریف صفحہ ۱۸۷ جلد ۳)

معلوم ہُوا کہ اتنے بڑے امام و مجدّدِ حق کی عظمت کے سبھی قائل ہیں۔ وہ بھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بے سایہ تسلیم کر رہے ہیں۔ اور آپ کا

سایہ نہ ہونے کی یہ دلیل لطیف پیش کرتے ہیں کہ سایہ والے سے اس کا سایہ لطیف ہوتا ہے اور چونکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بڑھ کر کوئی چیز لطیف ہے ہی نہیں۔ اس لیے آپ کا سایہ نہ تھا۔ پس جن کا مزاج لطیف ہے وہ اِس دلیل لطیف سے لُطف اندوز ہوتے ہیں اور اپنے یقین میں اور بھی زیادہ استحکام پاتے ہیں۔ دُعا کیجئے کہ خدا تعالیٰ ہر قسم کی کثافت سے بچائے اور کسی خیالِ کثیف میں مبتلا نہ کرے اور یہی ایمان رہے۔ کہ ؎

زیرِ سایہ ہم ان کے رہتے ہیں
جن کا سایہ نظر نہیں آتا!
جھولیاں سب کی بھرتی جاتی ہیں
دینے والا نظر نہیں آتا!

صحابۂ کرام علیہم الرّضوانُ

خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ۔ (پ۴ ع ۲)

"یعنی تم سب اُمتوں سے بہتر ہو۔ جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئیں تم اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو۔ اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اِس آیت کریمہ میں اوّلین مخاطب وُہ ہیں جو بوقتِ نزول موجود تھے۔ یعنی صحابہ کرام علیہم الرضوان۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں مخاطب فرما کر فرماتا ہے کہ تم تمام اُمتوں سے بہتر ہو۔ اور تمھاری یہ شان ہے کہ تم نیک کاموں کا

حکم کرتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

معلوم ہُوا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان قرآن پاک کی اس آیت کریمہ کے مطابق اس اُمّت سے بھی اور پہلی ساری اُمتّوں سے بھی افضل و اعلیٰ ہیں۔ اور کسی اُمّت میں سے ان کا کوئی ہم پایہ نہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی امت ساری اُمتّوں سے بہتر ہے اور اس ساری اُمّت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کرام بہتر ہیں۔ اور یہ کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان "تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ" کے اوّلین مصداق ہیں۔ یہ پاک لوگ اللہ پر صحیح معنوں میں ایمان لائے اور ان کے صدقہ میں ہم بھی زمرۂ مومنین میں شامل ہوئے۔ پس ہر مومن کے لیے لازم ہے کہ قرآن کے ارشاد کے مطابق صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ایمان اور اُن کے اوصافِ عالیہ پر ایمان رکھ کر اپنے صاحب ایمان ہونے کا ثبوت دے۔ اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ صحابہ کرام کی طرح ہمیں بھی اچھے کاموں کی تلقین کرنا چاہیئے۔ اور بُرے کاموں سے روکنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ کام اچھا ہے اور اس کے کرنے سے آدمی اچھا ہو جاتا ہے۔

نبیوں کے بعد سب سے افضل

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ اِخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلٰی جَمِیْعِ الْعَالَمِیْنَ سِوَی النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاخْتَارَ مِنْ اَصْحَابِیْ اَرْبَعَۃً اَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیًّا فَجَعَلَھُمْ خَیْرَ اَصْحَابِیْ وَفِیْ اَصْحَابِیْ کُلُّھُمْ خَیْرٌ۔

(خصائص کبریٰ۔ جواہر البحار صـ۲۹۶ ج ۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو سارے جہانوں

پر فضیلت بخشی ہے رسوا نبیوں اور رسولوں کے اور میرے صحابہ میں سے
اللہ تعالیٰ نے ابوبکر، عمر، عثمان اور علی، ان چاروں کو فضیلت بخشی ہے
اور انہیں سب صحابہ سے بہتر کیا ہے۔ اور میرے سب صحابہ ہی فضیلت
والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام انبیاء و مرسلین کے بعد سارے جہانوں سے افضل و اعلیٰ ہیں اور پھر ان میں سے چار یارانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم افضل و اعلیٰ ہیں۔ پس جو ان کا دوست ہے بڑا ہی خوش قسمت ہے اور جو ان کا دشمن ہے۔ سارے بُروں سے زیادہ بُرا ہے۔

صدّیقِ اکبر

رضی اللہ عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا:-

وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ نَبِیًّا لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مُبْغِضُکَ وَلَوْ کَانَ عَمَلُہٗ عَمَلَ سَبْعِیْنَ نَبِیًّا۔

(روح البیان ص۹۰۳ ج ۱)

مجھے اس ذات کی قسم! جس نے مجھے نبی حق بنا کر بھیجا ہے۔ کہ تجھ سے بغض رکھنے والا ہرگز جنّت میں داخل نہ ہوگا۔ اگرچہ اس کے عمل ستّر نبیوں کے اعمال کے برابر ہوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی محبّت رکھنا او

ان کے بغض سے سینے کو پاک رکھنا بے حد ضروری ہے۔ ورنہ چاہے کتنے نیک کام کئے جائیں ہرگز کام نہ آئیں گے اور ایسا شخص جنّت کے قریب بھی نہ جا سکے گا۔ پس محبّتِ صدّیق اکبر کو دل میں پیدا کرنا چاہیئے اور اور ان کے بغض و کینہ سے اپنے سینہ کو پاک رکھنا چاہیے۔ ورنہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایسے شخص کے غیر جنّتی ہونے کی قسم فرمائی ہے۔ جو صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا بغض سینہ میں رکھتا ہے۔

حضرت صدّیق حضرت عثمان اور حضرت علی

رضی اللہ عنہم

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَأَلْتُ رَبِّیْ اَنْ لَّا اَزَوِّجَ اَحَدًا مِّنْ اُمَّتِیْ وَ لَا اَتَزَوَّجَ اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ اُمَّتِیْ اِلَّا کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّۃِ فَاَعْطَانِیْ۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رَبّ سے اس بات کا سوال کیا کہ میں اپنی اُمّت میں سے جس کے ہاں نکاح کروں اور جو میرے ہاں نکاح کرے۔ وہ جنّت میں میرے ساتھ رہے، اور اللہ تعالیٰ نے میرا یہ سوال قبول فرمالیا۔ اور مجھے یہ بات عطا فرما دی۔

اور دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا:۔

لَا تَدْخُلُ النَّارَ مَنْ تَزَوَّجَ اِلَیَّ اَوْ تَزَوَّجْتُ اِلَیْہِ۔ (جواہر البحار ص ۳۵۲ ج ۱)

جس کے ہاں میں نے نکاح کیا یا جس نے میرے ہاں نکاح کیا۔ وہ آگ میں ہرگز نہ جائے گا۔

معلوم ہُوا کہ جنّت میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ صدّیق اکبر

بھی ہوں گے اور حضرت عثمان اور حضرت علی بھی (رضی اللہ عنہم) اس لیے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاں حضور نے نکاح فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما نے نکاح فرمایا۔ پس جو ان کا ساتھی نہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ساتھی نہیں۔

صحابہ کرام

علیہم الرضوان

حضرت سیدی عبد العزیز دباغ صاحب الابریز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چار یارانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ان چاروں کی محبت لازم ہے اور ان میں سے کسی ایک کی عداوت سے بھی اللہ تعالےٰ سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اور وہ اس لیے کہ یہ چاروں حضرات رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک صفت کے خاص طور پر وارث و حامل ہیں۔ حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت دباغ سے دریافت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کون سی صفات ہیں۔ جن کے وارث و حامل یہ چاروں حضرات ہوئے؟ تو فرمایا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ایمان باللہ کے خاص طور پر وارث و حامل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان باللہ ایک ایسی کیفیت کے ساتھ ہے کہ اگر یہ کیفیت صحابہ کرام اور ان کے علاوہ سارے زمین والوں پر ڈالی جائے تو سب اس کی تاب نہ لا سکیں۔ اسی کیفیت خاصہ کی ایک تھوڑی سی

جھلک صدیق اکبر پر ان کی طاقت کے مطابق ڈالی گئی اور اسی بات کا یہ فیض ہے کہ صدیق اکبر کا ہم پایہ نہ صحابہ میں اور نہ اُن کے سوا اُمّت کے کسی اور گروہ میں ہوُا، اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جس صفت کے وارث ہیں۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی مومنوں کو نصیحت ان کی خیر خواہی اور ان کے لشکروں کا انتظام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صفتِ عالیہ کے حسبِ طاقت خاص طور پر وارث ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جس صفتِ عالیہ کے اپنی طاقت کے مطابق خاص طور پر وارث ہیں۔ وہ حضور صلّے اللہ علیہ وسلم کی رحمت و رافت اور صلہ رحمی ہے اور حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ، حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جس صفتِ شریفہ کے خاص طور پر وارث و حامل ہیں۔ وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صفتِ شجاعت ہے۔

اِس کے بعد فرمایا:۔

وَكَذَا سَائِرُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَرِثَ شَيْئًا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبُغْضُ صَحَابِيٍّ أَيِّ صَحَابِيٍّ كَانَ يُوجِبُ الانقطَاعَ عَنِ اللهِ۔

"اور اسی طرح حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کہ ان میں سے ہر ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی ایک ایک ادا شریف کا خاص طور پر حامل ہے۔ لہٰذا کسی صحابی کا بھی بغض اللہ تعالیٰ سے رشتہ توڑ دیتا ہے۔"

(جواھر البحار ص۱۳۶ ج ۱)

معلوم ہوُا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کرام حضور کی مبارک اداؤں کے وارث ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی کا بغض دراصل حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کی کسی ادائے مبارک کے بغض سے اللہ تعالیٰ سے رشتہ باقی نہیں رہتا۔ پس حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہر صحابی سے محبّت

رکھنا ضروری ہے۔ کہ یہ محبّت حضور علیہ السّلام کی اداؤں سے محبّت ہے۔

بھڑوں کا حملہ

ابن مختار تلمیسی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بیان کیا کہ ہم ایک سفر میں تھے اور ہمارے ہمراہ ایک ایسا بدبخت انسان تھا جو حضرت صدّیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کا دشمن تھا۔ یہ گمراہ ان پاک ہستیوں کو گالیاں دینے لگا۔ ہم نے منع کیا۔ مگر باز نہ آیا۔ راستہ میں ہم نے ایک جگہ مقام کیا۔ اور یہ شخص کسی کام کو باہر نکلا تو اچانک بہت سی بھڑوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ یہ چلایا۔ ہم اُس کی مدد کو دوڑے تو بھڑوں نے ہمارا بھی تعاقب کر کے ہمیں اس کے پاس نہ پہنچنے دیا۔ حتّٰی کہ اُن بھڑوں نے اس گستاخ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ (حیوٰۃ الحیوان ص۸ ج ۲)

معلوم ہُوا کہ حضرت صدّیق و فاروق رضی اللہ عنہما کا بغض و عناد موجب ہلاکت ہے۔ اگر چند روز اس دنیاءِ فانی میں کچھ عرصہ رہ بھی لیے تو کیا فائدہ کہ اُخروی ہلاکت سے یقیناً دوچار ہونا پڑے گا۔

اصحاب ثلٰثہ

رضی اللہ عنہم

ایک مرتبہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت صدّیق اکبر حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا۔ حضور

صلّی اللہ علیہ وسلّم نے پہاڑ کو ایڑی مار کر فرمایا :۔

اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَیْکَ نَبِیٌّ وَّصِدِّیْقٌ وَشَهِیْدَانِ (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۵) — اے اُحد ! تھم جا کہ تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

معلوم ہُوا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یہ تینوں صحابی بڑی شان کے مالک ہیں۔ ان کے خلاف کچھ بکنا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت کرنا ہے۔ یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی حکومت ہر چیز پر جاری ہے۔ کہ ہلتا ہُوا پہاڑ حکم سُن کر تھم گیا اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کو آئندہ ہونے والی باتوں کا علم تھا۔ جبھی تو فاروقِ اعظم اور عثمانِ غنی رضی اللہ عنہما کے شہید ہونے کا پہلے ہی اعلان فرما دیا۔

صدّیق اکبر

رضی اللہ عنہٗ

حضرت علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ تفسیر رُوح البیان فرماتے ہیں :۔

هُوَ ثَانِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِیْ عَالَمِ الْاَرْوَاحِ وَثَانِیْهِ حِیْنَ خَرَجَ مُهَاجِرًا وَّثَانِیْهِ فِی الْغَارِ۔ وَ ثَانِیْهِ فِی الْخِلَافَةِ وَثَانِیْهِ فِی الْقَبْرِ بَعْدَ وَفَاتِهٖ وَثَانِیْهِ فِی انْشِقَاقِ الْاَرْضِ عَنْهُ یَوْمَ الْبَعْثِ وَثَانِیْهِ فِیْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ كَمَا قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ

يَا اَبَا بَكْرٍ اَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ وَقَالَ اَيْضًا اَلَا اُبَشِّرُكَ قَالَ بَلٰى بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ۔ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَتَجَلّٰى لِلْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَتَجَلّٰى لَكَ خَاصَّةً۔ (روح البیان ص۹۳ ج ۱)

ترجمہ :۔ "عالم ارواح میں حضور صلے اللہ علیہ وسلّم پہلے اور صدّیق اکبر دوسرے ہیں۔ ہجرت میں حضور پہلے اور صدّیق اکبر دوسرے ہیں۔ خلافت میں حضور پہلے اور صدّیق دوسرے ہیں۔ قبر میں حضور پہلے اور صدّیق دوسرے ہیں اور جنّت میں داخل ہونے میں حضور پہلے اور صدّیق دوسرے ہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابا بکر! میری اُمّت میں سب سے پہلے تم جنّت میں داخل ہو گے۔ نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے ابوبکر! تمھیں ایک بشارت دوں؟ عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ساری اُمّت کو دیدار دکھانے کے لیے ظہور فرمائے گا۔ اور تمھارے لیے خاص طور پر تجلّی فرمائے گا۔"

معلوم ہُوا کہ صدّیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کی بہت بڑی شان ہے اور نبیّوں کے بعد سب سے زیادہ آپ ہی کا درجہ ہے۔ ساری اُمّت میں آپ کا کوئی ہمسر و ہم مرتبہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر جگہ اپنے محبوب کے ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ اس رفاقت و معیّت کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔ پس جو حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کے رفیق کا رفیق نہیں وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا بھی رفیق نہیں۔ جو صدّیق کے نزدیک ہے وہ رسُول کے بھی نزدیک ہے۔ اور جو رفیقِ رسُول سے دُور ہے۔ وہ رسُول سے بھی دُور ہے۔

شیطان کا محبوب دوست

ایک دفعہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شیطان سے پوچھا۔ یہ تو بتا تیرا ہم خواب کون ہے؟

شیطان نے جواب دیا۔ "مست اور نشے والا"

فرمایا۔ تیرا مہمان کون ہے؟ بولا۔ "چور"

فرمایا: تیرا قاصد کون ہے؟ بولا۔ "جادوگر"

فرمایا: تیرا دوست کون ہے۔ بولا۔ "بے نمازی"

فرمایا: اور تیرا سب سے زیادہ معزّز اور محبوب دوست کون ہے؟

بولا "جو ابوبکر و عمر کو بُرا کہے۔" (نزہۃ المجالس صـ۵۶ ج ۲)

معلوم ہُوا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی محبّت شیطان سے بچاتی ہے اور اُن کی عداوت شیطان کی گود میں لا بٹھاتی ہے۔

جنّتی

ایک روز حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا

"آج تم میں سے روزہ کس نے رکھا ہے؟

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہٗ بولے۔ یا رسُول اللہ! میں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

فمن تبع منکم الیوم جنازة

"تم میں سے آج کسی کا جنازہ کس نے پڑھا ہے؟"

صدّیقِ اکبر بولے۔ میں نے یا رسُول اللہ!

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

فمن اطعم منکم الیوم مسکینا۔

"تم میں سے آج کسی مسکین کو کھانا کس نے کھلایا ہے؟"

صدّیق اکبر بولے۔ میں نے یا رسُول اللہ!

حضور علیہ السّلام نے پھر پوچھا۔

فمن عَادَ مِنکم الیوم مریضًا

"اور تم میں سے آج کسی مریض کی عیادت کس نے کی ہے؟"

صدّیق اکبر بولے۔ میں نے یا رسُول اللہ!

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اعلان فرمایا کہ

مَا اَجْتَمَعْنُ فِيْ امرئٍ اِلّاَ دخل الجنّة۔

"جس میں یہ سب باتیں جمع ہوگئیں۔ وُہ جنّت میں داخل ہُوا۔"

اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ حضور نے صدّیق اکبر کو مخاطب فرماکر فرمایا:۔

وَجَبَتْ لَكَ الجنّةُ۔

"تمھارے لیے جنّت واجب ہوگئی۔ (صواعق محرقہ صہ ۴۳)

معلوم ہُوا کہ حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہٗ بڑے ہی اوصاف وکمالات کے مالک تھے۔ روزہ رکھنے والے مسلمانوں کے جنازہ میں شرکت فرمانے والے مسکینوں کو کھانا کھلانے والے اور بیماروں کی ڈھارس

بندھانے والے تھے۔ اور اپنے انہی اوصافِ حسنہ کے صدقے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے اپنے قطعی جنتی ہونے کی بشارت پا گئے۔ پس ایسی پاکیزہ ہستی کو جنتی یقین کرنے والے ہی جنتی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ روزہ رکھنا، مسلمانوں کے جنازہ میں شریک ہونا، مسکینوں کو کھانا کھلانا اور بیمار پرسی کرنا جنتیوں کا کام ہے۔

مقامِ حدیث

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اَطِیْعُوا اللہَ۔ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ۔ اس آیت میں حضور کی اطاعت کا حکم ہے۔ اور اطاعت کا معنی ہے "فرمانبرداری کردن" (صراح) تو گویا اللہ فرما رہا ہے کہ اللہ کی فرمانبرداری کرو۔ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ پس اطاعت کرنے کے لیے ایک "فرمان" کی ضرورت ہوئی جس پر عمل کرنے والے مطیع و فرمانبردار اور عمل نہ کرنے والے عاصی و نافرمان سمجھے جائیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کے لیے اللہ کا "فرمان" چاہیے۔ اور رسول کی فرمانبرداری کے لیے رسول کا "فرمان" چاہیئے۔ تو بات صاف ہے کہ اللہ کا فرمان تو "قرآن" ہے۔ جس پر عمل کرنے کے لیے ہم مامور ہیں۔ اور اس پر عمل کرنے سے ہم اللہ کے فرمانبردار ہوں گے۔ رہا رسول کا فرمان تو وہ "حدیث" ہے۔ جس پر عمل کرنے سے ہم رسول کے فرمانبردار ہو سکتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ "اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" پر عمل کرنے کے لیے حدیث کو ماننا ہی پڑے گا۔ ورنہ اطاعتِ رسول ناممکن ہے۔ اور اگر بقول منکرینِ حدیث کے "اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" میں "رسول" سے مراد قرآن ہے تو

لازم آیا کہ قرآن جو خود فرمانِ الٰہی ہے اُس کا بھی کوئی فرمان ہو۔ اس لیے کہ اطاعت کا معنیٰ ہی "فرمانبرداری" ہے۔ تو قرآن کی فرمانبرداری کے لیے قرآن کا بھی کوئی فرمان ہونا چاہیے۔ مثلاً "اَقِیموا الصَّلٰوۃ" یہ خدا کا فرمان ہے اور اس سے مراد قرآن ہے تو اس "اَقِیموا الصَّلٰوۃ" کا بھی کوئی فرمان ہونا چاہیئے جس کی "فرمانبرداری" سے رسُول (یعنی قرآن) کی اطاعت ہو سکے۔ اس لیے کہ مطاع اور اس کے حکم میں مغائرت ضروری ہے۔ بس ماننا پڑے گا کہ "اَطِیعُوا الرَّسُول" میں "رسول" سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلّم ہی ہیں۔ اور اس سے قرآن مراد لینا سراسر جہالت ہے۔

شارع

علیہ السّلام

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہ عنہٗ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدَقَۃَ الْفِطْرِ طُھْرَۃً لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَۃً لِّلْمَسَاکِیْنِ۔ (الترغیب والترتیب ص۲۲)

ابن عباس سے مروی ہے کہ عید کے دن صدقۂ فطر حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرض کیا ہے۔ تاکہ بیہودہ اور لغو کلام سے روزہ دار کی طہارت ہو جائے اور مسکینوں کو کھانا مل جائے۔

یہ حدیث لکھنے کے بعد پھر محدّثین کرام نے لکھا ہے کہ

فِیْہِ بَیَانٌ اِنَّ مَا فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحْوَ کَمَا فَرَضَ اللّٰہُ۔ (حوالہ مذکور)

"اس میں اس امر کا بیان ہے کہ جو چیز حضور صلے اللہ علیہ وسلّم فرض فرما دیں، وہ ایسے ہی فرض ہے۔ جیسے خدا نے فرض فرمائی ہو"

معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم شارع ہیں، اور آپ کے ارشادات عین شریعت ہیں، اور آپ کے ارشادات کا ماننا اور ان پر عمل کرنا مسلمان کے لیے ایسے ہی ضروری ہے جیسے قرآن کا ماننا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے مختار و شارع ہونے کا انکار کرنا منکرین حدیث کی فہرست بڑھانا ہے۔

انکارِ حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :۔

الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرّم رسول اللہ کما حرّم اللہ ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۲۱)

"یعنی خبردار! خدا نے مجھے قرآن اور اس کی مثل (حدیث) عطا فرمایا ہے اور خبردار عنقریب ایک کھاتا پیتا آدمی پیدا ہوگا جو اپنی مسند پر پڑے ہوئے کہے گا کہ بس قرآن پر عمل کرو۔ قرآن ہی کے حلال کردہ کو حلال جانو۔ حالانکہ رسول اللہ کا حرام کیا ہوا ایسا ہی ہے جیسے اللہ کا حرام کیا ہوا۔"

معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے پہلے ہی ارشاد فرما دیا تھا کہ ایک زمانہ میں انکارِ حدیث کے علمبردار بھی پیدا ہوں گے۔

اور وہ یہ کہیں گے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت نہیں اور جن چیزوں کو قرآن نے حلال کیا وہی حلال ہیں اور جنھیں قرآن نے حرام کیا۔ وہی حرام ہیں۔ اور یوں کہیں گے کہ قرآن میں تو صرف چار چیزیں حرام کی گئی ہیں۔ باقی کی ساری لسٹ ملّا کی یعنی حدیث کی ایجاد ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ منکرین حدیث غریب لوگ نہ ہوں گے بلکہ کھاتے پیتے اور مسندوں پر بیٹھنے والے ہوں گے رسیر شکم اور پیٹو ہوں گے۔ اسی لیے وہ اپنے کھانے پینے کے لیے گنجائش نکالنے کے لیے اجمالِ قرآن کا سہارا لے کر تفصیل حدیث سے انکار کر دیں گے۔ تاکہ کھانے پینے میں کمی واقع نہ ہو۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے جن چیزوں کو حرام کر دیا۔ وہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ نے حرام کر دیا ہو۔ یعنی ہمارے حضور شارع ہیں اور باذن اللہ مالک و مختار ہیں۔ جس چیز کو وہ حرام قرار دے دیں مسلمان کے لیے ایسے ہی ہے جیسے اللہ کی حرام کی ہوئی چیز اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کو شارع و مختار نہ ماننے سے فتنۂ انکارِ حدیث کو تقویت پہنچتی ہے۔

ارشادِ رسول

صلّی اللہ علیہ وسلّم

قرآن پاک فرماتا ہے:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا

شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ الآیۃ۔ (پ ۵ ع ۶)

"اے محبوب! تمھارے ربّ کی قسم! وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک آپس کے جھگڑے میں تمھیں حاکم نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔"

دیکھئے خود خدا تعالیٰ قسم فرما کر فرما رہا ہے کہ قیامت تک کے لیے حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم ہمارے رسُول اور حاکم ہیں اور ہم پر حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کے ہر ارشاد کا ماننا اور جی سے ماننا فرض ہے اور ارشادِ رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے اپنے عقلی ڈھکوسلوں کی رکاوٹ پیدا کرنے کی ہمیں ہرگز اجازت نہیں۔

معلوم ہُوا کہ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ بارشاد قرآن حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات پر جو احادیث کے نام سے کتب احادیث میں موجود ہیں۔ دل وجان سے یقین رکھے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کسی حدیث پاک کا انکار نہ کرے۔ اِس لیے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہر ارشاد پر سرِ تسلیم خم کر دینے کا حکم قرآن دے رہا ہے۔ گویا قرآن پر ایمان رکھنے والا حدیث پر بھی ضرور ایمان رکھے گا۔ اور حدیث کا وہی انکار کرے گا جس کا قرآن پاک پر ایمان نہ ہو گا۔

مدفنِ نبی

حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ:۔

مَا قَبَضَ اللّٰہُ نَبِيًّا اِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي

يُحِبُّ اَنْ يُّدْفَنَ فِيْهِ - یعنی نبی کا جہاں اپنا دل دفن ہونے کو چاہے اُسی جگہ اُس کا وصال بھی ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۳۹)

معلوم ہُوا کہ پنجابی متنبّی اگر نبی ہوتا تو لاہور میں کبھی نہ مرتا اور یا پھر لاہور میں اگر مرا تھا۔ تو دفن بھی لاہور ہی میں ہوتا۔

ختمِ نبوّت

حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا۔ کیوں؟ اِس لیے کہ:۔

لَوْ قُضِیَ اَنْ یَّکُوْنَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیٌّ لَعَاشَ اِبْرَاھِیْمُ وَلٰکِنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ۔ (ابن ماجہ شریف ص۱۱۰)

اگر حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی دوسرا نبی ہونا ممکن ہوتا تو حضرت ابراہیم زندہ رہتے۔ مگر حضور علیہ السّلام کے بعد چونکہ کوئی نبی نہیں ہو سکتا اِس لیے ان کا انتقال ہو گیا۔

معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم خاتم النبیّین اور قیامت تک کے لیے آپ ہی رسُول و نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ بات ممکن ہوتی تو حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کے صاحبزادے اِسی دنیا میں رہتے۔ پھر جب وہی نبی نہ ہوئے تو آج کوئی ایرا غیرا وغیرہ نبی کیسے ہو سکتا ہے۔

مجلس ذکر

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ

مَلَآئِكَةً سَيَّارَةً يَبْتَغُونَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ فَاِذَا وَجَدُوْا مَجْلِسًا فِيْهِ ذِكْرٌ قَعَدُوْا مَعَهُمْ وَحَفَّ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِاَجْنِحَتِهِمْ حَتّٰى يَمْلَأُوْا مَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَاِذَا تَفَرَّقُوْا وَصَعِدُوْا اِلَى السَّمَاءِ قَالَ فَيَسْاَلُهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِحَالِهِمْ مِنْ اَيْنَ جِئْتُمْ فَيَقُوْلُوْنَ جِئْنَا مِنْ عِنْدِ عِبَادِكَ فِي الْاَرْضِ يُسَبِّحُوْنَكَ وَيُكَبِّرُوْنَكَ وَيُهَلِّلُوْنَكَ وَيُمَجِّدُوْنَكَ وَيَسْئَلُوْنَكَ قَالَ وَمَا ذَا يَسْئَلُوْنِيْ قَالُوْا يَسْئَلُوْنَكَ جَنَّتَكَ قَالَ هَلْ رَاَوْا جَنَّتِيْ قَالُوْا لَا اَيْ رَبِّ ـ قَالَ فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْا جَنَّتِيْ قَالُوْا وَيَسْتَجِيْرُوْنَكَ قَالَ وَمِمَّا يَسْتَجِيْرُوْنَنِيْ قَالُوْا مِنْ نَارِكَ ـ قَالَ وَهَلْ رَاَوْا نَارِيْ قَالُوْا لَا ـ قَالَ فَكَيْفَ لَوْ رَاَوْا نَارِيْ قَالُوْا يَسْتَغْفِرُوْنَكَ قَالَ فَيَقُوْلُ قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ فَاَعْطَيْتُهُمْ مَا سَاَلُوْا وَاَجَرْتُهُمْ مِمَّا اسْتَجَارُوْا ـ قَالَ يَقُوْلُوْنَ رَبِّ فِيْهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ اِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ قَالَ فَيَقُوْلُ وَلَهٗ غَفَرْتُ هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ ـ

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے چلنے پھرنے والے ایسے فرشتے بھی ہیں جو ذکرِ الٰہی کی مجلسوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں، سو اگر کوئی ایسی مجلس پاتے ہیں کہ جس میں ذکر ہو۔ تو ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ اور اپنے پروں سے ایک دوسرے کا حلقہ کر لیتے

ہیں۔ یہاں تک کہ ذاکرین اور آسمانِ دنیا کے درمیان جو خلائ ہے اس کو بھر دیتے ہیں۔ پھر جب ذاکرین جدا ہوتے ہیں تو وہ فرشتے آسمان پر پہنچ جاتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے پوچھتا ہے رحالانکہ وہ اُن کے حال کو زیادہ جانتا ہے۔ کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تیرے بندوں کے پاس سے آئے ہیں۔ جو زمین میں ہیں رتیری تسبیح کرتے ہیں اور رتیری تکبیر پڑھتے ہیں۔ اور لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ پڑھتے ہیں اور رتیری بزرگی بیان کرتے ہیں۔ اور تجھ سے مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں۔ وہ تجھ سے تیری جنّت مانگتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے کیا اُنھوں نے میری جنّت دیکھی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں۔ اے ربّ ہمارے! نہیں دیکھی رخدا فرماتا ہے۔ اگر وہ میری بہشت دیکھ لیں، تو ان کی طلب کا کیا حال ہو۔ پھر فرشتے کہتے ہیں۔ وہ تجھ سے پناہ چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وہ کس چیز سے میری پناہ چاہتے ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں۔ تیرے دوزخ سے رخدا فرماتا ہے۔ کیا انھوں نے میرا دوزخ دیکھا ہے۔ کہتے ہیں نہیں رخدا فرماتا ہے۔ اگر وہ میرا دوزخ دیکھ لیں تو کیسا خوف کریں؟ پھر فرشتے کہتے ہیں کہ وہ تجھ سے بخشش چاہتے ہیں رحضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ پھر خدا فرماتا ہے میں نے اُن کی بخشش فرما دی۔ اور رجو چیز وہ مانگتے ہیں۔ میں نے ان کو دی۔ اور جس چیز سے پناہ مانگتے ہیں میں نے پناہ دی۔ فرشتے کہتے ہیں اے ربّ ہمارے ان میں تو فلاں بندہ بھی ہے رجو بڑا گنہگار ہے۔ وہ کسی کام کو وہاں سے گزر رہا تھا کہ وہ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا رحضور صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ان کو بھی بخش دیا۔ کیونکہ وہ ذاکرین ایسی قوم ہیں رجن کے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا۔" (بحوالہ مسلم شریف

(الاحادیث القدسیہ صفحہ ۲۷)

معلوم ہُوا کہ مجلس ذکر اور ذاکرین کی بڑی فضیلت ہے اور اس حدیث میں ایسی بات کا کہیں ذکر نہیں کہ جو مجلس ذکر تداعی و اہتمام کے ساتھ منعقد کی گئی ہو۔ وہ ان فضائل سے مستثنیٰ ہے۔ نہیں بلکہ جس مجلس میں بھی ذکرِ حق ہو رہا ہو وہ ان فضائل کی حامل ہو گی۔ معلوم ہُوا کہ مجلس میلاد ہو یا مجلس گیارہویں یہ فضائل ان میں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ ان مجلسوں میں بھی نعرہ ہائے تکبیر بلند ہوتے ہیں۔ اللہ کی تحمید و تقدیس کا بیان ہوتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں میں ذاکرین حق اگر حلقہ باندھ کر ذکر کریں تو یہ بھی اچھی بات ہے۔ اس لیے کہ فرشتے بھی ان مجلسوں میں حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان ذاکرینِ حق کی مجلسوں میں اکثر "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کا وِرد ہوتا ہے اسی لیے حدیث قدسی میں اس کا بھی ذکر ہے کہ فرشتے یُوں کہتے ہیں کہ اے ربّ! تیرے بندے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" پڑھ رہے تھے اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ کسی بات کا سوال کرنا سائل کے عدم علم پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالےٰ سب سے زیادہ جاننے والا اور ان ذاکرین کی کیفیت کا عالم بلکہ اعلم ہو کر بھی فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ اور میرے بندے مجھ سے کیا مانگتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے اس سوال میں کئی حکمتیں ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدم علیہ السّلام کی پیدائش کے وقت انھیں فرشتوں نے یُوں کہا تھا کہ :-

اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ۔

"یعنی الٰہی! تو ایک ایسی مخلوق پیدا فرما رہا ہے۔ جو زمین میں فساد و جنگ برپا کرے گی اور خونریزیاں کرے گی اور تیری تحمید و تقدیس کرنے والے ہم ہیں۔"

آج یہی فرشتے اِسی مخلوق کو جن کے لیے اُنھوں نے یہ بات کہی تھی۔ خود دیکھ کر آئے ہیں کہ وہ اکٹھے ہو کر اللہ تعالیٰ کی تحمید و تقدیس اور تہلیل میں مشغول ہیں تو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ وہ اُن سے دریافت فرمائے کہ کہاں سے آئے ہو۔ اور میرے بندے کیا کر رہے تھے ؟ تاکہ یہ فرشتے آج خود ہی اپنی زبان سے اس بات کا اقرار کریں کہ ہاں جس مخلوق کے لیے ہم نے کہا تھا کہ وہ لڑتے بھڑتے رہیں گے اور تحمید و تقدیس کرنا تو ہمارا ہی کام ہے۔ وہی مخلوق آج جمع ہو کر اللہ اللہ کر رہی ہے اور تحمید و تقدیس میں مشغول ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی مجلسوں میں آنا موجب مغفرت ہے اور ان کی صحبت اتنی مؤثر اور موجب رحمت ہے کہ جو ان کے پاس یونہی بیٹھ جائے وہ بھی بخشا جاتا ہے۔

پس اے مسلمانو! محفل میلاد ہو یا محفل گیارہویں، نقشبندی حلقۂ ذکر ہو یا چشتی۔ قادری مجلس ذکر ہو یا سہروردی۔ یہ ساری مبارک مجلسیں ذکر حق کے لیے ہی ہوتی ہیں۔ اور ان مجلسوں وہ سارے مسائل موجود ہوتے ہیں جن کا ذکر حدیث قدسی میں آیا ہے۔

اولیاءِ کرام

علیہم الرّحمۃ

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنْ تَخْلُوَ الْاَرْضُ مِنْ اَرْبَعِیْنَ رَجُلًا مِثْلَ خَلِیْلِ الرَّحْمٰنِ فَبِھِمْ تُسْقَوْنَ وَبِھِمْ تُنْصَرُوْنَ مَامَاتَ مِنْھُمْ اَحَدٌ اِلَّا

اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ اٰخَرَ۔ (خصائص کبریٰ (جواہر البحار صلا ج ۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ زمین پر چالیس آدمی مثل خلیل ہمیشہ رہتے ہیں۔ انہی کی طفیل بارش ہوتی ہے اور انہی کے صدقے دشمن پر فتح حاصل ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کر دیتا ہے۔

معلوم ہُوا کہ اولیائے کرام کا وجود ہمارے لیے موجب صد رحمت ہے۔ اُنہی کے صدقے بارش ہوتی ہے اور غلّہ پیدا ہوتا ہے اور انہی کے طفیل دشمن پر فتح ملتی ہے۔ اَلحمدُ للہ کہ ہم ان اللہ والوں کے غلام ہیں اور پچھلے دنوں کے سترہ روزہ جہاد میں ہم نے دیکھ لیا کہ اللہ والوں کے صدقہ میں ہمیں غلّہ بھی بافراط ملتا رہا اور کفر پر فتح و نصرت بھی حاصل ہوئی۔

وسیلہ

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

یَسْتَحِبُّ اِذَا کَانَ فِیْھِمْ رَجُلٌ مَّشْھُوْرٌ بِالصَّلَاحِ اِنْ یَّسْتَسْقُوْا بِهٖ فَیَقُوْلُوا اللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَسْقِیْ وَنَتَشَفَّعُ اِلَیْکَ بِعَبْدِکَ فُلَانٍ۔

(کتاب الاذکار صلا)

"طلبِ باراں کے لیے دُعا مانگتے وقت مستحب یہ ہے کہ اگر ان میں کوئی اللہ کا مقبول صالح آدمی موجود ہو تو اُس کے وسیلہ سے دُعا مانگیں۔ اور یُوں کہیں کہ اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے فلاں بندے کے وسیلہ سے مینہ مانگتے ہیں۔"

معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ سے اگر اس کے کسی مقبول بندے کے وسیلہ سے دُعا کی جائے تو دُعا بھی مقبول ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر کسی گروہ میں ایسا کوئی مقبول ہُوا ہی نہیں تو وہ بچارے پھر معذور ہیں۔ مگر ان کا یہ حق نہیں

کہ وہ اپنی ہی طرح سب کو سمجھیں۔

اللہ والوں کا چاہا

حضرت خضر علیہ السلام نے جب ایک لڑکے کو قتل کر دیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اعتراض فرمایا تو حضرت خضر نے جواب دیا کہ:۔

فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَا اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا۔ فَاَرَدْنَا اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا۔

(پ ۱۶ - ع ۱)

"وہ جو لڑکا تھا۔ اس کے ماں باپ مسلمان تھے۔ تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ اُن کو سرکشی اور کفر پر چڑھائے تو ہم نے چاہا کہ ان کو ان دونوں کا رب اس سے بہتر، ستھرا اور اس سے زیادہ مہربانی میں قریب عطا کرے۔"

معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندوں کے چاہے کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے پورا فرما دیتا ہے۔ اسی لیے تو حضرت خضر نے علی الاعلان فرمایا کہ "اَرَدْنَا" یعنی ہم نے ارادہ کر لیا کہ اللہ انھیں نیک بیٹا دے۔ پھر جو لوگ ان اللہ والوں کے سردار و آقا حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کے متعلق بھی یوں لکھ دیں کہ نبی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا تو وہ لوگ کس قدر جاہل و گمراہ ہیں۔

اَعِيْنُوْنِيْ يَا عِبَادَ اللّٰهِ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّۃُ اَحَدِکُمْ فَلْیُنَادِ یَا عِبَادَ اللّٰہِ (حصن حصین) فَلْیُنَادِ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا۔ (کتاب الاذکار للامام نووی ص۲۰۱)

ترجمہ:۔ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے اگر کسی کا جانور جنگل میں بھاگ جائے تو چاہیئے کہ یُوں پکارے اور کہے کہ "اے اللہ کے بندو میری مدد کرو"

اور دوسری روایت میں ہے کہ یُوں کہے:۔

"اے اللہ کے بندو اسے روکو"

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیثِ پاک کو درج فرما کر ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

حُکِیَ لِیْ بَعْضُ شُیُوْخِنَا الْکِبَارِ فِی الْعِلْمِ اِنَّہٗ اِنْفَلَتَتْ لَہٗ دَابَّۃٌ اَظُنُّہَا بَغْلَۃٌ وَّکَانَ یَعْرِفُ ھٰذَا الْحَدِیْثَ فَقَالَہٗ فَحَبَسَہَا اللّٰہُ عَلَیْہِمْ فِی الْحَالِ وَکُنْتُ اَنَا مَرَّۃً مَعَ جَمَاعَۃٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْہَا بَہِیْمَۃٌ وَّعَجَزُوْا عَنْہَا فَقُلْتُہٗ فَوَقَفَتْ مِنْہَا بَہِیْمَۃٌ وَعَجَزُوْا عَنْہَا فَقُلْتُہٗ فَوَقَفَتْ فِی الْحَالِ بِغَیْرِ سَبَبٍ سِوٰی ھٰذَا الْکَلَامِ (کتاب الاذکار ص۱۰۰)

یعنی مجھ سے ایک بہت بڑے شیخ و عالم نے اپنا واقعہ بیان کیا۔ اور فرمایا کہ میری خچر بھاگ گئی اور مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پاک یاد تھی۔ میں نے اُسی وقت پکار اکر: اعینونی یا عباد اللہ اور یا عباد اللہ اِحبسوا۔ اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ اور اُسے روکو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس خچر کو اُسی وقت روک دیا۔ (امام نووی فرماتے ہیں کہ) میں خود ایک بار ایک جماعت کے ساتھ تھا کہ ہمارا چوپایہ بھاگ گیا۔ ہم سب اس کے پکڑنے سے عاجز ہو گئے۔ تو میں نے بھی یہی حدیث پاک یاد آنے پر کہا:

یَا عِبَادَ اللّٰہِ احْبِسُوْا۔

"اے اللہ کے بندو اسے روکو۔ تو وہ چوپایہ اُسی وقت کھڑا ہو گیا۔ بغیر کسی سبب کے بجز اسی پکار کے۔"

معلوم ہُوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اللہ کے بندوں کو پکارنے اور اُن سے مدد چاہنے کا درس دیا ہے اور امام نووی علیہ الرحمۃ نے اس پر عمل فرما کر اللہ کے بندوں کو پکارا۔ اور ان سے مدد مانگی۔ پھر ہم حدیث پاک اور اُن پاک لوگوں کی راہ چھوڑ کر آجکل کے خود ساختہ مجتہدین کی کوئی بات کیوں سُنیں۔ جو بات بات پر مسلمانوں کو شرک و بدعت کے فتووں سے نوازنے کے عادی ہیں۔

طبیبانِ الٰہی

حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔ ؎

ایں حکیمانِ بدن دانش ورند
بر سقام تو ز تو واقف تر اند
ہم ز نبض و ہم ز رنگ و ہم ز دم
بو برند از تو بصد گونہ سقم

یعنی یہ بدنی حکیم بہت عقل مند اور دانا ہیں۔ جو تیری نبض رنگ اور خون کے ملاحظہ سے تیری نسبت تیری بیماریوں سے زیادہ واقف ہیں۔ جب ان بدنی حکیموں کا یہ حال ہے تو ؎

پس طبیبانِ الٰہی در جہاں
چوں ندانند از تو اسرارِ نہاں

حال تو دانند یک مُو بمُو
زانکہ پُر ہستند از اسرارِ ہُو

یہ طبیبانِ الٰہی (اولیاء اللہ) اس عالمِ فانی میں تیری روحانی بیماریوں سے کیوں نہ واقف ہوں گے۔ بلکہ یہ لوگ تیرے بال بال کا حال جانتے ہیں۔ اِس لیے کہ یہ لوگ اللہ کے اسرار و عرفان سے پُر ہیں۔

معلوم ہُوا کہ ان اللہ والوں کو بہت بڑا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ اور ان کی نظر اتنی وسعت رکھتی ہے کہ ہماری ہر حالت اُن کے سامنے ہوتی ہے اور نورِ حق کی برکت سے اُن سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں رہتی۔ اِسی لیے تو حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ ؎

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا
کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ

"یعنی میں نے اللہ کے تمام ملکوں کو دیکھ لیا اور وہ سارے ملک میری نگاہ میں ایک رائی کے دانہ کے مانند ہیں"

بارہ[۱۲] خصلتیں

حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ شیخ کامل کے لیے بارہ خصلتوں کا ہونا ضروری ہے۔

دو خصلتیں اللہ کی۔
دو خصلتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی۔
دو خصلتیں حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہٗ کی۔
دو خصلتیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ کی۔

دو خصلتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہٗ کی۔

اور دو خصلتیں حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہٗ کی۔

اللہ تعالیٰ کی دو خصلتیں یہ ہیں کہ ستّار و غفّار ہو۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دو خصلتیں یہ ہیں کہ شفیق و رفیق ہو۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دو خصلتیں یہ ہیں کہ صادق و مصدّق ہو۔ فاروق اعظم کی دو خصلتیں یہ ہیں کہ آمر و ناہی ہو۔ عثمان ذو النّورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو خصلتیں یہ ہیں کہ سخی اور تہجد گزار ہو اور علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہٗ کی دو خصلتیں یہ ہیں کہ عالم و بہادر ہو۔ (التحریر الافخم ص۱۹)

معلوم ہُوا کہ سچّا پیر و مُرشد وہ ہے۔ جو خدا کی صفات کا اور رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مبارک اداؤں کا مظہر ہو اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت شریفہ کا مخالف یا حضور کے چار یاروں میں سے کسی کا دشمن ہو وہ پیر و مرشد ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ گمراہ و گمراہ کن ہے اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہٗ ان بارہ خصلتوں کے جامع تھے، اور جو کوئی حضور غوثِ اعظم کا منکر ہو۔ وہ گویا ان بارہ خصلتوں کا منکر ہے۔

تبرّک

حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال ہُوا تو حضور علیہ السّلام نے ہمیں غسل دینے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ جب غسل دے چکو تو مجھے بتانا۔ چنانچہ غسل دینے کے بعد ہم نے حضور علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کی کہ حضور غسل ہو چکا تو حضور علیہ السّلام نے اپنا تہ بند شریف دیا اور فرمایا۔ لو اِسے میری بیٹی کے بدن پر لپیٹ دو۔ (زرقانی شرح مؤطّا ص۲ ج۲)

معلوم ہُوا کہ اللہ والوں کے بدنِ پاک سے مس کی ہوئی اشیاء ہمارے لیے باعث برکت اور موجب خیر و فلاح ہوتی ہیں اور یہی معنی ہے تبرک کا۔ اور تبرّک کے لیے یہ حدیث ایک زبردست دلیل ہے چنانچہ زرقانی میں یہی لکھا ہے کہ ھُوَ اَصْلٌ فِی التَّبَرُّکِ بِاٰثَارِ الصَّالِحِیْنَ۔ (حوالہ مذکور) یعنی نیک لوگوں کے آثار سے تبرک کے لیے یہ حدیث اصل ہے۔"

مُبارک ہاتھ کا چُومنا

قَالَ ثَابِتٌ لِاَنَسٍ یَا اَنَسُ مَسَسْتَ یَدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَدِکَ قَالَ نَعَمْ۔ قَالَ اَرِنِیْ اُقَبِّلُهَا۔ (مسند امام احمد صـ۱۱۱ ج ۲)

ترجمہ:۔ یعنی حضرت ثابت نے حضرت انس سے کہا۔ اے انس کیا تُو نے اپنے ہاتھ سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہاتھ مُبارک چھوا؟ حضرت انس نے کہا ہاں ثابت بولے تو پھر وہ ہاتھ دکھاؤ تاکہ میں اُسے چُوم لُوں۔

معلوم ہُوا کہ بزرگوں کے مبارک ہاتھ چُوم لینا جائز ہیں اور یہ سب محبّت کی باتیں ہیں اور ؎

بے خبر ہو جو لذّتِ غم سے — میرا سوز و گداز کیا جانے

حضرت امیر معاویہ
رضی اللہ عنہ

وَکَانَ عِنْدَہٗ اِذَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رِدَاؤُہٗ وَقَمِیْصُہٗ وَشَیْئٌ مِّنْ شَعْرِہٖ وَاَظْفَارِہٖ فَقَالَ کَفِّنُوْنِیْ فِیْ قَمِیْصِہٖ وَاَدْرِجُوْنِیْ فِیْ رِدَائِہٖ ۔ (شرح الشفاعت ۲۳ ج ۲)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک، قمیض مبارک اور چند بال مبارک اور ناخن مبارک تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جب میرا انتقال ہو تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیض کا کفن پہنانا اور حضور کی چادر میں لپیٹنا"

اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا:۔

وَشُدُّوْا مَوَاضِعَ السُّجُوْدِ مِنِّیْ بِشَعْرِہٖ وَاَظْفَارِہٖ

(حوالہ مذکور)

"یعنی میرے سجدے کی جگہوں پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک اور ناخن باندھ دینا"

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت تھی اور حضور علیہ السلام کے تبرکات آپ کے پاس تھے اور قبر میں بھی آپ یہ تبرکات ساتھ ہی لے کر گئے۔ گویا یہاں بھی رحمت آپ کے ساتھ رہی اور وہاں بھی رحمت ساتھ ہی رہی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے لباس سے تبرک یہ صحابہ کی سنت ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ برکت حاصل کرنے کی نیت سے اگر کفن پر کلمہ شریف لکھ دیا جائے تو جائز ہے۔

کلمہ طیبہ کا ثواب

عَنْ مُحْیِ الدِّیْنِ ابْنِ عَرَبِیْ بَلَغَنِیْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّہٗ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سَبْعِیْنَ اَلْفَ

مَرَّةً غُفِرَ لَهٗ وَكُنْتُ ذَكَرْتُ هٰذَا الْعَدَدَ

مَا عَيَّنْتُهٗ لِاَحَدٍ حَتّٰى اِجْتَمَعْتُ فِيْ ضِيَافَةٍ

مَعَ شَابٍّ مُشْتَهِرٍ بِالْمُكَاشَفَةِ فَبَكٰى اَثْنَاءَ

اَكْلِهٖ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ حَالِهٖ فَقَالَ اَرٰى اُمِّيْ وَاَبِيْ يُعَذَّبَانِ

فَقُلْتُ فِيْ نَفْسِيْ وَهَبْتُ ثَوَابَ التَّهْلِيْلِ الْجَلِيْلِ لِمَيِّتِ

هٰذَا الرَّجُلِ الْجَمِيْلِ. فَضَحِكَ. فَسَأَلْتُهٗ فَقَالَ

اِرْتَفَعَ عَنْهُمَا الْعَذَابُ. فَعَرَفْتُ صِحَّةَ الْحَدِيْثِ

بِكَشْفِهٖ وَصِحَّةَ كَشْفِهٖ بِثُبُوْتِ الْحَدِيْثِ۔

(شرح الشفا ص۳۹۹ ج ۱)

"حضرت محی ابن عربی فرماتے ہیں۔ مجھے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی یہ حدیث پہنچی کہ جو شخص ستّر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھ لے اس کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ میں نے اتنی تعداد میں کلمہ پڑھ کر کسی کو بخشا نہیں تھا۔ کہ دعوت میں جانا پڑا وہاں ایک صاحب کشف نوجوان بھی تھا۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے رونے لگا۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ میں نے کشف میں دیکھا ہے کہ میرے ماں باپ کو عذاب ہو رہا ہے۔ ابن عربی فرماتے ہیں کہ میں نے دل ہی دل میں وہ ستّر ہزار مرتبہ پڑھا ہوا کلمہ طیبہ اس کے ماں باپ کو بخش دیا۔ تو وہ نوجوان اچانک ہنسنے لگا۔ میں نے پوچھا۔ کہ اب کیوں ہنستے ہو۔ تو کہنے لگا۔ کہ اب ان کا عذاب ہٹ گیا ہے۔" فرماتے ہیں۔ مجھے اس کے کشف سے حدیث کی صحت معلوم ہوئی اور حدیث سے اس کے کشف کی صحت معلوم ہوئی۔

معلوم ہُوا کہ میّت کے لیے کلمہ طیبہ پڑھ کر بخشنا بڑا مفید ہے۔ اور یہ جو فاتحہ خوانی میں چنوں پر کلمہ طیّبہ پڑھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگ بجائے اِدھر اُدھر کی باتوں کے کلمہ پڑھتے رہیں اور میّت کے لیے

کوئی فائدے کا کام کر جائیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ چنوں پر جو کلمہ طیّبہ پڑھنے کو بدعت کہتے ہیں اور کلمہ طیّبہ سے روکتے ہیں۔ وہ میّت کے بدخواہ ہیں خیر خواہ نہیں۔

فاتحہ بر طعام

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام

حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میرا دستور تھا کہ میں کھانا پکا کر اُسے اہلِ عبا سے مخصوص کرتا۔ اور فاتحہ خوانی میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے نامِ پاک کے ساتھ حضرت علی حضرت فاطمہ اور حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم کا نام بھی ملاتا تھا۔ ایک رات خواب میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت ہوئی۔ میں نے سلام عرض کیا تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے توجہ نہ فرمائی اور رُخِ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ میں نے اِس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:۔

"من طعام در خانۂ عائشہ مے خورم۔ ہر کہ مرا طعام فرستد بخانۂ عائشہ فرستد"
یعنی میں کھانا عائشہ کے گھر سے کھاتا ہوں۔ جو شخص مجھے کھانا بھیجے۔ وہ عائشہ کے گھر بھیجے۔"

حضرت مجدّد صاحب فرماتے ہیں کہ اب مجھے پتہ چلا کہ حضور علیہ السّلام نے میرے سوال کے جواب میں رُخِ انور اس لیے پھیر لیا ہے کہ میں فاتحہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام نہیں لیا کرتا تھا۔ اس کے بعد میں نے فاتحہ میں حضرت عائشہ بلکہ ساری ازواجِ مطہرات کا نام لینا

شروع کر دیا۔ (مکتوبات صـ۸۹۔ ج ۲)

معلوم ہُوا کہ کھانا پکا کر اس پر فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب بزرگانِ دین کی خدمت میں حاضر کرنا حضرت مجدّد الف ثانی علیہ الرحمتہ کا بھی معمول تھا۔ اگر یہ بات بدعت ہوتی تو حضرت مجدّد صاحب جو قاطع بدعت ہیں۔ اس پر عمل کیوں کرتے اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ فاتحہ خوانی سے ثواب پہنچتا ہے۔ ورنہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت مجدّد صاحب سے یُوں فرماتے کہ تمھاری فاتحہ کا ہمیں کچھ نہیں پہنچتا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کا بہت بڑا مقام ہے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ان کو ایک خاص نسبت ہے۔ دنیوی حیات میں بھی ان کا مقام بلند تھا اور اب اخروی حیات میں بھی ان کا مقام بلند ہے اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہاں بھی حضور کے پاس تھیں اور اب وہاں بھی حضور کے پاس ہی ہیں۔ اور کل جنّت میں بھی حضور کے پاس ہی ہوں گی۔ پھر اگر کوئی بدنصیب اُن کی محبّت سے دُور رہے تو یقیناً وہ جنّت ہی سے دُور رہا ہے۔

کفنی

ایک عارف باللہ نے بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم لکھ کر وصیّت کی کہ جب میں مر جاؤں تو اسے میرے کفن میں رکھ دینا۔ احباب نے پوچھا کہ اس میں کیا فائدہ ہے۔ تو فرمایا میں قیامت کے روز خدا سے کہوں گا۔

الٰھی! بَعَثْتَ كِتَابًا وَجَعَلْتَ عُنْوَانَهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَعَامِلْنِيْ بِعُنْوَانِ كِتَابِكَ۔ الٰہی! تو نے کتاب نازل فرمائی اور اس کی ابتدا، تُو نے بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم سے فرمائی۔ تو میرے ساتھ معاملہ بھی اسی

ابتدا کے ساتھ کر۔" (تفسیر کبیر الامام رازی رحمۃ اللہ علیہ جلد ۱ صـ۹۳)

معلوم ہُوا کہ جو لوگ کفن پر کلمہ شریف لکھتے اور لکھاتے ہیں وہ اِسی لیے کہ اللہ تعالےٰ اس کلمہ شریف کی برکت سے میّت پر اپنا فضل و کرم فرمائے اور جو لوگ اسے بدعت کہتے ہیں۔ وہ گویا خدا کا فضل و کرم چاہتے ہی نہیں۔

صدقہ و خیرات

ایک روز حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم مسجد سے باہر تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ دروازے پر ابلیس لعین کھڑا ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس سے کچھ دریافت فرمایا اور اس نے جواب دیا۔ وہ ملاحظہ فرمائیے۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم :۔ تم میری مسجد کے دروازے پر کیوں آئے ؟

شیطان :۔ یا محمّد! مجھے اللہ یہاں لایا ہے۔

حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم :۔ کیوں ؟

شیطان :۔ اِس لیے تاکہ آپ مجھ سے جو کچھ پوچھیں ، میں جواب دوں۔

حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم :۔ اچھا یہ بتاؤ تم میری اُمت کو نماز با جماعت سے کیوں روکتے ہو؟

شیطان :۔ یا محمّد! آپ کی اُمّت جب نماز پڑھنے کو نکلتی ہے۔ تو مجھے سخت بخار ہو جاتا ہے۔ اور جب تک وہ نماز سے فارغ نہیں ہو جاتی میں بخار میں مبتلا رہتا ہوں۔

حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم :۔ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم میری اُمّت کو

قرآن پڑھنے سے کیوں روکتے ہو ؟

شیطان :- یا محمدؐ! جب وہ قرآن پڑھتے ہیں۔ تو میں سکے کی طرح پگھلنے لگتا ہوں۔

حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم :- اچھا اب یہ بتاؤ۔ کہ تم میری اُمّت کو جہاد سے کیوں روکتے ہو ؟

شیطان :- یا محمدؐ! آپ کے غلام جہاد کے لیے جب نکلتے ہیں۔ تو میرے قدموں میں بیڑیاں ڈال دی جاتی ہیں اور جب تک وُہ واپس نہیں آتے ہیں۔ اسیر رہتا ہوں۔

حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم :- اچھا اب یہ بتاؤ۔ کہ تم میری اُمّت کو صدقہ و خیرات سے کیوں روکتے ہو ؟

شیطان :- آپ کے غلام جب صدقہ وخیرات کا ارادہ ہی کرتے ہیں۔ تو میرے سر پر آرہ رکھ دیا جاتا ہے۔ جو مجھے یُوں کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ جیسے لکڑی کو۔ (روح البیان ص۴)

معلوم ہوا کہ جہاں نماز و تلاوت اور جہاد شیطان کے لیے تکلیف دہ ہے۔ وہاں صدقہ و خیرات بھی اُس کے لیے موت کا سامان ہے۔ اور مسلمانوں کو صدقہ وخیرات مثلاً فاتحہ و ایصالِ ثواب پر عامل دیکھ کر یُوں کٹ جاتا ہے۔ جس طرح آرے سے لکڑی کٹ جاتی ہے۔

جنّ صحابی

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے کہ ایک جنّ سانپ کی شکل میں ہو کر آپ کے پاس سے گزرا۔ آپ

اُس کی شکل وصورت سے اُسے جنّ یا انسان تو سمجھے نہیں۔ آپ نے اُسے سانپ ہی سمجھا اور سانپ سمجھ کر اُسے مار ڈالا۔ تھوڑی دیر بعد جنّوں کے دو چپڑاسی مسجد میں آئے اور شاہ صاحب کو اپنے ملک میں اپنے بادشاہ کے دربار میں لے گئے۔ اور مدعی نے بادشاہ کے روبرو عرض کیا کہ شاہ صاحب نے میرے بیٹے کو بے قصور قتل کر دیا ہے۔ پس باقاعدہ شریعت مجھے قصاص ملنا چاہیئے۔ اس پر بادشاہ شاہ صاحب کے قتل کا حکم دینے ہی والا تھا کہ ایک بوڑھا صحابی جنّ جو وہاں موجود تھا۔ اُٹھا اور کہنے لگا۔ شاہ صاحب پر قصاص واجب نہیں ہے۔ اس لیے کہ میں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے سُنا ہے:۔

مَنْ قُتِلَ فِیْ غَیْرِ زِیِّہٖ۔ فَدَمُہٗ ھَدَرٌ۔ یعنی جس شخص کا قتل کیا جانا تو جائز نہ ہو۔ لیکن وہ ایسی زِم کے لباس اور وضع میں ہو جس کا قتل کیا جانا جائز ہے تو اس کا خون معاف ہے۔ تو چونکہ یہ جنّ سانپ کی شکل میں تھا جس کا قتل کرنا جائز ہے۔ اس لیے شاہ صاحب پر اس کو سانپ سمجھ کر قتل کر دینے سے بموجب اس حدیث کے کچھ مواخذہ نہیں۔ جب یہ بادشاہ نے سُنا تو شاہ صاحب کو رہا کر دیا اور دو جنّ آپ کو اپنی جگہ پر پہنچا آئے۔ (التحریر الافخم صفحہ ۵۵)

معلوم ہُوا کہ مسلمان کو اپنے لباس اور اپنی چال ڈھال میں ڈاڑھی رکھنے، مونچھیں کترانے غرض ہر امر میں اسلامی وضع ہیئت ہرگز نہ بدلنی چاہیئے تاکہ اُن کے ساتھ وہ لوگ بھی جو اُن کے واقف نہیں بسہولت اسلامی برتاؤ کر سکیں اور کسی قسم کے دھوکے میں نہ پڑیں۔

زنانہ شکل وصورت

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَشَبِّہِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاۗءِ وَالْمُتَشَبِّہَاتِ مِنَ النِّسَاۗءِ بِالرِّجَالِ۔

(الترغیب والترہیب ص۲۹۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی سی وضع اختیار کرلیں۔ اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی جو مردوں کی سی وضع قطع اختیار کرلیں۔

معلوم ہُوا کہ مرد ہوکر ریشمین لباس پہننا جو عورتوں کے پہننے کے لیے ہے یا مخنث بننا۔ اور اسی طرح اپنے سر پر عورتوں کی طرح جالی بھی باندھنے لگنا اور عورتوں کا مردوں کی کوٹ پتلون پہننا اور مردوں کی طرح ننگے منہ بلا حجاب باہر نکلنا۔ یہ سب کام ممنوع اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ناراضگی کا سبب ہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ ہمارے حضور صلّے اللہ علیہ وسلّم کو یہ علم تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا۔ جس میں یہ سب باتیں ہوں گی۔ چنانچہ موجودہ زمانہ وُہی زمانہ ہے۔ جس میں یہ سب باتیں نظر آرہی ہیں۔ پس بڑے خوش نصیب ہیں وُہ لوگ جو ان بُرے کاموں سے بچ کر اپنے آقا و مولا صلّے اللہ علیہ وسلّم کی خوشنودی حاصل کرلیتے ہیں۔

ننگی عورتیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم

نے ان عورتوں کو جہنمی قرار دیا۔ جو کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ مُمِیْلَاتٌ مَائِلَاتٌ ہے۔ کپڑے پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں گی اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود دوسروں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔ (الترغیب والترہیب ص ۳۹۱)

معلوم ہوا کہ ایسا باریک لباس پہننا جس کو پہن لینے کے باوجود عورت کا جسم ننگا نظر آئے یا اس طرز اور ایسے فیشن کا لباس پہننا جس سے کندھوں تک بازو ننگے رہیں اور چھاتی بھی ننگی رہے اور زانوؤں تک پنڈلیاں بھی ننگی رہیں اور اسی طرح ٹیڈی لباس جو اس قدر تنگ و چست ہوتا ہے کہ جسم کے سب اعضاء بجائے چھپ جانے کے اور بھی نمایاں نظر آنے لگتے ہیں۔ اس قسم کے سارے برائے نام لباس ممنوع ہیں۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس قسم کے لباس پہننے والی عورتوں کو "ننگی" فرمایا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آجکل کے یہ سارے فیشن ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی نظر مبارک میں تھے اور آئندہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کچھ حضور کے علم میں تھا۔ اِسی لیے میں نے لکھا ہے کہ ؎

تُو دانائے ماکان اور مایکون ہے!
مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں!

یعنی جو کچھ ہو چکا اور ہونے والا ہے حضور سب جانتے ہیں۔ مگر جو خود بے خبر ہیں۔ وہ حضور کو بے خبر سمجھتے ہیں۔

کُتّا و تصویر

حضرت ابُو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:۔

لَا تَدْخُلُ الْمَلٰئِكَةُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَّصُوْرَۃٌ۔

"جس گھر میں کُتّا یا تصویر ہو۔ اُس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے"۔

(الترغیب والترہیب صفحہ ۵۵)

معلوم ہُوا یورپ کی تقلید میں جو لوگ کُتّے پالتے اور گھروں میں تصویریں رکھتے ہیں۔ اُن کے گھروں میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ اور وہ گھر برکتوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ آج کل یہ دونوں ہی چیزیں مسلمانوں کے گھروں میں نظر آتی ہیں۔ کُتّے بھی اور تصویریں بھی۔ حالانکہ یہ دونوں چیزیں مسلمانوں کے لیے ممنوع ہیں۔

لطیفہ

کسی زمانے میں ایک شعر کہا گیا تھا۔ کہ ؎

دِل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

مگر اس دورِ تصویر میں اب یہ شعر یُوں بدل گیا ہے۔ کہ ؎

سامنے لٹکائیں گے تصویرِ یار
جب ذرا گردن اُٹھائی دیکھ لی

دُوسرا لطیفہ

ایک صاحب نے کُتّا پال رکھا تھا اور اُسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ سلاتے بھی ساتھ ہی تھے۔ کسی نے اُن سے کُتّے سے

اس قدر محبت کی وجہ پوچھی تو طنزاً جواب دیا کہ

"ملّا کہتے ہیں نا! کہ جہاں کتّا ہو وہاں فرشتے نہیں آتے تو میں کتّا اس لیے ہر وقت ساتھ رکھتا ہوں۔ تاکہ موت کا فرشتہ بھی نہ میرے پاس آئے اور نہ میں مروں۔ اُس نے جواب دیا۔ مگر کوئی فرشتہ کتّے کی جان لینے تو آئے گا۔ تو جو کُتّے کی جان لینے آئے گا۔ وہ آپ کا بھی کام کر جائے گا!"

یہ جواب سُن کر وہ صاحب لاجواب ہو گئے۔

ایک مسخرہ

فرعون کے یہاں ایک مسخرہ تھا۔ جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی نقل کیا کرتا تھا۔ ان کے لباس جیسا لباس پہن کر اور اُن کے طرزِ گفتگو کی نقل اُتار کر لوگوں میں وعظ کہتا تھا اور فرعون اور اس کی قوم ہنسا کرتی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے جب فرعون اور اُس کی قوم کو غرق کیا تو اُس مسخرے کو اللہ نے ڈبونے سے بچا لیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کی الٰہی! یہ کیا بات ہے؟ کہ جو مسخرہ میری نقلیں اُتار اُتار کر مجھے سب سے زیادہ اذیت دیا کرتا تھا۔ تُو نے اُسی کو بچا لیا۔ تو خدا تعالےٰ نے جواب دیا۔ ہم نے اُسے اس لیے نہیں ڈبویا کہ عذاب کے وقت یہ تمہاری طرح کپڑے پہنے ہُوئے تھا۔ پس مَیں نہ چاہا۔ کہ جس کا لباس تمہاری طرح ہو۔ اُسے میں غرق کروں۔ (التحریر الافخم صہ ۵۳)

معلوم ہُوا کہ جب اہلِ حق کے ساتھ صورتِ تشبّہ توہین اور تحقیر کی غرض سے کرنے والا ایک مسخرہ اس عذابِ دُنیا سے بچ گیا۔ تو جو لوگ انبیاء و اولیاء کے ساتھ اُن کی تعظیم و تکریم کی نیّت سے تشبّہ پیدا

کریں گے اور اُن کی سیرت وصورت کو اپنائیں گے۔ وُہ کیوں نہ نجات کے مستحق ہوں گے۔؟

پردہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ۔

"عورتیں اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں جس سے زینت ظاہر ہو جائے۔ یعنی ان کی پازیب وغیرہ کی آواز مردوں کے کانوں میں نہ پہنچے۔"

صرف بینائی وشنوائی ہی کے احساسات ہی کے متعلق نہیں بلکہ حدیث شریف میں یہ بھی تصریح موجود ہے کہ عورتیں اپنی خوشبو کو بھی مردوں کی ناک سے جدا رکھیں۔

معلوم ھُوا کہ اسلام میں عورت کے زیور کی آواز تک کو مردوں کے کانوں سے بچانے کا اور عورتوں کی خوشبو تک کو مردوں کی ناک سے بچانے کا حکم ہے، پھر خود ہی غور فرما لیجئے کہ عورتوں کا اپنے ہاتھ غیر محرم مردوں کے ہاتھوں میں دے کر مصافحہ کرنا اور بدن سے بدن چھُونا کیوں سخت ممنوع نہ ہوگا اور اس بے راہ روی کی اسلام میں کیسے اجازت ہو سکتی ہے؟

گالی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا تَسُبُّوا الدِّیْکَ فَاِنَّهٗ یُوْقِظُ لِلصَّلٰوۃِ (ترغیب وترهیب ص۵۰۵)

"مُرغ کو گالی نہ دو۔ اس لیے کہ وہ نماز کے لیے (اپنی اذان سے) جگاتا ہے۔"

معلوم ہُوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک جانور کو بھی گالی دینے سے روکا ہے۔ پھر کسی انسان کو مسلمانوں کو اور بزرگوں کو بُرا بھلا کہنا اور گالی دینا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے مُرغ کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ وہ اپنی اذان سے نماز کے لیے جگاتا ہے۔ پھر اگر کوئی انسان کسی مسجد میں اذان دیتا ہو۔ تو اس مؤذن کو حقیر جاننا۔ یا کسی عالم و مولوی و امام کو مُلّا کہہ کر اس کی تحقیر کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

دُعا کیوں قبُول نہیں ہوتی

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ یَا اَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۔ وَقَالَ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْهِ اِلَى السَّمَآءِ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ فَاَنّٰى یُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ ۔ (اَلتَّرْغِیْبُ وَالتَّرْهِیْبُ ص ۳۳۷)

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ پاک ہے اور پاکیزگی ہی کو قبول فرماتا ہے اور اللہ نے جس بات کا اپنے رسُولوں کو حکم دیا ہے۔ اُسی بات کا مسلمانوں کو بھی حکم

دیا ہے۔ چنانچہ رسولوں سے فرمایا کہ "پاک اور ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ میں تمہارے عملوں کو جانتا ہوں"۔ اور مسلمانوں سے بھی فرمایا کہ "ہماری دی ہوئی پاک اور ستھری چیزیں کھاؤ"۔ پھر حضور علیہ السلام نے ایک طویل سفر کے گرد آلود چہرے والے مسافر کا ذکر فرما کر فرمایا۔ کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر دُعا مانگتا ہے اور کہتا ہے۔ یا ربّ۔ یا ربّ لیکن اس کا کھانا حرام ہے۔ پینا حرام ہے اور لباس بھی اس کا حرام ہے تو ایسے شخص کی دُعا کیسے قبول ہو۔"

معلوم ہُوا کہ دُعا مانگنے کے لیے کچھ آداب و شرائط ہیں۔ جن کا وجود قبولیتِ دُعا کے لیے ضروری ہے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے بتا دیا کہ ہمارا کھانا پینا اور پہننا سب حلال، پاک اور ستھرا ہو تو دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ پھر اگر کوئی شخص رشوت بھی کھاتا ہو۔ اور مال غبن و خیانت بھی اُڑاتا ہو۔ شراب بھی پیتا ہو اور غریبوں کا لہو بھی چُوس چُوس کر جیتا ہو لباس بھی اس کا حرام ہو۔ اور ہر چیز حرام ہی کی اُس کے ہاں عام ہو۔ تو ایسا شخص اگر کوئی دُعا مانگے اور قبول نہ ہو۔ تو خود ہی انصاف سے کہیئے کہ یہ قصور کس کا ہے؟

لطیفہ

مولانا رُومی علیہ الرحمۃ نے بارش نہ ہونے کا سبب "منع زکوٰۃ" لکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔

ابر ناید از پئے منع زکوٰۃ
وز زنا افتد وبا اندر جہات

یعنی لوگ زکوٰۃ دینا چھوڑ دیں۔ تو بارش کا ہونا بند ہو جاتا ہے۔ ایک

مولوی صاحب سے کسی نے کہا۔ کہ مولوی صاحب! بارش نہیں ہو رہی۔ دُعا کیجئے کہ بارش ہو۔ مولوی صاحب نے مولانا رومی کا وہی شعر پڑھ کر فرمایا کہ بارش کا رُکنا منعِ زکوٰۃ کے باعث ہے۔ تم لوگ اگر واقعی بارش کے خواہشمند ہو۔ تو دوسرے شہروں کو چھوڑو۔ کم از کم تمہارے اسی شہر کے جتنے بھی صاحبِ نصاب لوگ ہیں۔ وہ سب اپنے اپنے مال کا حساب کر کے پوری پوری زکوٰۃ نکال کر ادا کر دیں۔ پھر اگر بارش نہ ہو تو میرا گلا پکڑ لینا۔ اس پر وہ بارش کا تمنائی خاموش ہو گیا۔ اور مولوی صاحب نے وہی شعر پڑھ کر تفصیل سے بتانا شروع کیا۔ کہ مالِ زکوٰۃ کو خود ہی کھا جانے والے منہ سے نکلی ہوئی دُعا کیسے قبول ہو؟

سَوادِ اعظم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ مجھ پر ساری اُمتیں پیش کی گئیں۔ میں نے دیکھا کہ ایک نبی گزرا ہے اور اس کے ساتھ صرف ایک ہی اُمتی ہے۔ اور ایک نبی گزرا ہے جس کے ساتھ دو اُمتی تھے اور ایک نبی ایسا بھی گزرا جس کے ساتھ کوئی بھی اُمتی نہ تھا۔ پھر ایک نبی دیکھا جس کے ساتھ بہت بڑی جماعت تھی، میں نے اُمید کی کہ یہ میری اُمت ہو گی۔ مگر مجھ سے کہا گیا کہ یہ موسیٰ ہیں۔ اور اُن کی اُمت ہے۔ پھر میں نے ایک اتنی بڑی جماعت دیکھی جس سے چاروں طرفیں پُر تھیں۔ اور مجھ سے کہا گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھو۔ میں نے دیکھا تو ایک انبوہِ کثیر اور سوادِ اعظم نظر آیا۔

• نَقِيلَ لِي هٰؤُلَاءِ اُمَّتُكَ پس مجھ سے کہا گیا کہ یہ آپ کی اُمت ہے۔

وَمَعَ هٰٓؤُلَاءِ سَبْعُوْنَ اَلْفًا۔ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔
اور اُن کے ساتھ ستّر ہزار ایسے لوگ ہیں جو بغیر حساب کے جنّت میں داخل ہوں گے۔

(جواہر البحار ص ۳۲۴۔ جلد ۱)

معلوم ہُوا کہ سوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سچے اُمّتی ہیں اور اگر یہی لوگ مشرک یا بدعتی ہوں اور چند گنتی کے افراد ہی اُمّتی ہوں۔ تو پھر کیا ان چند افراد ہی نے چاروں طرف پُر کی تھیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اسی سوادِ اعظم کی بدولت یہاں بھی رونقیں ہیں۔ جلوس میلاد شریف جلسہ ہائے میلاد شریف ذکر وفکر کی محفلیں۔ بڑی بڑی مسجدوں میں نماز کے اجتماعات وغیرہا انہی سے قائم ہیں اور وہاں بھی ساری رونقیں اسی سوادِ اعظم کی بدولت ہوں گی۔ پس ہمیں سوادِ اعظم ہی میں رہنا چاہیئے۔

شیطان کی چیزیں

خدا تعالیٰ نے شیطان لعین کو جب مردود فرمایا اور حکم دیا کہ
فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ۔
"نکل جا تُو ذلّت والوں میں سے ہے۔"
توشیطان نے عرض کی۔ الٰہی۔ اَنْظِرْنِيْ مجھے مہلت دے۔ خدا نے فرمایا:۔
اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ۔ تجھے مہلت ہے۔
پھر شیطان نے عرض کی الٰہی مجھے اولادِ آدم پر قابو بھی دے تاکہ میں اپنی ہمّت سے اُنھیں اپنا بنا سکوں۔ فرمایا۔ جاؤ ہم نے تمھیں اولادِ آدم پر قابو بھی دیا۔ شیطان نے کہا۔
فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ "تیری عزّت کی قسم! میں ضرور اُنھیں گمراہ کروں گا۔"

شیطان کے پیغمبر پھر کہنے لگا۔ الٰہی! تُو اولادِ آدم میں اپنے پیغمبر بھیجے گا۔ تہدید آمیز اور فرحت خیز کتابیں نازل فرمائے گا۔ میرے پیغمبر کون ہوں گے۔ فرمایا۔ نجومی اور جادوگر تیرے پیغمبر ہیں۔

شیطان کا قرآن شیطان نے پُوچھا۔ الٰہی! میرا قرآن کونسا ہو گا۔ فرمایا: تک بندی اور جھُوٹے شعر تیرا قرآن ہو گا۔

شیطان کی حدیث پھر کہنے لگا۔ الٰہی! اور میری حدیث کون سی ہو گی؟ فرمایا۔ افتراء اور جھُوٹ یہ تیری ہی حدیث ہے۔

شیطان کا مؤذّن پھر پوچھا۔ الٰہی! میرا مؤذّن کون ہے؟ اور میری اذان کیا ہے؟ فرمایا! راگی تیرا مؤذّن اور راگ تیری اذان ہے۔

شیطان کی مسجد پھر پوچھا۔ الٰہی! اور میری مسجد کونسی ہو گی؟ فرمایا۔ شور و شر کی جگہ بازار تیری مسجد ہے۔

شیطان کا کھانا پُوچھا! الٰہی! میرا کھانا کون سا ہو گا؟ فرمایا۔ تمھارا کھانا وہ ہو گا۔ جس پر میرا نام نہ لیا جائے۔

شیطان کا پینا پھر پوچھا۔ اور الٰہی! میرا پینا؟ فرمایا شراب اور جملہ نشہ آور چیزیں تمھارا پینا ہیں۔

شیطان کا جال شیطان نے پھر پوچھا۔ الٰہی! اور میرا جال کون سا ہو گا؟ جس کے ساتھ میں لوگوں کو پھنسا سکوں فرمایا۔ عورتیں تمھارا جال ہوں گی۔

شیطان کا دوست حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ میں نے شیطان سے پوچھا۔ تمھارا دوست کون ہے۔ تو کہنے لگا۔ بے نماز۔

شیطان کا مہمان دریافت فرمایا۔ تیرا مہمان کون ہے۔ بولا چور۔

شیطان کا معزز محبوب حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے پوچھا تمھارے نزدیک اور تمھارا محبوب کون ہے؟ تو کہنے لگا جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کو گالی دے۔ (نزہتہ المجالس صہ ۵۵، ۵۶ ج ۲)

معلوم ہُوا کہ سحر و جادوگری، مبالغہ آمیز جھوٹے شعر، افترا و بہتان طرازی اور راگ گانے وغیرہ سب شیطانی کام ہیں۔ اور شور و شر اور ہنگامہ آرائی کی جگہ اور بازاری مجلسیں یہ سب شیطانی مقام ہیں اور شراب وغیرہ نشہ آور چیزیں اور خدا کو بھول کر کھانے پینے کے سامان یہ سب شیطانی طعام ہیں اور یہ بے حجابی و عریانی کے نظارے اور مغربی تہذیب میں رنگی ہوئی عورتیں یہ سب شیطانی دام ہیں۔ اور بے نماز افراد اور چور ڈاکو یہ سب شیطان کے بندگان بے دام ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالی دینے والے سب شیطان کے غلام ہیں۔

مسلمانو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا۔ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَہٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (پ ۲۲ ع ۱۳)	بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے۔ تم بھی اُسے دشمن سمجھو۔ وُہ تو اپنے گروہ کو اسی لیے بُلاتا ہے کہ وہ دوزخیوں میں سے ہوں۔" پس تم شیطانی کاموں سے بچو۔

بزرگوں کی باتیں

چور ایک عابد کے گھر میں ایک چور ایک عابد کے گھر میں چوری کی غرض سے آیا

لیکن وہاں کچھ نہ پایا۔ خالی ہاتھ واپس لوٹنے کے خیال سے دل برداشتہ ہوا۔ صاحب خانہ کو جب پتہ چلا تو اس نے اپنی وہی چادر جس میں سویا ہوا تھا، چور کے راستے میں ڈال دی تاکہ خالی ہاتھ نہ لوٹے۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا
دل دشمناں را نکردند تنگ
ترا کے میسّر شود ایں مقام
کہ بادوستانت خلاف است جنگ

میں نے سنا ہے کہ اللہ والے دشمنوں کا دل بھی تنگ نہیں کرتے۔ پھر تجھے یہ مقام کس طرح مل سکتا ہے جبکہ تو دوستوں سے بھی جنگ کرتا ہے۔

ذہین لڑکا

ایک زاہد ایک بادشاہ کا مہمان ہوا۔ تو اس نے ضرورت سے بہت کم کھایا اور نماز پڑھنے میں جلدی کی تاکہ لوگ اس کے متعلق بہت زیادہ حُسنِ ظن میں مبتلا ہو جائیں۔ لیکن جب وہ گھر لوٹا تو دوبارہ طعام کی خواہش ظاہر کی۔ زاہد کے ذہین لڑکے نے بادشاہ سے پوچھا۔ کہ آپ نے بادشاہ کے ہاں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔؟

باپ نے جواب دیا۔

در نظرِ ایشاں چیزے نخوردم کہ بکار آید

میں نے اُن کے سامنے کچھ نہیں کھایا تاکہ یہ بات کام آئے۔

لڑکے نے کہا۔ ابا جان!

نماز را ہم قضا کن کہ چیزے نکردی کہ بکار آید

نماز بھی پھر پڑھیئے۔ کہ آپ نے کچھ نہیں کیا۔ تاکہ یہ بات کام آئے۔

یاد

ایک بادشاہ نے ایک عابد و زاہد سے پوچھا۔ کبھی تم ہمیں بھی یاد کرتے ہو؟ زاہد نے کہا۔ ضرور۔ مگر اُس وقت جب خدا کو بھول جاتا ہوں۔

عقیدت و خوشامد ایک مردِ صالح نے خواب میں دیکھا کہ ایک بادشاہ بہشت میں مزے لُوٹ رہا ہے اور ایک عابد و زاہد دوزخ میں عذاب میں مبتلا ہے۔

اس نے حیران ہو کر پوچھا کہ آخر یہ کیا انقلاب ہے؟ ہم تو اس کے برعکس توقع رکھتے تھے۔ غیب سے ندا آئی۔ بادشاہ درویشوں سے عقیدت کی وجہ سے بہشت میں پہنچا۔ اور درویش بادشاہوں کی خوشامد سے دوزخ میں گیا۔

کہا ایک جُوتے نے ایک بزرگ کا جُوتا پُرانا ہو گیا تو اُنھوں نے اُسے اُتار کر پھینک دیا۔ جُوتے نے کہا۔ کیوں جناب! مجھے آپ نے کیوں اُتار پھینکا؟ وہ بولے۔ ارے جُوتے! ایک ذلیل شے ہو کر مجھ سے مخاطب ہوتے ہو۔ خاموش ہو جاؤ۔ جُوتے نے جواب دیا۔ آپ مجھے ذلیل کہہ رہے ہیں۔ مگر یہ بھی سوچا آپ نے؟ کہ میں ذلیل کیوں ہُوا؟ سُنیے جناب! میں ذلیل بھی ہُوا تو اِس لیے کہ آپ نے مجھے پہنا۔ مجھے اگر آپ کے اُستاد نے پہنا ہوتا۔ تو آپ ہی کی نظروں میں میری عزّت ہوتی۔ اگر مجھے آپ کے پیر نے پہنا ہوتا تو مجھی کو آپ قابلِ تعظیم سمجھتے اور مجھے چُومتے۔ آپ کے باپ نے مجھے پہنا ہوتا تو آپ ہی کی نظروں میں عزیز ہوتا۔ مگر آج مجھے جو ذِلّت ملی۔ اور آپ مجھے ذلیل کہہ رہے ہیں۔ سوچ لیجئے۔ کہ یہ کس کی وجہ سے ہے؟

قبلہ! یہ سب آپ ہی کی وجہ سے ہے۔

وہ بزرگ لاجواب ہو گئے اور کہنے لگے۔ بس بس!! اے جُوتے ٹھیک کہا جو کچھ تُو نے کہا۔ جُوتا پھر بولا اور کہنے لگا۔ ایک اور بات بھی سوچیئے۔ اور وہ یہ کہ آپ نے مجھے اپنے پاؤں کی حفاظت کے لیے بنوایا۔ چنانچہ میں نے آپ کے پیروں کی حفاظت کی۔ کانٹوں کے زخم خود سہے۔ مگر آپ کے پیروں

کیچڑ میں خود لتھڑا۔ مگر آپ کے پیروں کو محفوظ رکھا۔ آپ کے پیر ٹیڑھے ہوئے تو میں نے اپنا جسم ٹیڑھا کر لیا۔ الغرض جس مقصد کے لیے میں بنایا گیا۔ مَیں نے اپنا وہ مقصد پُورا کر دِکھایا۔ اب آپ بھی سوچیے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو کیوں بنایا؟ اور آپ کے ذمّہ کونسا کام لگایا۔ ظاہر ہے۔ کہ عبادت و مغفرت کے لیے اِنسان بنایا گیا ہے۔ تو سوچ کر جواب دیجئے کہ آپ نے کیا وہ کام کرکے دکھایا۔ جس کے لیے اللہ نے آپ کو بنایا؟ اگر جواب "ہاں" ہے تو ٹھیک ہے اور اگر جواب "نہیں" ہے تو قبلہ! الیقین کیجئے کہ آپ سے ہزار درجہ میں اچھا ہُوں اور ذلیل میں نہیں آپ ہیں۔ بزرگ رونے لگے۔ اور کہنے لگے۔ اِتنے اچھے ناصح کی جُدائی گوارا نہیں۔ اور اُسے پھر پہن لیا۔

کہا ایک نجاست نے

ایک بزرگ اپنے دوستوں کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے کہ ایک مقام پر دیکھا کہ بھنگی سنڈاس صاف کر رہا ہے، اور راستے میں ایک جگہ پاخانہ پڑا ہے۔ سب لوگ ناک بند کر کے ایک طرف ہو گئے۔ مگر وُہ بزرگ وہیں کھڑے رہے اور فرمانے لگے۔

سُنا تم نے اے میرے دوستو! اس نجاست نے مجھ سے کیا کہا؟ دوستوں نے کہا۔ نہیں۔ جناب ہم نے کچھ نہیں سُنا۔ آپ ہی فرمائیے کہ کیا کہا ہے اِس نجاست نے؟ بزرگ بولے۔ یہ کہا ہے۔ مجھ سے اس نجاست نے۔ کہ "کل میں بازار میں میوہ اور مٹھائی کی شکل میں تھی۔ لوگ مجھے مُول لینے کے لیے مجھ پر روپے نچھاور کر رہے تھے۔ مگر صرف ایک شب میں انسان کے پیٹ میں رہی۔ اور میری یہ شکل ہو گئی۔ اور میں متعفّن و نجس ہو گئی۔ پس مجھے تعجب ہے۔ اِنسان پر۔ جو مجھ سے بھاگنا چاہتا ہے۔ اِنصاف کیجئے۔ کہ بھاگنا مجھے اُس سے چاہیئے یا اُسے مجھ سے؟"

یہ واقعہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیمیائے سعادت میں لکھا ہے۔ اور اسے لِکھ کر پھر وُہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ:-

بات یہ ہے۔ کہ آدمی اِس عالم میں ناقص اور بے کس ہے۔ قیامت کے اندر اِس کی گرم بازاری ہو گی۔ اگر اس نے کیمیائے سعادت کو گوہرِ دل پر ڈالا۔ تو چارپایوں کے مرتبہ سے نکل کر فرشتوں کے درجے پر پہنچے گا۔ اور اگر خواہشات اور حرص و طمع کی طرف متوجہ ہُوا تو کل قیامت کو کُتّے اور سُور اِس سے بہتر ہوں گے۔ کہ خاک ہو جائیں گے اور رنج سے نجات پائیں گے۔ اور آدمی عذاب میں رہے گا۔

کتابت :۔ صادق علی۔ لاہور